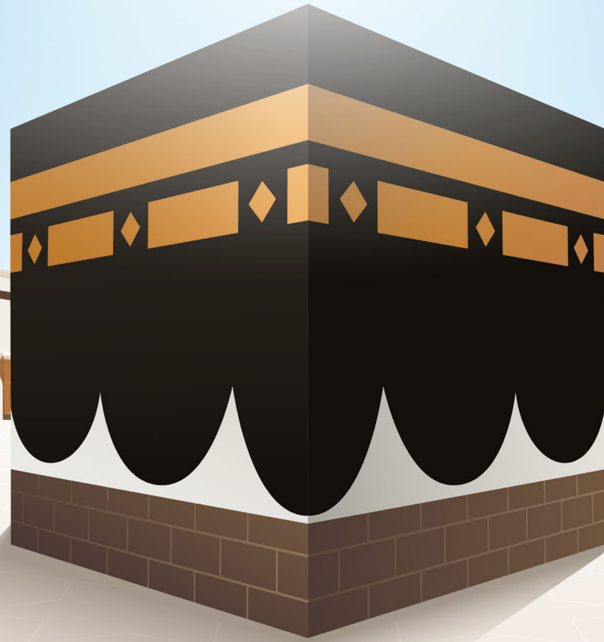
برِّصغیر اور پوری دنیا میں غلبۂ دین کا داعی

نوائے غزوۂ ہند

جون و جولائی ۲۰۲۳ء | محرم الحرام ۱۴۴۵ھ

بانی مُدیر: حافِظ طیّب نواز شہید رحمہ اللہ علیہ



کہ مومنوں کے نام ہی وراثتِ زمین ہے!

’’اللہ نے ہمیں بھیجا ہے۔ اس نے ہمیں اس لیے بھیجا ہے تاکہ وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے دنیا کی تنگیوں سے نکال کر اس کی وسعتوں میں داخل کر دے، اور لوگوں کو دنیا کے باطل ادیان و مذاہب سے نکال کر اسلام کے عدل کی گھنیری چھاؤں میں لے آئے، پس اللہ نے ہمیں اپنے دین کے ساتھ اپنی مخلوق کی جانب بھیجا ہے۔ اب جس نے اللہ کا دین قبول کر لیا تو ہم نے بھی اس سے اس کا دین قبول کر لیا اور اس سے کوئی غرض نہ رکھی اور اس کو اور اس کی زمین کو اسی کے حوالے کر دیا۔ ہاں لیکن جس نے اس دین کا انکار کیا تو ہم اس سے لڑیں گے یہاں تک کہ ہم جنت میں پہنچ جائیں یا فتح وظفر ہمارا مقدر ٹھہرے!‘‘

سیدنا **ربعی ابنِ عامر** رضی اللہ عنہ کا دربارِ رستم میں خطاب

[بحواله: الكامل في التاريخ]

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے نصائح

''تم سب دن اور رات کی گزرگاہ میں ہو، تمہاری عمریں کم ہو رہی ہیں
اور سارے اعمال حفاظت سے رکھے جا رہے ہیں اور موت اچانک آئے گی۔
جو خیر بوئے گا وہ اپنے پسند کی چیز کاٹے گا اور جو شر بوئے گا وہ ندامت وحسرت کاٹے گا۔
انسان جیسا بوئے گا ویسا ہی اسے ملے گا اور ہر انسان کو اس کے مقدر کا مل کر رہے گا،
لہٰذا سست آدمی کے مقدر میں جو لکھا ہوا ہے وہ اسے مل کر رہے گا اور کوئی تیز آدمی اس سے
آگے بڑھ کر اس کے مقدر کا نہیں لے سکتا اور خوب زیادہ کوشش کرنے والا
انسان وہ چیز حاصل نہیں کر سکتا جو اس کے مقدر میں نہیں ہے اور جسے کوئی خیر ملتی ہے
وہ اللہ تعالیٰ کے دینے سے ہی ملتی ہے اور جس کی کسی شر سے حفاظت ہوتی ہے،
وہ اللہ تعالیٰ ہی کے کرنے سے ہوتی ہے۔ متقی لوگ ہی سردار ہوتے ہیں اور فقہا لوگ
امت کے قائد ہیں، ان کے ساتھ بیٹھنے سے دین کی سمجھ بڑھتی ہے۔''

أخرجهٔ أبو نعيم في الحلية (ج 1 ص 134)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نوائے غزوۂ ہند

جلد نمبر: ۱۶، شمارہ نمبر: ۴

جون و جولائی ۲۰۲۳ء
محرم الحرام ۱۴۴۵ھ

بحمد اللہ... مسلسل اشاعت کا سولہواں ۱۶ سال!



تجاویز، تبصروں اور تحریروں کے لیے اس برقی پتے (email) پر رابطہ کیجیے: editor@nghmag.com

www.nawaighazwaehind.co
www.nawai.io/Twitter
www.nawai.io/Channel
www.nawai.io/Bot
www.nawai.io/ChirpWire



رسولِ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''کیا میں تمہیں معاملے کا (یعنی دین کا) سر اور اس کا عمود یعنی ستون اور اس کی بلند چوٹی بتا دوں؟'' معاذؓ کہتے ہیں: ''میں نے عرض کیا، حضرت ضرور بتا دیں!''۔ آپؐ نے فرمایا: ''دین کا سر یا سرا اسلام ہے اور اس کا ستون نماز ہے اور اس کی بلند چوٹی جہاد ہے''۔ (مسند احمد، ترمذی، ابن ماجہ)

اس شمارے میں

اعلانات از ادارہ:

- مجلّہ 'نوائے غزوۂ ہند' میں شائع ہونے والے 'مستعار' مضامین (بشمول سوشل میڈیا پوسٹس/سٹیٹس/ٹویٹس) مجلّے کی ادارتی پالیسی کے مطابق شائع کیے جاتے ہیں اور ان مضامین وغیرہ میں موجود تمام خیالات اور ان کے مصنفین کے تمام افکار و آرا سے ادارے کا متفق ہونا ضروری نہیں۔

’غزوۂ ہند‘ تمام اہلِ ایمان کا قضیہ ہے اور اس ’غزوے‘ کی حمایت و نصرت تمام اہلِ ایمان بالخصوص برِّ صغیر میں بستے اہلِ ایمان کا فریضہ ہے۔ ’غزوۂ ہند‘ کی دعوت کو پھیلانے اور مضبوط کرنے کی ایک کوشش کا نام ’نوائے غزوۂ ہند‘ ہے۔

نوائے غزوۂ ہند:

- اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے کفر سے معرکہ آرا مجاہدین فی سبیل اللہ کا موقف مخلصین اور محبّینِ مجاہدین تک پہنچاتا ہے۔
- برِّ صغیر، افغانستان اور ساری دنیا کے جہاد کی تفصیلات، خبریں اور محاذوں کی صورتِ حال آپ تک پہنچانے کی کوشش ہے۔
- امریکہ، بھارت، اسرائیل اور اس کے حواریوں کے منصوبوں کو طشت از بام کرنے، اُن کی شکست کے احوال بیان کرنے اور اُن کی سازشوں کو بے نقاب کرنے کی ایک سعی ہے۔

اس لیے...... اسے بہتر سے بہترین بنانے اور دوسروں تک پہنچانے میں ہمارا ساتھ دیجیے!

editor@nghmag.com



کہ مومنوں کے نام ہی وراثتِ زمین ہے!

جہادِ برحق کی کیسی مبنی برحق تشریح سیّدنا ربعی ابن عامر رضی اللہ عنہ نے فرمائی! فرمایا: ”اللہ نے ہمیں بھیجا ہے۔ اس نے ہمیں اس لیے بھیجا ہے تا کہ وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے دنیا کی تنگیوں سے نکال کر اس کی وسعتوں میں داخل کر دے، اور لوگوں کو دنیا کے باطل ادیان و مذاہب سے نکال کر اسلام کے عدل کی گھنیری چھاؤں میں لے آئے، پس اللہ نے ہمیں اپنے دین کے ساتھ اپنی مخلوق کی جانب بھیجا ہے۔ اب جس نے اللہ کا دین قبول کر لیا تو ہم نے بھی اس سے اس کا دین قبول کر لیا اور اس سے کوئی غرض نہ رکھی اور اس کو اور اس کی زمین کو اسی کے حوالے کر دیا۔ ہاں لیکن جس نے اس دین کا انکار کیا تو ہم اس سے لڑیں گے یہاں تک کہ ہم جنت میں پہنچ جائیں یا فتح و ظفر ہمارا مقدر ٹھہرے!“[1]

ہندوستان کی ریاست ’منی پور‘ میں دو عیسائی خواتین کو برہنہ کر کے ایک ہندوتوائی ہجوم نے گھمایا، ان کی عصمت دری کی، اسی طرح دو مزید ’کُوکی‘ قبیلے سے تعلق رکھنے والی مزدور پیشہ خواتین کو ہندوتوائی دہشت گرد عورتوں نے گھیرا اور اپنے مردوں کے حوالے کیا، پھر ان خبیث النفس مردوں نے ان عورتوں کو ایک کمرے میں بند کر کے ان کی عزت لوٹی، دو گھنٹے بعد کمرے کا دروازہ کھولا گیا تو وہاں ان دونوں کی لاشیں تھیں، فرش پر پڑا خون اور سر سے نوچے گئے بال۔ یہ واقعات مئی ۲۰۲۳ء میں پیش آئے اور اوائل و اواخرِ جولائی ۲۰۲۳ء میں رپورٹ ہوئے اور اول الذکر انسانیت سوز منظر کی ویڈیو نشر ہوئی۔ ابھی مظلومیت کا یہ گھٹاٹوپ منظر دل و ذہن سے محو نہ ہوا تھا کہ ہندوستان کی ایک اور ویڈیو اواخرِ جولائی ۲۰۲۳ء میں منظرِ عام پر آئی جس میں ایک باحجاب مسلمان خاتون کو پکڑا گیا، اس کا حجاب نوچا گیا، پھر اس کے کپڑوں کے چیتھڑے اڑائے گئے، برہنہ کیا گیا اور پھر اس کی عزت تار تار کی گئی، یہ بہن چیختی رہی۔ اس بہن کی یہ چیخیں ماتم کی صدا تھیں، اپنی عزت کے ختم ہونے پر ماتم نہیں، مسلمان مردوں کی ’غیرت‘ پر ماتم!

اسی جولائی کے مہینے میں آج سے سولہ سال قبل جامعہ حفصہ کی طالبات کو فاسفورس سے جلایا گیا تھا، کئی گولیوں سے بھونی گئی تھیں اور پھر ہم نے انہی طالبات میں سے ایک مسلمان بہن کی وہ بات سنی تھی کہ ’ہم سنا کرتی تھیں کہ کشمیر میں ہماری بہنیں خون کی مہندی لگایا کرتی ہیں لیکن ہم نے اپنے ہاتھوں میں اپنے ہی خون کی مہندی لگائی‘، لا الٰہ الا اللہ کے نام پر بننے والے ملکِ پاکستان کے دار الحکومت اسلام آباد میں!

مسلمان تو مبعوث اس لیے کیے گئے تھے کہ وہ لوگوں کو ادیانِ باطلہ کے ظلم و جور سے نجات دلا کر اسلام کی گھنیری چھاؤں میں لائیں۔ پھر یہ دینِ اسلام سات آسمانوں کے اوپر سے جن قدسی نفوس یعنی اسلام کی جیلِ اول، اَفضل الخلائق بعد الأنبیاء، حضراتِ صحابۂ رسولِ اکرم (علیہ اَلف صلاۃ وسلام)، رضوان اللہ علیہم اَجمعین پر اترا تو انہوں نے دنیا کے ہر کونے تک اس اسلام کا عدل ایک ہاتھ میں قرآن اور دوسرے میں تلوار، دعوت و جہاد کے منہجِ نبویؐ کے مطابق پہنچا دیا۔ یہ قرنِ اول کے قدسی نفوس بحرِ ظلمات تا بحرِ ہند پہنچے اور افریقہ کے صحراؤں سے ترکستان کے برف پوش پہاڑوں تک ان کے مبارک قدموں کے نشان ثبت ہیں۔ ان قدسی نفوس نے یرموک و قادسیہ کے میدان سجا کر آنے والی نسلوں تک کو جورِ ادیانِ باطلہ سے نجات دلائی، یہ سطور لکھنے اور پڑھنے والے بفضل اللہ انہی صحابہؓ کے منت گزار ہیں جن کے طفیل ہمیں ایمان کی توفیق ملی!

---

[1] ”اللَّهُ جَاءَ بِنَا، وَهُوَ بَعَثَنَا لِنُخْرِجَ مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ مِنْ ضِيقِ الدُّنْيَا إِلَى سِعَتِهَا، وَمِنْ جَوْرِ الْأَدْيَانِ إِلَى عَدْلِ الْإِسْلَامِ، فَأَرْسَلَنَا بِدِينِهِ إِلَى خَلْقِهِ، فَمَنْ قَبِلَهُ قَبِلْنَا مِنْهُ، وَرَجَعْنَا عَنْهُ وَتَرَكْنَاهُ وَأَرْضَهُ دُونَنَا، وَمَنْ أَبَى قَاتَلْنَاهُ حَتَّى نُفْضِيَ إِلَى الْجَنَّةِ أَوِ الظَّفَرِ.“ (الكامل في التاريخ)

ان صحابہؓ کے بعد عَلَمِ اسلام جن جن کے ہاتھ بھی آیا انہوں نے اس اسلام کی لاج رکھی اور جو مقصدِ بعثت حضرت ربعی ابنِ عامر رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا تھا اسی کے مطابق چلتے رہے۔ ہماری تاریخ میں دفاعِ حرمتِ نساء سے متعلق دو واقعات بہت مشہور ہیں۔ ایک محمد بن قاسم الثقفی کا محض سترہ اٹھارہ سال کی عمرِ عزیز میں ایک مسلمان بہن کی خاطر مکران تا ملتان کے علاقوں کو تاراج کر کے دار الاسلام میں داخل کر دینا اور دوسرا عباسی خلیفہ معتصم باللہ کا ایک مسلمان عورت جس کو صلیبی بادشاہ نے تھپڑ مارا تھا کی پکار 'وامعتصماہ' پر عیسائیوں کی سرزمین عموریہ کو دار الاسلام میں داخل کر دینا!

ذرا غور کیجیے، جنگ آج بھی وہی ہے۔ کل کے برہمن ہندو راجا داہر کی جگہ آج مودی اور یوگی ادتیاناتھ ہیں اور ان کے تحت مسلمان وعیسائی عورتوں کی عزتیں محفوظ نہیں۔ دوسری طرف صلیب کے محافظ اگر کل بازنطینی تھے تو آج عالمی صلیبی جنگ کی قیادت یورپی نسلوں سے تشکیل پانے والے امریکہ کے ہاتھ میں ہے، جس کی قید میں براہِ راست عافیہ صدیقی جیسی خواتین قید ہیں۔ پاکستان میں ہندو راجوں اور صلیبیوں کی جگہ خود یہاں کی فوج نے سنبھال رکھی ہے اور یہ فوج دراصل امریکہ کی غلام ہے اور اسی امریکی ایما پر سوات تا وزیرستان آپریشن کرتی ہے اور جامعہ حفصہ کی پاکباز بہنوں پر چڑھ دوڑتی ہے، ان کو قتل و اغوا کرتی ہے اور نفاذِ اسلام کے لیے محنت کرنے والے داعیانِ دین و مجاہدین کی عزتوں پر ہاتھ ڈالتی ہے اور ان کی خواتین کی عصمت دری سے بھی نہیں چُوکتی!

ہندوستان میں امریکہ اپنے حواریوں کی اعلانیہ تائید کرتا ہے۔ مودی کے حالیہ دورۂ امریکہ کے موقع پر امریکی وائٹ ہاؤس سے بائیڈن اور مودی کی ملاقات سے قبل بیان جاری ہوتا ہے کہ 'بائیڈن مودی سے انسانی حقوق کے موضوع پر کوئی بات نہیں کرے گا'[1]۔ جنین، فلسطین میں ہونے والے حملوں پر امریکہ کی خاموش نہیں علانیہ تائید اسرائیل کے ساتھ ہے۔ اور امریکی سینٹ کام چیف کی آشیر باد تو عاصم منیر کو پہلے سے ہی حاصل ہے۔ فلسطین تا منی پور و حیدر آباد دکن اور سوات تا لال مسجد ظلم برپا کرنے اور نظامِ کفر کو قائم رکھنے کی عالمی ٹھیکے داری امریکہ کے پاس ہے۔ شواہد کے مطابق آج داعشی خوارج کو بھی امریکی سی آئی اے اپنی خفیہ استخباراتی چالوں اور طریقوں سے فنڈ کر رہی ہے، تاکہ عالمِ اسلام میں ظلم و فساد کو بڑھاوا بظاہر دین و جہاد کا نام لینے والوں کے ذریعے مزید دیا جا سکے[2] اور جہاد فی سبیل اللہ کو بدنام کیا جا سکے۔ پھر نتیجتاً آج پورے عالَم میں چھڑی حق و باطل کی جنگ میں شیخ رحیم اللہ حقانی، شیخ سردار ولی، شیخ مجیب الرحمٰن انصاری، ملّا داود مزمل کی شہادتوں سے لے کر حال ہی میں قبائلی ایجنسی باجوڑ کے علاقے 'خار' میں جمعیت علمائے اسلام کے ایک جلسے میں ہونے والے داعشی انتحاری حملے تک، فائدہ امریکہ، امریکی ورلڈ آرڈر، اس کے مقامی غلام و آلۂ کار حکمرانوں اور ان کے بین الاقوامی ایجنڈے اور 'بیانیے' کو ہوا ہے۔ اس بات کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اگر امکاناً مبنی بر منہجِ نبوی (علی صاحبہ ألف صلاۃ وسلام) وبر حق جہاد و دعوت کا بالواسطہ یا بلاواسطہ فائدہ عالمِ کفر کو ہوتا ہو تو اہلِ دین اپنا مبنی بر حق عمل چھوڑ دیں (حقیقتاً ایسا ہوتا بھی نہیں ہے، کتاب و سنت اور سیاستِ شرعیہ کا نتیجہ ہمیشہ ظاہری طور پر بھی اہلِ کفر کے خلاف ہی جاتا ہے)، البتہ ہماری مراد دین کے ایسے نام لیواؤں کا عمل ہے جن کے اعمال و افعال کتاب و سنت کے بر خلاف ہیں (جیسا کہ داعشی خوارج کا منہج ہے) اور ان کے اعمال و افعال کا فائدہ عالمی کفری نظام کو ہوتا ہے۔ جمعیتِ علمائے اسلام کے اس جلسے پر انتحاری حملہ کرنے کے بعد داعشی خوارج نے جمہوری عمل میں شرکت کی بنیاد پر جمعیتِ علمائے اسلام کے قائدین وعام

---

[1] "Biden will not 'lecture' Modi on human rights", White House (Al Jazeera)

[2] یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ ہم کسی 'سازشی نظریے' کے سبب یہ بات نہیں کہہ رہے، بلکہ صحیح بات یہی ہے کہ داعش جیسے گمراہ فرقے امت میں قرن اول میں پیدا ہوئے اور یہ گمراہ فرقہ مختلف صورتوں میں آخر الزمان تک پیدا ہوتا رہے گا اور موجودہ داعش بھی اسی تکفیری خارجی فرقے کی ایک شکل ہے۔ لیکن عراق تا افغانستان ثقہ راویوں کے مختلف بیان کیے واقعات، خصوصاً امارتِ اسلامیہ افغانستان کے ۲۰۲۱ء میں قیامِ جدید کے بعد اس امر پر شاہد ہیں کہ داعشی خوارج کو مختلف سطحوں پر امریکی استخبارات بلاواسطہ مدد فراہم کر رہی ہے یا بالفاظِ دیگر 'استعمال کر رہی ہے'، البتہ امریکہ ساتھ ہی داعش سے دشمنی بھی رکھتا ہے کہ یہی داعشی بہر حال امریکہ کے بھی دشمن ہیں۔ امریکی استخباراتی کا ان کی خفیہ تائید کا مقصد اہلِ اسلام کے درمیان فتنہ و فساد بڑھانا ہے۔

سطح کے کارکنان کی تکفیر کی اور ان کے قتل اور ان پر حالیہ حملے کا جواز بیان کیا۔ بے شک جمہوری نظام کے غیر اسلامی ہونے پر علمائے حق متفق ہیں اور جن حضرات نے جمہوری سیاست برائے غلبۂ اسلام کو وقتی ضرورت اور ایک آلے کے طور پر استعمال کرنے کی اجازت دی ہے وہ بھی اس کے فی الاصل جائز نہ ہونے پر متفق ہیں، گو کہ علمائے حق خصوصاً علمائے جہاد اس رائے کو غیر صائب سمجھتے ہیں اور جمہوری سیاست میں حصہ لینے کو جائز قرار نہیں دیتے[1]۔ پھر عقلاً و عملاً بھی جمہوری سیاسی کوششیں نفاذِ اسلام کے لیے کبھی ممد و معاون ثابت نہیں ہوئیں، پاکستان میں صوبۂ سرحد میں اہلِ دین کی حکومت سے لے کر مصر و تیونس میں اہلِ دین کی حکومت تک نفاذِ اسلام کے لیے ایک قدم بھی آگے بڑھایا نہیں جا سکا۔ لیکن ساتھ ہی علمائے حق خصوصاً علمائے جہاد نہایت وضاحت سے اس امر کا اظہار و وضاحت کرتے ہیں کہ وہ جمہوری سیاست میں شریک اہلِ دین کی خدانخواستہ تکفیر نہیں کرتے اور ان پر حملے کرنے اور انہیں قتل کرنے کو سراسر ناجائز اور حرام سمجھتے ہیں۔ اس پر مستزاد مذہبی سیاسی جماعتوں کے کارکنان کی تکفیر و قتل تو ظلمات فوق ظلمات ہے، فحسبنا الله ونعم الوكيل! علمائے حق اور مجاہدینِ اسلام تو ان تنظیموں اور جماعتوں میں موجود افراد کو اپنا ایمانی بھائی سمجھتے ہیں اور ان کے ساتھ اصلاح و تعاون اور خیر خواہی کا رشتہ رکھتے ہیں۔ جبکہ داعشی خوارج اپنی ویڈیوز کے اندر امتِ مسلمہ کی اکثریت کی تکفیر کرتے ہیں اور اس تکفیر کے لیے خوارجِ قدیم کی طرح صرف گناہِ کبیرہ کو مکفرہ عمل قرار نہیں دیتے، بلکہ میوزکل کانسرٹ میں شرکت اور فٹ بال میچ میں بطورِ تماشائی شرکت کرنے والوں کے مسلمان ہونے پر بھی سوال اٹھاتے ہیں۔ داعشی خوارج امتِ مسلمہ کی عفیفہ خواتین جن کے شوہروں نے 'دولتِ اسلامیہ' کی بیعت نہیں کی کو زنا کا مرتکب قرار دیتے ہیں، قاتلهم الله!

پس آج امتِ مسلمہ کے مجاہدین ایک ہمہ قسم کی جنگ میں مشغول ہیں۔

ایک طرف فتنۂ خوارج ہے جس کا علاج ان کے باطل افکار و عقائد کا شرعی، علمی و عقلی رد اور منبر و محراب، مساجد و مدارس، تحریری، صوتی و بصری دعوت ہے تاکہ امت کے نوجوان اس فتنے سے باخبر ہوں اور خوارج میں جو اللّٰہ کا خوف رکھنے والے شامل ہیں وہ تائب ہو کر پھر سے اہل السنۃ والجماعۃ کے منہجِ نبوی (علیٰ صاحبہ اَلف صلاۃ و سلام) و منہجِ سلفِ صالحین (رضوان اللّٰہ علیہم اَجمعین) کی طرف لوٹ آئیں۔ ساتھ ہی جو خوارج اہلِ اسلام پر جنگ مسلط کیے ہوئے ہیں ان کا علاج تلوار کی تیز دھار اور کلاشن کوف کی گولیاں ہیں کہ اس گمراہ فرقے کے مبتدی سیدّنا عثمانِ غنی رضی اللّٰہ عنہ، سیدّنا علیِ مرتضیٰ کرم اللّٰہ وجہہ کے قتل، سیدّنا امیر معاویہ رضی اللّٰہ عنہ اور سیدّنا عمرو ابنِ العاص رضی اللّٰہ عنہ تک پر حملوں سے نہیں چُوکے اور آج ان کی انتحاری جیکٹوں سے کابل تا دمشق ہزاروں مجاہدین، علمائے کرام اور قائدینِ امت شہید ہو چکے ہیں۔

دوسری طرف اہم ترین ہدف امریکہ ہے، وہ امریکہ جو کفر و ظلم و فساد کا منبع ہے۔ جس نے اپنی فوجوں کے ذریعے پوری دنیا کی خشکی اور پانیوں کو مسخر کر رکھا ہے اور اپنے عسکری اڈوں اور استخباراتی و ابلاغی چالوں سے عالمِ اسلام پر حملہ کر رکھا ہے۔ امریکہ ہی ہے جو پورے عالمِ اسلام پر قابض حکمرانوں کو مقامی و عالمی طور پر نصب کیے ہوئے ہے اور اپنے مقامی نام نہاد لادین و بے دین، وردی و بے وردی حکمرانوں کے ذریعے کہیں بادشاہت تو

---

[1] جمہوریت کو شہیدِ اسلام حضرت مولانا یوسف لدھیانوی نے 'عصرِ حاضر کا صنمِ اکبر' قرار دیا، مولانا مفتی نظام الدین شامزئی شہید سے لے کر مولانا مفتی حمید اللّٰہ جان صاحب تک پچاسیوں کبار علمائے حق جمہوریت کو اپنے فتاویٰ اور اقوال میں ناجائز قرار دے چکے ہیں۔ نیز جمہوریت کے موضوع پر شیخ ابو یحییٰ اللیبی کا بصری بیان 'جمہوریت...... ایک دینِ جدید'، مولانا عاصم عمر شہید کی کتاب 'ادیان کی جنگ...... دینِ اسلام یا دینِ جمہوریت' لائقِ استفادہ ہیں۔ یہاں یہ نقطہ بھی مستحضر رہے کہ کسی فعل کا (مثلاً جمہوریت میں شرکت) کا غیر اسلامی ہونا ایک بات ہے اور اس میں شریک لوگوں کا حکمِ شرعی کہ وہ خدانخواستہ فسق و فجور یا کفر و شرک کے مرتکب ہوئے ہیں بالکل ایک الگ مسئلہ ہے۔ علمائے حق جمہوریت کو غیر اسلامی قرار دیتے ہیں لیکن اس میں شریک تمام لوگوں (حکمرانوں اور قانون سازوں سے لے کر عام ووٹر تک) کے فعل کو کفر و شرک قرار 'ہرگز' نہیں دیتے اور جمہوریت میں شریک اہلِ دین کا مسئلہ تو سراسر ایک الگ نوعیت کا ہے جس کا نہایت مختصر ذکر اسی تحریر میں علماء کے اقوال کی روشنی میں آ چکا ہے۔

کہیں جمہوریت کے ذریعے نظامِ باطل مسلط کیے ہوئے ہے۔ اسی امریکہ کی تائید کے ساتھ پاکستان میں آنے والا ہر نیا آرمی چیف شریعت کا مطالبہ کرتے مجاہدین کے خلاف آپریشن ضربِ عضب، آپریشن رد الفساد برپا کرتا ہے اور چند ماہ قبل نئے آرمی چیف نے تحریکِ طالبان پاکستان کے مجاہدین کے خلاف آپریشن آل آؤٹ کا اعلان کیا ہے۔ انگریزوں کی ناجائز اولاد اسرائیل کا سب سے بڑا حامی و مددگار صہیو-صلیبی امریکہ ہی ہے اور بھارتی دہشت گردی کا موئید و حامی بھی یہی امریکہ ہے۔ یہی امریکہ امتِ مسلمہ کے ساتھ ساتھ سارے جہان میں انسانوں پر جاری ظلم کا سرخیل بھی ہے، ایشیا تا افریقہ قدرتی وسائل کی لوٹ کھسوٹ میں عالمی بدمعاشوں کا سرغنہ ہے، عالمی سودی اقتصادی نظام کو دنیا کی گردنوں پر مسلط کرنے والا ہے، بلکہ اسی امریکہ کے سرمائے کی ہَوَس نے غیر فائدہ مند 'انڈسٹریوں اور کارخانوں' کے نظام سے ہمارے سیارے 'زمین' کا ماحولیاتی نظام درہم برہم کر دیا ہے، جس کا نتیجہ برفانی گلیشیروں کے پگھلنے کی صورت میں ساری دنیا بھگت رہی ہے اور زمین کا درجۂ حرارت مجموعی طور پر ایک درجہ سینٹی گریڈ (Celsius) بڑھ گیا ہے، ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ!

پس امت کو درپیش اس جنگ کے داخلی و خارجی محاذوں پر سروں سے کفن باندھ کر مجاہدینِ اسلام دعوت و جہاد کے میادین سجائے ہوئے ہیں۔ امتِ مسلمہ کے اسی طائفۂ منصورہ نے اپنی جہادی ضربوں سے افغانستان کو کفر و ظلم سے آزاد کروا کر شریعتِ مطہرہ کو نافذ کیا ہے اور حدود اللہ، نظامِ صلاۃ و زکاۃ افغانستان کی سرزمین پر جاری ہیں۔ لیکن افغانستان تو اس جنگ کا پہلا مورچہ ہے، دسیوں مزید مورچے فتح کرنا ابھی باقی ہے۔ ابھی مسجدِ اقصیٰ کی آنکھوں سے لہو ٹپکتا ہے، کشمیر میں بہنوں کے آنچلوں پر سنگینوں کے وار ہیں، عافیہ صدیقی امریکی قید خانے میں ہیں، مجاہدینِ اسلام اب تک گوانتاناموکے پنجروں میں بند ہیں، اڈیالہ و ساہیوال سے تہاڑ و ڈھاکہ کے جیل خانوں تک فدائینِ ناموسِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں، مشرقی ترکستان میں باحجاب بہنوں کے سروں پر ملحد چینی پیشاب کرتے ہیں اور منی پور کی مظلوم عیسائی خواتین سے لے کر اجتماعی زیادتی کا نشانہ بنائی جانی والی ہندوستانی مسلمان بہن تک...... یہ سبھی کسی صلاح الدین، کسی قتیبہ بن مسلم، کسی محمود غزنوی اور ابنِ قاسم کی راہ تکتے ہیں۔ لوحِ ازل میں یہ فیصلہ ثبت ہے 'کہ مومنوں کے نام ہی وراثتِ زمین ہے'، لیکن فکر و عمل کی بات یہ ہے کہ اس وراثتِ زمین اور جس مقصد کے لیے ربعی ابنِ عامر رضی اللہ عنہ جیسے اصحاب اپنے گھروں سے نکلے تھے، ہم نے اس سب کے لیے اپنا کتنا وقت و ہنر اور خونِ جگر قربان کیا ہے؟

اللهم وفقنا كما تحب و ترضى وخذ من دمائنا حتى ترضى. اللهم زدنا ولا تنقصنا وأكرمنا ولا تهنّا وأعطنا ولا تحرمنا وآثرنا ولا تؤثر علينا وأرضنا وارض عنا. اللهم إنّا نسئلك الثّبات في الأمر ونسئلك عزيمة الرشد ونسئلك شكر نعمتك وحسن عبادتك. اللهم انصر من نصر دين محمد صلى الله عليه وسلم واجعلنا منهم واخذل من خذل دين محمد صلى الله عليه وسلم ولا تجعلنا منهم، آمين يا ربّ العالمين!

•••••

مجلّہ 'نوائے غزوۂ ہند' اہلِ دین و دانش کے نصائح، رائے اور مشورے کا محتاج ہے
اور چاہتا ہے کہ اہلِ دین و دانش کے
قیمتی نصائح، رائے اور مشورے ادارے تک پہنچیں۔

editor@nghmag.com

فضائلِ نماز

حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا کاندھلوی نوّر اللہ مرقدہٗ

بابِ سوم: خشوع خضوع کے بیان میں

بہت سے لوگ ایسے ہیں جو نماز پڑھتے ہیں، ان میں سے بہت سے ایسے بھی ہیں جو جماعت کا بھی اہتمام فرماتے ہیں، لیکن اس کے باوجود ایسی بری طرح پڑھتے ہیں کہ وہ نماز بجائے اس کے کہ ثواب واجر کا سبب ہو، ناقص ہونے کی وجہ سے منہ پر مار دی جاتی ہے، گو نہ پڑھنے سے یہ بھی بہتر ہے، کیوں کہ نہ پڑھنے کی صورت میں جو عذاب ہے وہ بہت زیادہ سخت ہے، اوراس صورت میں یہ ہوا کہ وہ قابل قبول نہ ہوئی اور منہ پر پھینک کر مار دی گئی، اس پر کوئی ثواب نہ ہوا، لیکن نہ پڑھنے میں جس درجے کی نافرمانی اور نخوت ہوئی وہ تو اس صورت میں نہ ہو گی، البتہ یہ مناسب ہے کہ جب آدمی وقت خرچ کرے، کاروبار چھوڑے، مشقت اٹھائے، تو اس کی کوشش کرنا چاہیے کہ جتنی زیادہ سے زیادہ وزنی اور قیمتی پڑھ سکے اس میں کوتاہی نہ کرے، حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے (گو وہ قربانی کے بارے میں ہے، مگر احکام تو سارے ایک ہی ہیں)، فرماتے ہیں:

﴿لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ﴾ (سورۃ الحج: ۳۷)

”نہ تو حق تعالیٰ شانہ کے پاس ان کا گوشت پہنچتا ہے نہ ان کا خون، بلکہ اس کے پاس تو تمہارا تقویٰ اور اخلاص پہنچتا ہے“، پس جس درجے کا اخلاص ہو گا اسی درجے کی مقبولیت ہو گی۔

حضرت مُعاذؓ ارشاد فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے جب مجھے یمن بھیجا تو میں نے آخری وصیت کی درخواست کی، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ”دین کے ہر کام میں اخلاص کا اہتمام کرنا، کہ اخلاص سے تھوڑا عمل بھی بہت کچھ ہے“۔ (مستدرک، حدیث: ۷۸۴۴، ۴: ۳۴۱)

حضرت ثوبانؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ”اخلاص والوں کے لیے خوش حالی ہو کہ وہ ہدایت کے چراغ ہیں، ان کی وجہ سے سخت سے سخت فتنے دور ہو جاتے ہیں“۔ (حلیۃ الاولیاء، ۱: ۱۵۔ شعب الایمان، حدیث: ٦٨٦١)

ایک حدیث میں حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ ضعیف لوگوں کی برکت سے اس امت کی مدد فرماتے ہیں، نیز ان کی دعا سے، ان کی نماز سے، ان کے اخلاص سے۔ (نسائی، کتاب الجھاد، باب الاستنصار بالضعیف، حدیث: ۳۱۸۰)

نماز کے بارے میں اللہ جل شانہٗ کا ارشاد ہے:

﴿فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلٰوتِهِمْ سَاهُوْنَ الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ﴾ (سورۃ الماعون)

”بڑی خرابی ہے ان لوگوں کے لیے جو اپنی نماز سے بے خبر ہیں، جو ایسے ہیں کہ دکھلاوا کرتے ہیں۔“

بے خبر ہونے کی بھی مختلف تفسیریں کی گئی ہیں: ایک یہ کہ وقت کی خبر نہ ہو، قضا کر دے۔ دوسرے یہ کہ، متوجہ نہ ہو، ادھر ادھر مشغول ہو۔ تیسرے یہ کہ یہی خبر نہ ہو کہ کتنی رکعتیں ہوئیں۔

دوسری جگہ منافقین کے بارے میں ارشاد خداوندی ہے:

﴿وَإِذَا قَامُوْا إِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ إِلَّا قَلِيْلًا﴾ (سورۃ النساء: ۱۴۲)

”اور جب نماز کو کھڑے ہوتے ہیں تو بہت کاہلی سے کھڑے ہوتے ہیں، صرف لوگوں کو دکھلاتے ہیں (کہ ہم بھی نمازی ہیں)، اور اللہ تعالیٰ کا ذکر نہیں کرتے، مگر بہت تھوڑا سا۔“

ایک جگہ چند انبیاء علیٰ نبینا وعلیہم الصلاۃ والسلام کا ذکر فرما کر ارشاد ہے:

﴿فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ أَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوَاتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا﴾ (سورۃ مریم: ۵۹)

”پس ان (نبیوں) کے بعد بعضے ایسے ناخلف پیدا ہوئے جنہوں نے نماز کو برباد کیا اور خواہشات نفسانیہ کے پیچھے پڑ گئے، سو عن قریب آخرت میں خرابی دیکھیں گے۔“

لغت میں ”غَيْ“ کا ترجمہ گمراہی ہے، جس سے مراد آخرت کی خرابی اور ہلاکت ہے، اور بہت سے مفسرین نے لکھا ہے کہ ”غَيْ“ جہنم کا ایک طبقہ ہے جس میں لہو، پیپ وغیرہ جمع ہو گا، اس میں یہ لوگ ڈال دیے جائیں گے۔

ایک جگہ ارشاد ہے:

﴿وَمَا مَنَعَهُمْ أَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقٰتُهُمْ إِلَّآ أَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَبِرَسُوْلِهٖ وَلَا يَأْتُوْنَ الصَّلٰوةَ إِلَّا وَهُمْ كُسَالٰى وَلَا يُنْفِقُوْنَ إِلَّا وَهُمْ كٰرِهُوْنَ﴾ (سورۃالتوبۃ: ۵۴)

"اور ان کی خیر خیرات مقبول ہونے سے اور کوئی چیز بجز اس کے مانع نہیں ہے کہ انہوں نے اللہ کے ساتھ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا، اور نماز نہیں پڑھتے مگر کاہلی سے، اور نیک کام میں خرچ نہیں کرتے مگر گرانی سے۔"

اس کے بالمقابل اچھی طرح سے نماز پڑھنے والوں کے بارے میں ارشاد ہے:

﴿قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ o الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ o وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ o وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فَاعِلُوْنَ o وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ o إِلَّا عَلٰى أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ o فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ o وَالَّذِيْنَ هُمْ لِأَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ o وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ o أُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ o الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ o﴾ (سورۃالمومنون: ۱تا۱۱)

"بے شک کامیابی اور فلاح کو پہنچ گئے وہ مومن جو اپنی نماز میں خشوع کرنے والے ہیں، اور وہ لوگ جو لغویات سے اعراض کرنے والے ہیں، اور جو زکوۃ ادا کرنے والے ہیں، [زکوۃ کی تفسیر میں اختلاف ہے کہ اس جگہ مشہور معنیٰ زکوۃ کے مراد ہے یا زکوۃِ بدنی یعنی اپنی اصلاح اور نفس کا تزکیہ؟] (یا اپنے اخلاق کو درست کرنے والے ہیں)، اور جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں بجز اپنی بیبیوں اور باندیوں کے، کہ ان میں کوئی حرج نہیں، البتہ جو ان کے علاوہ اور جگہ شہوت پوری کرنا چاہیں وہ لوگ حد سے گزرنے والے ہیں، اور جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد وپیمان کی رعایت کرنے والے ہیں، اور جو اپنی نمازوں کا اہتمام کرنے والے ہیں، یہی لوگ جنت کے وارث ہیں جو فردوس کے وارث بنیں گے، اور ہمیشہ ہمیشہ کو اس میں رہیں گے۔"

حدیث میں آیا ہے کہ فردوس، جنت کا اعلیٰ اور افضل ترین حصہ ہے، وہاں سے جنت کی نہریں جاری ہوتی ہیں، اسی پر عرش الٰہی ہو گا، جب تم جنت کی دعا کیا کرو تو جنت الفردوس مانگا کرو۔ (ترمذی، صفۃ الجنۃ، ۲۵۳۰)

دوسری جگہ نماز کے بارے میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿وَإِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ إِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ o الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ أَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَأَنَّهُمْ إِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ﴾ (سورۃالبقرۃ: ۴۵،۴۶)

"بے شک نماز دشوار ہے، مگر جن کے دلوں میں خشوع ہے ان پر کچھ بھی دشوار نہیں، یہ وہ لوگ ہیں جو اس کا خیال رکھتے ہیں کہ بلاشبہ وہ اپنے رب سے قیامت میں ملنے والے ہیں، اور مرنے کے بعد اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔"

ایسے ہی لوگوں کی تعریف میں ایک جگہ ارشاد خداوندی ہے:

﴿فِيْ بُيُوْتٍ أَذِنَ اللّٰهُ أَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ يُسَبِّحُ لَهٗ فِيْهَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ o رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَإِقَامِ الصَّلٰوةِ وَإِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَالْأَبْصَارُ o لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ أَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَيَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ o﴾ (سورۃالنور: ۳۶تا۳۸)

"ایسے گھروں میں، جن کے متعلق اللہ جل شانہٗ نے حکم فرمادیا ہے کہ ان کا ادب کیا جائے، ان کو بلند کیا جائے، ان میں صبح شام اللہ کی تسبیح کرتے ہیں، ایسے لوگ جن کو اللہ کی یاد سے اور نماز کے قائم کرنے سے اور زکوۃ کے دینے سے نہ تو تجارت غافل کرتی ہے نہ خرید وفروخت غفلت میں ڈالتی ہے [زکوۃ کی تفسیر میں اختلاف ہے کہ اس جگہ مشہور معنیٰ زکوۃ کے مراد ہے یا زکوۃِ بدنی یعنی اپنی اصلاح اور نفس کا تزکیہ]، وہ لوگ ایسے دن کی سختی سے ڈرتے ہیں جس دن دل اور آنکھیں الٹ پلٹ ہو جائیں گی (یعنی قیامت کا دن)، اور وہ لوگ یہ سب کچھ اس لیے کرتے ہیں کہ اللہ جل شانہٗ ان کے نیک اعمال کا بدلہ ان کو عطا فرماویں، اور بدلے سے بھی بہت زیادہ انعامات اپنے فضل سے عطا فرماویں، اور اللہ جل شانہ تو جس کو چاہتے ہیں بے شمار عطا فرمادیتے ہیں۔"

تو وہ داتا ہے کہ دینے کے لیے
در تری رحمت کے ہیں ہردم کھلے

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ نماز قائم کرنے سے یہ مراد ہے کہ اس کے رکوع سجدے کو اچھی طرح ادا کرے، ہمہ تن متوجہ رہے اور خشوع کے ساتھ پڑھے۔ قتادہؒ سے بھی یہی نقل کیا گیا کہ نماز کا قائم کرنا اس کے اوقات کی حفاظت رکھنا اور وضو کا اور رکوع سجدے کا اچھی طرح ادا کرنا ہے، یعنی جہاں جہاں قرآن شریف میں "إِقَامُ الصَّلٰوةِ" اور "يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ" آیا ہے، یہی مراد ہے۔ (دُرِّ منثور، ۱:۶۲)

یہی لوگ ہیں جن کی تعریف دوسری جگہ ان الفاظ سے ارشاد فرمائی گئی:

﴿وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْناً وَّإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُوْنَ قَالُوْا سَلَاماًo وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّداً وَّقِيَاماً﴾ (سورۃ الفرقان: ۶۳، ۶۴)

"اور رحمن کے خاص بندے وہ ہیں جو چلتے ہیں زمین پر عاجزی سے (اکڑ کر نہیں چلتے)، اور جب ان سے جاہل لوگ (جہالت کی) بات کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ سلام (یعنی سلامتی کی بات کرتے ہیں جو رفع شر کی ہو یا بس دور ہی سے سلام)، اور یہ لوگ ہیں جو رات بھر گزار دیتے ہیں اپنے رب کے لیے سجدے کرنے میں اور نماز میں کھڑے رہنے میں۔"

آگے ان کے چند اوصاف ذکر فرمانے کے بعد ارشاد ہے:

﴿أُولٰئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوْا وَيُلَقَّوْنَ فِيْهَا تَحِيَّةً وَّسَلَاماً. خَالِدِيْنَ فِيْهَا حَسُنَتْ مُسْتَقَرّاً وَّمُقَاماً﴾ (سورۃ الفرقان: ۷۵، ۷۶)

"یہی لوگ ہیں جن کو جنت کے بالاخانے بدلے میں دیے جائیں گے، اس لیے کہ انہوں نے صبر کیا (یا دین پر ثابت قدم رہے)، اور جنت میں فرشتوں کی طرف سے دعا و سلام سے استقبال کیا جاوے گا، اور اس جنت میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، کیا ہی اچھا ٹھکانہ اور رہنے کی جگہ ہے۔"

دوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿وَالْمَلٰئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ. سَلَامٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ. فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ﴾ (سورۃ الرعد: ۲۳، ۲۴)

"اور فرشتے ہر دروازے سے داخل ہوں گے اور کہیں گے: تم پر سلام (اور سلامتی) ہو، اس وجہ سے کہ تم نے صبر کیا (یا دین پر مضبوط اور ثابت قدم رہے)، پس کیا ہی اچھا انجام کار ٹھکانہ ہے۔"

انہی لوگوں کی تعریف دوسری جگہ ان الفاظ سے فرمائی گئی ہے:

﴿تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفاً وَّطَمَعاً وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَo فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ أَعْيُنٍ. جَزَاءً بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ (سورۃ السجدۃ: ۱۶، ۱۷)

"وہ لوگ ایسے ہیں کہ رات کو ان کے پہلو ان کی خواب گاہوں اور بستروں سے علیحدہ رہتے ہیں (کہ نماز پڑھتے رہتے ہیں، اور) اپنے رب کو عذاب کے ڈر سے اور ثواب کی امید میں پکارتے رہتے ہیں، اور ہماری عطا کی ہوئی چیزوں سے خرچ کرتے ہیں، سو کوئی بھی نہیں جانتا کہ ایسے لوگوں کے لیے کیا کچھ آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان پردۂ غیب میں موجود ہے، جو بدلہ ہے ان کے نیک اعمال کا۔"

انہی لوگوں کی شان میں ہے:

﴿إِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ. آخِذِيْنَ مَا آتَاهُمْ رَبُّهُمْ. إِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُحْسِنِيْنَo كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ اللَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ. وَبِالْأَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ﴾ (سورۃ الذاریات: ۱۵ تا ۱۸)

"بے شک متقی لوگ جنتوں اور پانی کے چشموں کے درمیان میں ہوں گے، اور ان کو ان کے رب اور مالک نے جو کچھ ثواب عطا فرمایا اس کو خوشی خوشی لے رہے ہوں گے، اور کیوں نہ ہو کہ وہ لوگ اس سے پہلے (دنیا میں) اچھے کام کرنے والے تھے، وہ لوگ رات کو بہت کم سوتے تھے اور اخیر شب میں استغفار کرنے والے تھے۔"

ایک جگہ ارشادِ خداوندی ہے:

﴿أَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ آنَاءَ اللَّيْلِ سَاجِداً وَّقَائِماً يَّحْذَرُ الْآخِرَةَ وَيَرْجُوْا رَحْمَةَ رَبِّهٖ. قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ. إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُوْا الْأَلْبَابِ﴾ (سورۃ الزمر: ۹)

"(کیا برابر ہو سکتا ہے بے دین) اور وہ شخص جو عبادت کرنے والا ہو رات کے اوقات میں، کبھی سجدہ کرنے والا ہو اور کبھی نیت باندھ کر کھڑا ہونے والا ہو، آخرت سے ڈرتا ہو اور اپنے رب کی رحمت کا امیدوار ہو، (اچھا آپ ان سے یہ پوچھیں:) کہیں عالم اور جاہل برابر ہو سکتا ہے؟ (اور یہ ظاہر ہے کہ عالم اپنے رب کی عبادت کرے ہی گا، اور جو ایسے کریم مولیٰ کی عبادت نہ کرے وہ جاہل بلکہ اجہل ہے ہی)، نصیحت وہی لوگ مانتے ہیں جو اہلِ عقل ہیں۔"

ایک جگہ ارشاد ہے:

﴿إِنَّ الْإِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعاً. إِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعاً. وَّإِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعاً. إِلَّا الْمُصَلِّيْنَ. الَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ دَائِمُوْنَ﴾ (سورۃ المعارج: ۱۹ تا ۲۳)

"اس میں شک نہیں کہ انسان غیر مستقل مزاج پیدا ہوا ہے کہ، جب کوئی تکلیف اس کو پہنچتی ہے تو بہت زیادہ گھبرا جاتا ہے، اور جب کوئی بھلائی پہنچتی ہے تو بخل کرنے لگتا ہے کہ دوسرے کو یہ بھلائی نہ پہنچے،

مگر (ہاں!) وہ نمازی جو اپنی نماز کے ہمیشہ پابند رہتے ہیں، اور سکون وو قار سے پڑھنے والے ہیں"۔ آگے ان کی اور چند صفتیں ذکر فرمانے کے بعد ارشاد ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلٰوتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ o أُولٰئِكَ فِيْ جَنّٰتٍ مُّكْرَمُوْنَ﴾ (سورۃ المعارج: ۳۴،۳۵)

"اور وہ لوگ جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں، یہی لوگ ہیں جن کا جنتوں میں اکرام کیا جائے گا۔"

ان کے علاوہ اور بھی بہت سی آیات ہیں جن میں نماز کا حکم اور نمازیوں کے فضائل، ان کے اعزاز واکرام ذکر فرمائے گئے ہیں، اور حقیقت میں نماز ایسی ہی دولت ہے، اسی وجہ سے دوجہاں کے سردار، فخر رسل حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔ اسی وجہ سے حضرت ابراہیم خلیل اللہ دعا فرماتے ہیں:

﴿رَبِّ اجْعَلْنِيْ مُقِيْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ﴾ (سورۃ ابراھیم: ۴۰)

"اے رب! مجھ کو نماز کا خاص اہتمام کرنے والا بنا دے، اور میری اولاد میں سے بھی ایسے لوگ پیدا فرما جو اہتمام کرنے والے ہوں، اے ہمارے رب! میری یہ دعا قبول فرمالے۔"

اللہ کا ایک پیارا نبی جس کو خلیل ہونے کا بھی فخر ہے، وہ نماز کی پابندی اور اہتمام کو اللہ ہی سے مانگتا ہے۔ خود حق سبحانہ وتقدس اپنے محبوب سید المرسلین ﷺ کو حکم فرماتے ہیں:

﴿وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا، لَا نَسْئَلُكَ رِزْقاً، نَّحْنُ نَرْزُقُكَ، وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى﴾ (سورۃ طہ: ۱۳۲)

"اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم کرتے رہیے اور خود بھی اس کا اہتمام کیجیے، ہم آپ سے روزی (کموانا) نہیں چاہتے، روزی تو آپ کو ہم دیں گے، اور بہترین انجام تو پرہیز گاری کا ہے۔"

حدیث میں آیا ہے کہ جب نبی اکرم ﷺ کو کچھ تنگی وغیرہ پیش آتی تو گھر والوں کو نماز کا حکم فرماتے، اور یہ آیت تلاوت فرماتے، اور یہی انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کا بھی معمول نقل کیا گیا، کہ جب بھی ان حضرات کو کوئی دقت پیش آتی تو نماز میں مشغول ہو جاتے، مگر ہم لوگ اس اہم چیز سے ایسے غافل اور بے نیاز ہیں کہ اسلام اور مسلمانی کے لمبے لمبے دعوؤں کے باوجود بھی ادھر متوجہ نہیں ہوتے، بلکہ اگر کوئی بلانے والا، کہنے والا کھڑا ہوتا ہے تو اس پر فقرے کستے ہیں، اس کی مخالفت کرتے ہیں، مگر کسی کا کیا نقصان ہے! اپنا ہی کچھ کھوتے ہیں، اور جو لوگ نماز پڑھتے بھی ہیں ان میں سے بھی اکثر ایسی پڑھتے ہیں جس کو نماز کے ساتھ مذاق سے اگر تعبیر کیا جائے تو بے جا نہیں، کہ اکثر ارکان بھی پورے طور سے ادا نہیں کرتے، خشوع خضوع کا تو کیا ذکر ہے! حالانکہ نبی اکرم ﷺ کا نمونہ سامنے ہے، وہ ہر کام خود کر کے دکھلا گئے، صحابہ کرامؓ کے کارنامے بھی سامنے ہیں، ان کا اتباع کرنا چاہیے۔

صحابہ کرامؓ کے چند قصے نمونے کے طور پر اپنے رسالہ "حکایاتِ صحابہ" میں لکھ چکا ہوں، یہاں ان کے اعادے کی ضرورت نہیں، البتہ اِس رسالے میں چند حکایات صوفیاء کی نقل کرنے کے بعد چند ارشادات نبی اکرم ﷺ کے نقل کرتا ہوں۔

حکایاتِ صوفیاء از بارہ اہتمام نماز

شیخ مظہر سعدیؒ ایک بزرگ ہیں، جو اللہ جل شانہٗ کے عشق وشوق میں ساٹھ برس تک روتے رہے، ایک شب خواب میں دیکھا، گویا ایک نہر ہے جس میں خالص مشک بھرا ہوا ہے، اس کے کناروں پر موتیوں کے درخت سونے کی شاخوں والے لہلہا رہے ہیں، وہاں چند نوعمر لڑکیاں پکار پکار کر اللہ کی تسبیح میں مشغول ہیں، انہوں نے پوچھا: تم کون ہو؟ تو اُنھوں نے دو شعر پڑھے جن کا مطلب یہ تھا کہ ہم کو لوگوں کے معبود اور محمد ﷺ کے پروردگار نے ان لوگوں کے واسطے پیدا فرمایا ہے جو رات کو اپنے پروردگار کے سامنے اپنے قدموں پر کھڑے رہتے ہیں، اور اپنے اللہ سے مناجات کرتے رہتے ہیں۔ (نُزہۃالبساتین، حکایت: ۷، ص ۵۱)

ابو بکر ضریرؒ کہتے ہیں کہ میرے پاس ایک نوجوان غلام رہتا تھا، دن بھر روزہ رکھتا تھا اور رات بھر تہجد پڑھتا تھا، ایک دن وہ میرے پاس آیا اور بیان کیا کہ میں اتفاق سے آج رات سو گیا تھا، خواب میں دیکھا کہ محراب کی دیوار پھٹی، اس میں سے چند لڑکیاں نہایت ہی حسین اور خوب صورت ظاہر ہوئیں، مگر ایک ان میں نہایت بدصورت بھی ہے، میں نے ان سے پوچھا کہ تم کون ہو اور یہ بدصورت کون ہے؟ وہ کہنے لگیں کہ ہم تیری گذشتہ راتیں ہیں اور یہ تیری آج کی رات ہے۔ (نُزہۃالبساتین، حکایت: ۸، ص ۵۱)

ایک بزرگ کہتے ہیں کہ مجھے ایک رات ایسی گہری نیند آئی کہ آنکھ نہ کھلی، میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک ایسی نہایت حسین لڑکی ہے کہ اس جیسی میں نے عمر بھر نہیں دیکھی، اس میں سے ایسی تیز خوشبو مہک رہی تھی کہ میں نے ویسی خوشبو بھی کبھی نہیں سونگھی، اس نے مجھے ایک کاغذ کا پرچہ دیا جس میں تین شعر لکھے ہوئے تھے، ان کا مطلب یہ تھا کہ "تو نیند کی لذت میں مشغول ہو کر جنت کے بالا خانوں سے غافل ہو گیا، جہاں ہمیشہ تجھے رہنا ہے اور موت بھی وہاں نہ آئے گی؟ اپنی نیند سے اٹھ، سونے سے تہجد میں قرآن پڑھنا بہت بہتر ہے"۔ کہتے ہیں کہ اس کے بعد سے جب مجھے نیند آتی ہے اور یہ اشعار یاد آتے ہیں تو نیند بالکل اڑ جاتی ہے۔ (نُزہۃ البساتین، حکایت: ۹، ص ۵۲)۔

حضرت عطاءؒ فرماتے ہیں کہ میں ایک بازار میں گیا، وہاں ایک باندی فروخت ہو رہی تھی جو دیوانی بتائی جاتی تھی، میں نے سات دینار میں خرید لی اور اپنے گھر لے آیا، جب رات کا کچھ حصہ گزرا تو میں نے دیکھا کہ وہ اٹھی، وضو کیا، نماز شروع کر دی، اور نماز میں اس کی یہ حالت تھی کہ روتے روتے اُس کا دم نکلا جاتا تھا، نماز کے بعد اس نے مناجات شروع کی، اور یہ کہنے لگی: ''اے میرے معبود! آپ کو مجھ سے محبت رکھنے کی قسم، مجھ پر رحم فرما''، میں نے اس سے کہا کہ اس طرح نہ کہو، یوں کہو کہ مجھے تجھ سے محبت رکھنے کی قسم، یہ سن کر اس کو غصہ آ گیا اور کہنے لگی: قسم ہے اس ذات کی! اگر اس کو مجھ سے محبت نہ ہوتی تو تجھے میٹھی نیند نہ سلاتا اور مجھے یوں نہ کھڑا رکھتا۔(نُزہۃ البساتین، حکایت:۳۵۸، ص۸۵)

اس قسم کا ایک واقعہ حضرت سرّیؒ کے ساتھ بھی پیش آیا، کہتے ہیں کہ میں نے اپنی خدمت کے لیے ایک باندی خریدی، ایک مدت تک وہ میری خدمت کرتی رہی اور اپنی حالت کا مجھ سے اخفاء کرتی، اس کی نماز کی ایک جگہ متعین تھی، جب کام سے فارغ ہو جاتی وہاں جا کر نماز میں مشغول ہو جاتی، ایک رات میں نے دیکھا کہ وہ کبھی نماز پڑھتی ہے اور کبھی مناجات میں مشغول ہو جاتی ہے، اور کہتی ہے کہ: آپ اس محبت کے وسیلے سے جو مجھ سے ہے، فلاں فلاں کام کر دیں، میں نے آواز سے کہا کہ اے عورت! یوں کہہ کہ میری محبت کے وسیلے سے جو مجھے آپ سے ہے، کہنے لگی: میرے آقا! اگر اس کو مجھ سے محبت نہ ہوتی تو تمہیں نماز سے بٹھلا کر مجھے کھڑا نہ کرتا۔ سرّیؒ کہتے ہیں: جب صبح ہوئی تو میں نے اس کو بلا کر کہا کہ تو میری خدمت کے قابل نہیں، اللہ ہی کی عبادت کے لائق ہے، اس کو کچھ سامان دے کر آزاد کر دیا۔(نُزہۃ المجالس)

حضرت سرّی سَقَطیؒ ایک عورت کا حال فرماتے ہیں کہ جب وہ تہجد کی نماز کو کھڑی ہوتی تو کہتی: ''اے اللہ! ابلیس بھی تیرا ایک بندہ ہے، اس کی پیشانی بھی تیرے قبضے میں ہے، وہ مجھے دیکھتا ہے اور میں اسے نہیں دیکھ سکتی، تو اسے دیکھتا ہے اور اس کے سارے کاموں پر قادر ہے اور وہ تیرے کسی کام پر بھی قدرت نہیں رکھتا، اے اللہ! اگر وہ میری برائی چاہے تو تو اس کو دفع کر، اور وہ میرے ساتھ مکر کرے تو تو اس کے مکر کا انتقام لے، میں اس کے شر سے تیری پناہ مانگتی ہوں، اور تیری مدد سے اُس کو دھکیلتی ہوں''۔ اس کے بعد وہ روتی رہتی تھی، حتیٰ کہ روتے روتے اس کی ایک آنکھ جاتی رہی، لوگوں نے اس سے کہا: خدا سے ڈر، کہیں دوسری آنکھ بھی نہ جاتی رہے، اس نے کہا: اگر یہ آنکھ جنت کی آنکھ ہے تو اللہ جل شانہٗ اس سے بہتر عطا فرمائیں گے، اور اگر دوزخ کی آنکھ ہے تو اس کا دور ہی ہونا اچھا۔(نُزہۃ البساتین، حکایت:۲۲۵، ص۲۷۲)

شیخ ابو عبد اللہ جلاءؒ فرماتے ہیں کہ ایک دن میری والدہ نے میرے والد سے مچھلی کی فرمائش کی، والد صاحب بازار تشریف لے گئے، میں بھی ساتھ تھا، مچھلی خریدی، گھر تک لانے کے واسطے مزدور کی تلاش تھی کہ ایک نو عمر لڑکا۔ جو پاس ہی کھڑا تھا۔ کہنے لگا: چچا جان! اسے اٹھانے کے واسطے مزدور چاہیے؟ کہا: ہاں! اس لڑکے نے اپنے سر پر اٹھا لی اور ہمارے ساتھ چل دیا، راستے میں اس نے اذان کی آواز سن لی، کہنے لگا: اللہ کے منادی نے بلایا ہے، مجھے وضو بھی کرنا ہے، نماز کے بعد لے جا سکوں گا، آپ کا دل چاہے انتظار کر لیجیے، ورنہ اپنی مچھلی لے لیجیے، یہ کہہ کر مچھلی رکھ کر چلا گیا، میرے والد صاحب کو خیال آیا کہ یہ مزدور لڑکا تو ایسا کرے، ہمیں بہ طریق اولیٰ اللہ پر بھروسہ کرنا چاہیے، یہ سوچ کر وہ بھی مچھلی رکھ کر مسجد میں چلے گئے، نماز سے فارغ ہو کر ہم سب آئے تو مچھلی اسی طرح رکھی ہوئی تھی، اس لڑکے نے اٹھا کر ہمارے گھر پہنچا دی، گھر جا کر والد نے یہ عجیب قصہ والدہ کو سنایا، انہوں نے فرمایا کہ اس کو روک لو وہ بھی مچھلی کھا کر جائے، اس سے کہا گیا، اس نے جواب دیا کہ میرا تو روزہ ہے، والد نے اصرار کیا کہ شام کے وقت یہیں آ کر افطار کرے، لڑکے نے کہا: میں ایک دفعہ جا کر دوبارہ نہیں آتا، یہ ممکن ہے کہ میں پاس ہی مسجد میں ہوں، شام کو آپ کی دعوت کھا کر چلا جاؤں گا، یہ کہہ کر وہ قریب ہی مسجد میں چلا گیا، شام کو بعد مغرب آیا، کھانا کھایا، اور کھانے سے فراغت پر اس کو تخلیہ کی جگہ بتا دی۔ ہمارے قریب ہی ایک اپاہج عورت رہا کرتی تھی، ہم نے دیکھا کہ وہ بالکل اچھی تندرست آ رہی ہے، ہم نے اس سے پوچھا کہ تو کس طرح اچھی ہو گئی؟ کہا: میں نے اس مہمان کے طفیل سے دعا کی تھی کہ یا اللہ! اس کی برکت سے مجھے اچھا کر دے، میں فوراً اچھی ہو گئی۔ اس کے بعد جب ہم اس کے تخلیہ کی جگہ اس کو دیکھنے گئے تو دیکھا دروازے بند ہیں اور اس مزدور کا کہیں پتہ نہیں۔(نُزہۃ البساتین، حکایت:۲۲۹، ص۲۷۳)

ایک بزرگ کا قصہ لکھا ہے کہ ان کے پاؤں میں پھوڑا نکل آیا، طبیبوں نے کہا: اگر ان کا پاؤں نہ کاٹا گیا تو ہلاکت کا اندیشہ ہے، ان کی والدہ نے کہا: ابھی ٹھہر جاؤ، جب یہ نماز کی نیت باندھ لیں تو کاٹ لینا، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا، ان کو خبر بھی نہ ہوئی۔

ابو عامرؒ کہتے ہیں کہ میں نے ایک باندی دیکھی جو بہت کم داموں پر فروخت ہو رہی تھی، جو نہایت دبلی پتلی تھی، اس کا پیٹ کمر سے لگ رہا تھا، بال بکھرے ہوئے تھے، میں نے اس پر رحم کھا کر اس کو خرید لیا، اس سے کہا کہ: ہمارے ساتھ بازار چل، رمضان المبارک کے واسطے کچھ ضروری سامان خرید لیں، کہنے لگی: اللہ کا شکر ہے جس نے میرے واسطے سارے مہینے یکساں کر دیے، وہ ہمیشہ دن کو روزہ رکھتی، رات بھر نماز پڑھتی، جب عید قریب آئی تو میں نے اس سے کہا کہ کل صبح بازار چلیں گے، تو بھی ساتھ چلنا، عید کے واسطے کچھ ضروری سامان خرید لائیں گے، کہنے لگی: میرے آقا! تم تو دنیا میں بہت ہی مشغول ہو، پھر اندر گئی اور نماز میں مشغول ہو گئی، اور اطمینان سے ایک ایک آیت مزے لے لے کر پڑھتی رہی، حتیٰ کہ اس آیت پر پہنچی ﴿وَيُسْقٰى مِنْ مَّآءٍ صَدِيْدٍ﴾ (سورۃ ابراہیم:۱۶) اس آیت کو بار بار پڑھتی رہی، اور ایک چیخ مار کر اس دنیا سے رخصت ہو گئی۔(نُزہۃ البساتین، حکایت:۳۷۹، ص۴۳۳)

اہلِ مجاہدہ میں اس قسم کے واقعات بہت کثرت سے ملتے ہیں، ان حضرات کی حرص تو بہت ہی مشکل ہے، کہ اللہ جل شانہٗ نے ان کو پیدا ہی اس لیے فرمایا تھا، لیکن جو حضرات اکابر کہ دوسرے دینی اور دنیاوی مشاغل میں مشغول تھے، ان کی حرص بھی ہم جیسوں کو دشوار ہے۔

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ سے سب ہی واقف ہیں، خلفائے راشدین کے بعد انہیں کا شمار ہے، ان کی بیوی فرماتی ہیں کہ عمر بن عبد العزیزؒ سے زیادہ وضو اور نماز میں مشغول ہونے والے تو اور بھی ہوں گے، مگر ان سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا میں نے نہیں دیکھا، عشاء کی نماز کے بعد مصلے پر بیٹھ جاتے، اور دعا کے واسطے ہاتھ اٹھاتے اور روتے رہتے، حتیٰ کہ اسی میں نیند کا غلبہ ہو تا تو آنکھ لگ جاتی، پھر جب کھل جاتی تو اسی طرح روتے رہتے اور دعا میں مشغول رہتے۔

حضرت سعید بن جُبیرؒ ایک رکعت میں پورا قرآن شریف پڑھ لیتے تھے۔(حلیۃ الاولیا، ۲۷۳:۴۔ سیر اعلام النبلاء، ۳۲۴:۴)

حضرت محمد بن مُنکَدِرؒ- حفاظ حدیث میں ہیں- ایک رات تہجد میں اتنی کثرت سے روئے کہ حد نہ رہی، کسی نے دریافت کیا تو فرمایا: تلاوت میں یہ آیت آگئی تھی: ﴿وَبَدَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمْ يَكُوْنُوْا يَحْتَسِبُوْنَ﴾ (سورۃ الزمر: ۴۷)۔(سیر اعلام النبلاء، ۳۵۵:۵) مذکورہ آیت میں اس ٹکڑے سے پہلے اس کا ذکر ہے کہ، اگر ظلم کرنے والوں کے پاس دنیا کی ساری چیزیں ہوں اور اتنی ہی ان کے ساتھ اور بھی ہوں، تو وہ قیامت کے دن سخت عذاب سے چھوٹنے کے لیے فدیے کے طور پر دینے لگیں۔ اس کے بعد ارشاد ہے: ﴿وَبَدَا لَهُمْ...﴾ الآیۃ: ''اور اللہ کی طرف سے ان کے لیے (عذاب کا) وہ معاملہ پیش آئے گا جس کا ان کو گمان بھی نہ تھا، اور اس وقت ان پر اپنی تمام بداعمالیاں ظاہر ہو جائیں گی''۔ حضرت محمد بن مُنکَدِرؒ وفات کے وقت بہت گھبرا رہے تھے، اور فرماتے تھے کہ اسی آیت سے ڈر رہا ہوں۔

حضرت ثابت بُنانیؒ- حفاظ حدیث میں ہیں- اس قدر کثرت سے اللہ کے سامنے روتے تھے کہ حد نہیں، کسی نے عرض کیا کہ آنکھیں جاتی رہیں گی، فرمایا کہ ان آنکھوں سے، اگر روئیں نہیں تو فائدہ ہی کیا ہے! اس کی دعا کیا کرتے تھے کہ یا اللہ! اگر کسی کو قبر میں نماز پڑھنے کی اجازت ہو سکتی ہو تو مجھے بھی ہو جائے۔ ابو سِنانؒ کہتے ہیں: خدا کی قسم! میں ان لوگوں میں تھا جنھوں نے ثابتؒ کو دفن کیا، دفن کرتے ہوئے لحد کی ایک اینٹ گر گئی، تو میں نے دیکھا کہ وہ کھڑے نماز پڑھ رہے ہیں، میں نے اپنے ساتھی سے کہا: دیکھو! یہ کیا ہو رہا ہے؟ اس نے مجھ سے کہا: چپ ہو جاؤ، جب دفن کر چکے تو ان کے گھر جا کر ان کی بیٹی سے دریافت کیا کہ: ثابت کا عمل کیا تھا؟ اس نے کہا: کیوں پوچھتے ہو؟ ہم نے قصہ بیان کیا، اس نے کہا کہ پچاس برس شب بیداری کی، اور صبح کو ہمیشہ یہ دعا کیا کرتے تھے کہ یا اللہ! اگر تو کسی کو یہ دولت عطا کرے کہ وہ قبر میں نماز پڑھے تو مجھے بھی عطا فرما۔(حلیۃ الاولیاء، ۳۱۹:۲)

حضرت امام ابو یوسفؒ باوجود علمی مشاغل کے، جو سب کو معلوم ہیں، اور ان کے علاوہ قاضی القُضاۃ ہونے کی وجہ سے قضا کے مشاغل علیحدہ تھے، لیکن پھر بھی دو سو رکعات نوافل روزانہ پڑھتے تھے۔(سیر اعلام النبلاء، ۵۳۷:۸)

حضرت محمد بن نَصرؒ- مشہور مُحدِّث ہیں- اس انہماک سے نماز پڑھتے تھے جس کی نظیر مشکل ہے، ایک مرتبہ پیشانی پر ایک بھڑ نے نماز میں کاٹا، جس کی وجہ سے خون بھی نکل آیا، مگر نہ حرکت ہوئی نہ خشوع خضوع میں کوئی فرق آیا۔ کہتے ہیں کہ نماز میں لکڑی کی طرح سے بے حرکت کھڑے رہتے تھے۔(سیر اعلام النبلاء، ۳۶:۱۴)

حضرت بَقِی بن مَخلَدؒ روزانہ تہجد اور وتر کی تیرہ رکعت میں ایک قرآن شریف پڑھا کرتے تھے۔ (سیر اعلام النبلاء، ۲۹۲:۱۳)

حضرت ہَنَّادؒ ایک مُحدِّث ہیں، ان کے شاگرد کہتے ہیں کہ وہ بہت ہی زیادہ روتے تھے، ایک مرتبہ صبح کو ہمیں سبق پڑھاتے رہے، اس کے بعد وضو وغیرہ سے فارغ ہو کر زوال تک نفلیں پڑھتے رہے، دوپہر کو گھر تشریف لے گئے، اور تھوڑی دیر میں آکر ظہر کی نماز پڑھائی، اور عصر تک نفلوں میں مشغول رہے، پھر عصر کی نماز پڑھائی اور قرآن پاک کی تلاوت مغرب تک فرماتے رہے، مغرب کے بعد میں واپس چلا آیا، میں نے ان کے ایک پڑوسی سے تعجب سے کہا کہ یہ شخص کس قدر عبادت کرنے والے ہیں! اُس نے کہا: ستّر برس سے ان کا یہی عمل ہے، اور اگر تم ان کی رات کی عبادت دیکھو گے تو اور بھی تعجب کرو گے۔(سیر اعلام النبلاء، ۲۸۹:۱۳)

مَسروقؒ ایک مُحدِّث ہیں، ان کی بیوی کہتی ہیں کہ وہ نمازیں اتنی لمبی لمبی پڑھا کرتے تھے کہ ان کی پنڈلیوں پر ہمیشہ اس کی وجہ سے ورم رہتا تھا، اور میں ان کے پیچھے بیٹھی ہوئی ان کے حال پر ترس کھا کر رویا کرتی تھی۔(سیر اعلام النبلاء، ۶۵:۴)

حضرت امام اعظمؒ کے متعلق تو بہت کثرت سے یہ چیز نقل کی گئی کہ تیس یا چالیس یا پچاس برس عشاء اور صبح ایک وضو سے پڑھی۔(تاریخ بغداد، ۳۵۴:۱۳۔ وفیات الاعیان، ۴۱۳:۵) اور یہ اختلاف نقل کرنے والوں کے اختلاف کی وجہ سے ہے کہ جس شخص کو جتنے سال کا علم ہوا اتنا ہی نقل کیا۔ لکھا ہے کہ آپ کا معمول صرف دوپہر کو تھوڑی دیر سونے کا تھا، اور یہ ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ دوپہر کے سونے کا حدیث میں حکم ہے۔

حضرت امام شافعی صاحبؒ کا معمول تھا کہ رمضان میں ساٹھ قرآن شریف نماز میں پڑھتے تھے۔ ایک شخص کہتے ہیں کہ میں کئی روز تک امام شافعیؒ کے یہاں رہا، صرف رات کو تھوڑی دیر سوتے تھے۔(طبقات الشافعیۃ، ۳۴۲:۲)

حضرت امام احمد بن حنبلؒ- جو فقہ کے مشہور امام ہیں- دن بھر مسائل میں مشغول رہنے کے باوجود رات دن میں تین سو رکعات نفل پڑھتے تھے۔ اور جب بادشاہ وقت نے آپ کے

کوڑے لگوائے اوراس کی وجہ سے ضعف بہت ہو گیاتو ڈیڑھ سو رہ گئی تھیں، اور تقریباً اسّی (۸۰) برس کی عمر تھی۔ (تاریخ دمشق)

ان کے علاوہ ہزاروں، لاکھوں واقعات توفیق والوں کے کتب تواریخ میں مذکور ہیں جن کا احاطہ بھی دشوار ہے، نمونہ اور مثال کے لیے یہی واقعات کافی ہیں۔ حق تعالیٰ شانہٗ مجھے بھی اور ناظرین کو بھی ان حضرات کے اتباع کا کچھ حصہ اپنے لطف وفضل سے نصیب فرمائیں۔ آمین۔

نماز کے حوالے سے نبی کریم ﷺ کے بعض ارشادات گرامی

۱. عَنْ عَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ يَقُوْلُ: إِنَّ الرَّجُلَ لَيَنْصَرِفُ وَمَاكُتِبَ لَهُ إِلَّا عُشْرُ صَلَاتِهِ، تُسْعُهَا، ثُمْنُهَا، سُبْعُهَا، سُدْسُهَا، خُمْسُهَا، رُبْعُهَا، ثُلُثُهَا، نِصْفُهَا. (رواه أبوداود)

"نبیٔ اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ آدمی نماز سے فارغ ہوتا ہے اور اس کے لیے ثواب کا دسواں حصہ لکھا جاتا ہے، اسی طرح بعض کے لیے نواں حصہ، بعض کے لیے آٹھواں، ساتواں، چھٹا، پانچواں، چوتھائی، تہائی، آدھا حصہ لکھا جاتا ہے۔"

فائدہ: یعنی جس درجے کا خشوع اوراخلاص نماز میں ہوتا ہے اتنی ہی مقدار اجر وثواب کی ملتی ہے، حتیٰ کہ بعض کو پورے اجر کا دسواں حصہ ملتا ہے اگر اس کے موافق خشوع خضوع ہو، اور بعض کو آدھا مل جاتا ہے، اور اسی طرح دسویں سے کم اور آدھے سے زیادہ بھی مل جاتا ہے، حتیٰ کہ بعض کو پورا پورا اجر مل جاتا ہے، اور بعض کو بالکل بھی نہیں ملتا کہ وہ اس قابل ہی نہیں ہوتی۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ فرض نماز کے لیے اللہ کے یہاں ایک خاص وزن ہے، جتنی اس میں کمی رہ جاتی ہے اس کا حساب کیا جاتا ہے۔ (الترغیب والترہیب، ۱:۱۸۲)

احادیث میں آیا ہے کہ لوگوں میں سے سب سے پہلے خشوع اٹھایا جائے گا کہ پوری جماعت میں ایک شخص بھی خشوع سے پڑھنے والا نہ ملے گا۔ (المعجم الکبیر)

۲. رُوِيَ عَنْ أَنَسٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: فَمَنْ صَلَّى الصَّلَاةَ لِوَقْتِهَا وَأَسْبَغَ لَهَا وُضُوْءَهَا، وَأَتَمَّ لَهَا قِيَامَهَا وَخُشُوْعَهَا وَرُكُوْعَهَا وَسُجُوْدَهَا، خَرَجَتْ وَهِيَ بَيْضَاءُ مُسْفِرَةٌ، تَقُوْلُ: حَفِظَكَ اللهُ كَمَا حَفِظْتَنِيْ، وَمَنْ صَلَّاهَا لِغَيْرِ وَقْتِهَا، وَلَمْ يُسْبِغْ لَهَا وُضُوْءَهَا، وَلَمْ يُتِمَّ لَهَا خُشُوْعَهَا، وَلَارُكُوْعَهَا وَلَاسُجُوْدَهَا، خَرَجَتْ وَهِيَ سَوْدَاءُ مُظْلِمَةٌ، تَقُوْلُ: ضَيَّعَكَ اللهُ كَمَا ضَيَّعْتَنِيْ، حَتى إِذَاكَانَتْ حَيْثُ شَاءَ اللهُ لُفَّتْ كَمَا يُلَفُّ الثَّوْبُ الْخَلِقُ، ثُمَّ ضُرِبَ بِهَا وَجْهُهُ. (جامع الصغير)

"حضورِ اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص نمازوں کو اپنے وقت پر پڑھے، وضو بھی اچھی طرح کرے، خشوع وخضوع سے بھی پڑھے، کھڑا بھی پورے وقار سے ہو، پھر اسی طرح رکوع سجدہ بھی اچھی طرح سے اطمینان سے کرے، غرض ہر چیز کو اچھی طرح ادا کرے تو وہ نماز نہایت روشن، چمک دار بن کر جاتی ہے، اور نمازی کو دعا دیتی ہے کہ: اللہ تعالیٰ شانہٗ تیری بھی ایسی ہی حفاظت کرے جیسی تونے میری حفاظت کی۔ اور جو شخص نماز کو بری طرح پڑھے اوروقت کو بھی ٹال دے، وضو بھی اچھی طرح نہ کرے، رکوع سجدہ بھی اچھی طرح نہ کرے تو وہ نماز بری صورت سے سیاہ رنگ میں بددعا دیتی ہوئی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھے بھی ایسا ہی برباد کرے جیسا تونے مجھے ضائع کیا، اس کے بعد وہ نماز پرانے کپڑے کی طرح سے لپیٹ کر نمازی کے منہ پر مار دی جاتی ہے۔"

فائدہ: خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو نماز کو اچھی طرح پڑھیں، کہ اللہ کی اہم ترین عبادت ان کے لیے دعا کرتی ہے، لیکن عام طور سے جیسی نماز پڑھی جاتی ہے کہ، رکوع کیا تو وہیں سے سجدہ میں چلے گئے، سجدے سے اٹھے تو سر اٹھانے بھی نہ پائے تھے کہ فوراً کوّے کی سی ٹھونگ دوسری دفعہ مار دی، ایسی نماز کا جو حشر ہے وہ اس حدیث شریف میں ذکر فرما ہی دیا، اور پھر جب وہ بربادی کی بددعا کرے تو اپنی بربادی کا گلہ کیوں کیا جائے! یہی وجہ ہے کہ آج کل مسلمان گرتے جا رہے ہیں، اور ہر طرف "تباہی ہی تباہی" کی صدائیں گونج رہی ہیں۔ ایک دوسری حدیث میں بھی یہی مضمون وارد ہوا ہے، اس میں یہ بھی اضافہ ہے کہ جو نماز خشوع خضوع سے پڑھی جاتی ہے آسمان کے دروازے اس کے لیے کھل جاتے ہیں، وہ نہایت نورانی ہوتی ہے، اور نمازی کے لیے حق تعالیٰ شانہٗ کی بارگاہ میں سفارشی بنتی ہے۔

حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ جس نماز میں رکوع اچھی طرح نہ کیا جائے کہ کمر پوری جھک جائے اس کی مثال اس عورت کی سی ہے جو حاملہ ہو، اور جب بچہ ہونے کا وقت قریب آجائے تو اسقاط کر دے۔ (مسند ابی یعلی، حدیث:۳۱۵)

ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ: بہت سے روزے دار ایسے ہیں جن کو روزے سے بجز بھوکا اور پیاسا رہنے کے کچھ حاصل نہیں، اور بہت سے شب بیدار ایسے ہیں جن کو جاگنے کے علاوہ کوئی چیز نہیں ملتی۔ (مسند احمد، حدیث:۸۸۵۶)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: میں نے حضورِ اقدس ﷺ سے سنا کہ جو قیامت کے دن پانچوں نمازیں ایسی لے کر حاضر ہو کہ ان کے اوقات کی بھی حفاظت کرتا رہا ہو، اور وضو کا بھی اہتمام کرتا رہا ہو، اوران نمازوں کو خشوع خضوع سے پڑھتا رہا ہو، تو حق تعالیٰ شانہٗ نے عہد فرمالیا ہے کہ اس کو عذاب نہیں کیا جائے گا، اور جو ایسی نمازیں نہ لے کر حاضر ہو اس کے لیے کوئی وعدہ نہیں، چاہے اپنی رحمت سے معاف فرمادیں چاہے عذاب دیں۔

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

علاماتِ کبریٰ: [دوسری نشانی] نزولِ عیسیٰ علیہ السلام

آج ہم ترتیب کے اعتبار سے قیامت کی دوسری بڑی نشانی، نزول عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام پر بات کریں گے۔ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں گے اور ان کا نزول دمشق میں ہو گا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مقام کی نشاندہی بھی فرمائی جہاں وہ نازل ہوں گے، عِنْدَ الْمَنَارَةِ الْبَيْضَاءِ شَرْقِيَّ، شرقی سفید مینار کے قریب۔

مقام نزول عیسیٰ علیہ السلام کے حوالے سے جو حدیث ہے وہ ترمذی کی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

...إِذْ هَبَطَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ عَلَيْهِ السَّلَام بِشَرْقِيِّ دِمَشْقَ عِنْدَ الْمَنَارَةِ الْبَيْضَاءِ بَيْنَ مَهْرُودَتَيْنِ وَاضِعًا يَدَيْهِ عَلَى أَجْنِحَةِ مَلَكَيْنِ۔

”...جب عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام ہلکے زرد رنگ کا جوڑا پہنے (جامع مسجد) دمشق کے سفید مشرقی مینارہ پر اس حالت میں اتریں گے کہ ان کے ہاتھ دو فرشتوں کے بازوؤں پر رکھے ہوں گے۔“

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تھا اس وقت تو دمشق میں سرے سے کوئی مسجد تھی ہی نہیں، دمشق تو اس وقت مسلمان بھی نہ تھا بلکہ عیسائی رومی سلطنت کا حصہ تھا، تاہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت فرمایا کہ عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام دمشق میں شرقی سفید مینار کے قریب نزول فرمائیں گے۔

مسجدِ اموی دمشق کی سب سے بڑی مساجد میں سے ایک ہے اور یہ مسجد مسلم دنیا کی تاریخ میں بہت اہمیت رکھتی ہے کیونکہ اموی دور خلافت میں اسلامی خلافت کا دارالخلافہ قریباً ایک سو سال تک دمشق میں رہا اور اس وقت وہاں بڑی جامع مسجد جامع الاموی یعنی مسجدِ اموی تھی اور یہ بہت بڑی مسجد تھی اور اس کا رنگ سفید نہیں تھا۔ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ چند صدیوں بعد اس کے مینار دوبارہ تعمیر کیے گئے اور اس تعمیر میں جو رقم استعمال ہوئی وہ نصرانیوں کی تھی۔ واللہ اعلم، ابن کثیر نے اس کی وجہ بیان نہیں کی اور نہ یہ مجھے ڈھونڈنے سے معلوم ہوئی، البتہ ابن کثیر نے فرمایا کہ میناروں کی دوبارہ تعمیر پر آنے والا خرچہ نصرانیوں نے ادا کیا اور اس نئی تعمیر میں میناروں کا رنگ سفید رکھا گیا۔ اس کی اولین تعمیر کے وقت اس کا رنگ سفید نہیں تھا مگر اب یہ سفید ہے، سفید سنگ مرمر۔ سبحان اللہ! ابن کثیر فرماتے ہیں کہ یہ ایک معجزہ ہے کہ مسجد اموی کی تجدید کا خرچہ نصرانیوں نے اٹھایا اور یہ وہ مسجد ہے جہاں عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام نازل ہوں گے اور عیسائیوں کے اعمال پر نکیر کریں گے اور انہیں اسلام کی دعوت دیں گے۔ یہ تاریخ کی بہت دلچسپ بات ہے۔

نیز رنگوں کی بات کریں تو اس کی ایک اور عجیب مثال بھی ہے کہ مسجد نبوی سب سے پہلے گارے سے تعمیر کی گئی تھی لہٰذا اس کا رنگ بھورا تھا۔ یہ رنگ اسی طرح رہا یہاں تک کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور میں اس کی تعمیر نو ہوئی اور پھر اس کے بعد سے پوری مسلم تاریخ میں اس کی تجدید کی جاتی رہی مگر سعودی حکومت کی حالیہ تعمیر نو سے پہلے کبھی کسی دور میں بھی اس کا رنگ سفید نہیں رہا۔ اب انہوں نے میناروں کو سفید سنگ مرمر سے بنایا ہے۔ درحقیقت یہ مختلف رنگوں کا امتزاج ہے مگر ان سب رنگوں میں ایک رنگ یا اسی رنگ کے مختلف درجات حاوی دکھائی دیتے ہیں، مکہ میں میناروں کی رنگت کچھ سرمئی دکھائی دیتی ہے جبکہ مدینہ میں یہ قریباً سفید ہی نظر آتے ہیں۔ میں نہیں سمجھتا کہ ان کی تعمیر کے دوران اس حدیث کو مدنظر رکھا گیا ہو گا کیونکہ تعمیر کا کام تو ایک تعمیراتی کمپنی نے کیا، البتہ ان کا مقصد یہ ضرور ہو گا کہ یہ مینار خوبصورت نظر آئیں۔ مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث ہے کہ دجال چونکہ مدینہ میں داخل نہیں ہو سکے گا لہٰذا وہ کوہ احد پر کھڑا ہو کر اپنی فوج سے کہے گا: ”کیا تمہیں وہ سفید محل دکھائی دے رہا ہے؟ وہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا محل ہے“، اور وہ مسجد نبوی کی جانب اشارہ کرے گا۔ خیر یہ مسجد نبوی کے رنگ سے متعلق ایک دلچسپ بات تھی اس لیے اس کا ذکر یہاں آ گیا۔

صحت احادیث کا مختصر تعارف

واپس اپنے نقطے کی طرف لوٹتے ہیں۔ نزول عیسیٰ سے متعلق احادیث کی سند متواتر ہے۔ متواتر کا معنی ہے مسلسل، تواتر کے ساتھ نقل کی گئی احادیث جن سے متعلق ذہن میں کوئی شک و شبہہ باقی نہیں رہتا۔ کیونکہ ایک چیز ہوتی ہے 'موضوع'، یعنی گھڑی ہوئی، پھر ایک ہوتی ہے 'ضعیف' یعنی کمزور روایت، پھر اس سے بہتر درجہ 'حسن' ہے یعنی قابل قبول اور پھر اس سے بہتر 'صحیح' یعنی معتبر اور مستند اور صحیح کی بھی سب سے قوی قسم 'متواتر' ہے۔ متواتر حدیث اتنی زیادہ سمتوں سے روایت کی گئی ہوتی ہے کہ اس میں شک و شبہہ پیدا ہونا ناممکن ہوتا ہے۔ متواتر یقینی

علم سے متعلق ہے۔ ہم مسلمانوں کے عقیدے کے مطابق نزول عیسی ابن مریم علیہ السلام یقینی ہے، یعنی ہم یہ نہیں کہتے کہ ساٹھ ستر فیصد امکان ہے کہ عیسیٰ ابن مریم نازل ہوں گے، نہیں! بلکہ ان کا نزول حتمی ہے، یقینی ہے اور یہ ہمارے عقیدے کا حصہ ہے، اس میں کوئی دو رائے نہیں۔ قرآن کی بعض آیات اور متعدد احادیث میں نزول عیسی علیہ السلام کا مضمون وارد ہے لہٰذا اس میں کسی قسم کے شک وشبے کی کوئی گنجائش نہیں۔

قرآن میں نزول عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر

آیات قرآنی میں اس حوالے سے بالخصوص سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کا نام موجود نہیں ہے مگر آیت کا معنی انہی کے نزول پر دلالت کرتا ہے۔ مثال کے طور پر سورۃ الزخرف میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ﴾ (سورۃ الزخرف: ۶۱)

”اور بے شک وہ قیامت کے علم کا ذریعہ ہیں۔“

اور ایک اور قراءت کے مطابق اس آیت کا ترجمہ ہے:

”اور یقین رکھو کہ وہ (یعنی عیسیٰ علیہ السلام) قیامت کی ایک نشانی ہیں۔“

یعنی نزول عیسیٰ علیہ السلام قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔ مذکورہ آیت کی تفسیر کے ذیل میں ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے مسند امام احمد کی ایک صحیح روایت ہے:

”هُوَ خُرُوجُ عِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ عَلَيْهِ السَّلَام قَبْلَ يَوْمِ الْقِيَامَةِ۔“

”قیامت سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول وخروج قیامت کی علامات میں سے ہے“۔ یہ ابن عباس کی تفسیر ہے آیت مذکورہ کے حوالے سے۔

ایک اور آیت ہے:

﴿وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا﴾ (سورۃ النساء: ۱۵۹)

”اور نہیں ہوگا اہل کتاب میں سے کوئی بھی مگر اس پر ایمان لا کر رہے گا اس کی موت سے قبل، اور قیامت کے دن وہی ان کے خلاف گواہ (بن کر کھڑا) ہو گا“۔

الطبری کی ایک روایت ہے جس کی سند ابن جریر سے ابن عباس تک چلتی ہے کہ ابن عباس اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ ”اہل کتاب ان کی (فرمایا کہ عیسیٰ علیہ السلام کی) وفات سے پہلے ایمان لے آئیں گے“۔ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ اس روایت کی سند صحیح ہے۔ حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ ”عیسیٰ علیہ السلام کی وفات سے قبل یہ ہو گا۔ اللہ کی قسم! وہ ابھی زندہ ہیں اور وہ نازل ہوں گے۔ جب وہ نازل ہوں گے تو وہ سب ان پر ایمان لائیں گے“۔ پس یہ تو قرآن کے دلائل ہوئے۔

احادیثِ مبارکہ میں نزول عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر

اب احادیث میں وارد ہونے والے دلائل کا ذکر کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک متفق علیہ حدیث ہے، یعنی ایسی حدیث جو بخاری اور مسلم دونوں میں وارد ہوئی ہے:

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَيُوشِكَنَّ أَنْ يَنْزِلَ فِيكُمْ ابْنُ مَرْيَمَ حَكَمًا عَدْلًا فَيَكْسِرَ الصَّلِيبَ وَيَقْتُلَ الْخِنْزِيرَ وَيَضَعَ الْجِزْيَةَ وَيَفِيضَ الْمَالُ حَتَّى لَا يَقْبَلَهُ أَحَدٌ حَتَّى تَكُونَ السَّجْدَةُ الْوَاحِدَةُ خَيْرًا مِنْ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا۔

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! عن قریب ابن مریم (علیہ السلام) تمہارے درمیان ایک عادل حاکم کی حیثیت سے نازل ہوں گے۔ وہ صلیب توڑ ڈالیں گے، خنزیر کو قتل کریں گے اور جزیہ موقوف کر دیں گے، اس وقت مال و دولت کی فراوانی ہو گی حتیٰ کہ اسے کوئی بھی قبول نہیں کرے گا۔ اس وقت کا ایک سجدہ دنیا اور اس کی ساری نعمتوں سے قیمتی ہو گا۔“

پس عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام نازل ہوں گے اور وہ صلیب توڑ دیں گے جو اس بات کی علامت ہے کہ وہ اپنے نام پر ہونے والے شرک کی تردید کریں گے، اور وہ اپنے آپ کو اللہ کا بیٹا قرار دیے جانے پر ناراضگی کا اظہار کریں گے اور عیسائیوں کے ان اعمال کے رد کے لیے صلیب توڑ دیں گے۔ نیز وہ خنزیر کو قتل کر دیں گے اور زمین کو خنزیر کے وجود سے پاک کر دیں گے اور وہ جزیہ ختم کر دیں گے۔

جزیہ وہ محصول ہے جو اہل کتاب (عیسائی اور یہودی) اسلامی خلافت کو اپنی حفاظت کے بدلے ادا کرتے ہیں۔ جب اہل کتاب اسلامی خلافت کے ماتحت رہتے ہیں تو انہیں اپنے مذہب پر عمل کرنے کی اجازت ہوتی ہے، نیز چونکہ زکوۃ ایک عبادت ہے جو مسلمانوں پر واجب ہے، مگر اہل کتاب سے زکوۃ نہیں لی جاتی کیونکہ وہ مسلمان نہیں ہیں اور چونکہ ان کے مذہب میں زکوۃ نہیں ہے تو مذہب پر عمل کی آزادی میں سے یہ بھی ہے کہ ان سے جبری طور پر مسلمانوں کے مراسم عبادت کی تکمیل کا مطالبہ نہ کیا جائے، مگر دوسری طرف مسلمان اسلامی خلافت کو زکوۃ کی رقم ادا کرتے ہیں، جبکہ عیسائی اور یہودی اسلامی خلافت کے ماتحت رہتے ہوئے انہی سہولتوں سے مستفید ہوتے ہیں جن سے کہ مسلمان فائدہ اٹھاتے ہیں لہٰذا انہیں ان سہولیات کے بدلے کچھ ادائیگی ضرور کرنی چاہیے اور یہی ادائیگی جزیہ کی شکل میں وصول کی جاتی ہے۔ اور یہ وہ محصول ہے جو فی کس وصول کیا جاتا ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام جزیہ ختم کر دیں گے۔ وہ اسے وصول کرنے سے انکار کر دیں گے کیونکہ وہ لوگوں کے سامنے صرف دو راستے پیش کریں گے، اسلام یا جنگ۔ وہ جزیہ کا اختیار کسی کو نہیں دیں گے، وہ ان سے صرف اسلام ہی قبول کریں گے ورنہ

دوسری صورت میں انہیں عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ جنگ لڑنی پڑے گی، لہٰذا عیسیٰ علیہ السلام کے دور میں جزیہ باقی نہیں رہے گا اور یہی معنی ہے حدیث میں مذکور وَيَضَعَ الْجِزْيَةَ کا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید فرمایا: يَفِيضَ الْمَالُ، یعنی مال کی بہتات ہو گی۔ اس قدر مال ہو گا کہ لوگ دستیاب مال سے بے نیازی برتیں گے اور کوئی اس کی ضرورت محسوس نہیں کرے گا۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہو گی کہ لوگ آسودہ حال ہوں گے اور مال پہلے ہی وافر ہو گا لوگوں کے پاس، کوئی مال کی خاطر بھیک نہیں مانگے گا، کوئی مال کی خاطر اپنے وقار کا سودا نہیں کرے گا کیونکہ مال کی بہتات ہو گی نیز دوسری وجہ اس کی یہ ہے کہ یہ دور قیامت سے اس قدر نزدیک ہو گا کہ لوگوں کو مال جمع کرنے کی پروا بھی نہیں رہے گی، یہی وجہ ہے کہ اس دور میں ان کی نگاہ میں ایک سجدہ بھی دنیا و مافیہا بہتر ہو گا کیونکہ وہ جان جائیں گے کہ یہ دنیا اپنے خاتمے کے قریب آ لگی ہے۔

ایک اور متفق علیہ حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

كَيْفَ أَنْتُمْ إِذَا نَزَلَ ابْنُ مَرْيَمَ فِيكُمْ وَإِمَامُكُمْ مِنْكُمْ۔

”تمہارا اس وقت کیا حال ہو گا جب ابن مریم تم میں نازل ہوں گے اور تمہارا امام تمہیں میں سے ہو گا۔“

جب ابن مریم نازل ہوں گے تو مسلمان نماز کے لیے تیار ہوں گے اور اقامت کہی جا چکی ہو گی۔ دمشق کی مسجد میں وہ اتریں گے اور مسجد میں نمازی نماز کے لیے تیار ہوں گے اور اقامت کہی جا چکی ہو گی کہ جب امام مہدی انہیں دیکھیں گے اور ان کے لیے امامت کی جگہ چھوڑ دیں گے اور ان سے نماز کی امامت کی درخواست کریں گے مگر عیسیٰ علیہ السلام ان سے فرمائیں گے کہ اقامت آپ کے لیے کہی گئی ہے لہٰذا آپ ہی نماز کی امامت کروائیں۔ یہ اس امت کے لیے بہت بڑا اعزاز ہے کہ عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک امتی کی امامت میں نماز ادا فرمائیں گے۔ ظاہر ہے کہ اس نماز کے بعد عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام منصب امامت اور امت کی قیادت کی ذمہ داری سنبھال لیں گے۔ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ یہ احادیث متواتر ہیں۔

عیسیٰ علیہ السلام کون سی شریعت نافذ کریں گے؟

جب عیسیٰ علیہ السلام امت مسلمہ کی قیادت کی ذمہ داری سنبھالیں گے تو وہ کون سی شریعت نافذ کریں گے؟ کیونکہ جب عیسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کی طرف نبی بنا کر بھیجے گئے تھے تو انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کی پیروی کی تھی یعنی تورات کی۔ اب جب وہ آخر الزمان میں نازل ہوں گے تو کون سی شریعت نافذ فرمائیں گے؟ ____ وہ شریعت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی نافذ کریں گے۔ یہ تمام شریعتیں جو اللہ رب العزت نے نازل فرمائیں سب اسلام ہی ہیں، جو موسیٰ علیہ السلام لائے وہ بھی اسلام تھا، جو عیسیٰ علیہ السلام لائے وہ بھی اسلام تھا اور جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم لائے وہ بھی اسلام ہی ہے مگر مختلف ادوار اور مختلف قوموں کی مناسبت سے اسلام کی تعبیر مختلف رہی ہے۔ مگر اب جب عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام نازل ہوں گے تو شریعت محمدی کی پیروی کریں گے اور یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی ایک اعزاز ہو گا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اور حدیث میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اگر آج موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو وہ بھی میری ہی پیروی کرتے۔

یہ کیسے ہو گا؟ اللہ اعلم! امام قرطبی فرماتے ہیں کہ اللہ رب العزت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمانوں پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت سے آگاہ فرما دیں گے، وہ شریعت جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کی گئی، شریعتِ قرآنی، اور یوں وہ زمین پر اسے نافذ کریں گے۔

جزیہ کیونکر موقوف ہو جائے گا؟

کوئی کہہ سکتا ہے کہ جزیہ وصول کرنا بھی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کا حصہ ہے، پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اسے وصول نہ کریں؟ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جزیہ کی اجازت مرحمت فرمائی اور اسے لاگو کیا تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اسے قبول کرنے سے انکار فرما دیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا کہ جزیہ عیسیٰ علیہ السلام کی آمد تک جاری رہے گا اور اس کے بعد موقوف ہو جائے گا۔ لہٰذا عیسیٰ علیہ السلام کا جزیہ موقوف کرنا بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی پیروی ہی ہو گا، یہ حدیث ہم نے اوپر پڑھی جس میں وَيَضَعَ الْجِزْيَةَ کے الفاظ ہیں۔

عیسیٰ علیہ السلام حج ادا کریں گے

جب عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں گے اور دنیا میں قیام فرمائیں گے تو وہ دیگر مسلمانوں کے ساتھ حج بیت اللہ بھی ادا فرمائیں گے۔ مسلم کی ایک حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَيُهِلَّنَّ ابْنُ مَرْيَمَ بِفَجِّ الرَّوْحَاءِ حَاجًّا أَوْ مُعْتَمِرًا أَوْ لَيَثْنِيَنَّهُمَا

”اس ذات اقدس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! ابن مریم (علیہ السلام) (زمین پر دوبارہ آنے کے بعد) فجِ روحاء (کے مقام) سے حج کا یا عمرے کا یا دونوں کا نام لیتے ہوئے تلبیہ پکاریں گے۔“

عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کے دور میں دنیا کے حالات کیسے ہوں گے؟

مسلم کی حدیث میں ہے:

ثُمَّ يُرْسِلُ اللَّهُ مَطَرًا لَا يَكُنُّ مِنْهُ بَيْتُ مَدَرٍ وَلَا وَبَرٍ فَيَغْسِلُ الْأَرْضَ حَتَّى يَتْرُكَهَا كَالزَّلَفَةِ

(یاجوج ماجوج کے بعد، اور اس کا ذکر ہم اگلی نشانی کے طور پر کریں گے) پھر اللہ تعالیٰ ایسی بارش بھیجے گا جس سے کوئی گھر، اینٹوں کا ہو یا اون کا (خیمہ)، اوٹ مہیا نہیں کر سکے گا۔ وہ زمین کو دھو کر شیشے کی طرح (صاف) کر چھوڑے گی۔"

واللہ اعلم! یا تو زمین پر اس قدر پانی ہو گا کہ وہ آئینے کی طرح دکھائی دے گی یا پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کا معنی یہ ہے کہ زمین کی سطح دھل کر ایسی شفاف اور چمکدار ہو جائے گی گویا آئینہ۔ بارش یاجوج ماجوج کے مردہ جسموں کی گندگی کو دھو دے گی (اس کے بارے میں ہم آگے بات کریں گے)، آگے بیان فرماتے ہیں:

ثُمَّ يُقَالُ لِلْأَرْضِ أَنْبِتِي ثَمَرَتَكِ وَرُدِّي بَرَكَتَكِ

"پھر زمین سے کہا جائے گا۔ اپنے پھل اگاؤ اور اپنی برکت لوٹاؤ۔"

اس کا مطلب ہے کہ برکت زمین میں پہلے سے موجود ہے مگر ہمارے گناہوں نے اسے ڈھانپ رکھا ہے، کیونکہ اللہ رب العزت زمین کو حکم فرمائیں گے: رُدِّي بَرَكَتَكِ، یعنی اپنی برکت لوٹاؤ، اپنی برکت نکالو، لہٰذا زمین میں برکت موجود ہے مگر ہماری وجہ سے وہ ظاہر نہیں ہو رہی۔ ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ۔ ہمارے اعمال کی وجہ سے نا صرف زمین میں فساد برپا ہو گیا بلکہ سمندر بھی اس سے محفوظ نہیں رہے۔ تمام تر فساد ہمارے اپنے ہاتھوں کا مچایا ہوا ہے۔ یہ برباد شدہ ماحول، زمین کے بے جا استعمال، فساد اور انسانوں کے گناہوں کی وجہ سے ہے، لیکن عیسیٰ علیہ السلام کے دور میں اللہ رب العزت زمین کو حکم فرمائیں گے کہ اپنی برکتیں ظاہر کرے۔ پھر فراوانی کا کیا حال ہو گا؟

فَيَوْمَئِذٍ تَأْكُلُ الْعِصَابَةُ مِنَ الرُّمَّانَةِ وَيَسْتَظِلُّونَ بِقِحْفِهَا

"تو اس وقت ایک انار کو پوری جماعت کھائے گی اور اس کے چھلکے سے سایہ حاصل کرے گی"۔

یعنی ایک انار یا ایک پھل اس قدر بڑا ہو گا کہ بہت سے لوگ اسے کھائیں گے اور اس کا چھلکا ان کے لیے سایہ فراہم کرے گا۔ زمین اس قدر بابرکت ہو جائے گی، نیز

وَيُبَارَكُ فِي الرِّسْلِ حَتَّى أَنَّ اللِّقْحَةَ مِنْ الْإِبِلِ لَتَكْفِي الْفِئَامَ مِنْ النَّاسِ وَاللِّقْحَةَ مِنْ الْبَقَرِ لَتَكْفِي الْقَبِيلَةَ مِنْ النَّاسِ وَاللِّقْحَةَ مِنْ الْغَنَمِ لَتَكْفِي الْفَخِذَ مِنْ النَّاسِ

"اور دودھ میں (اتنی) برکت ڈال دی جائے گی کہ اونٹنی کا ایک دفعہ کا دودھ لوگوں کی ایک بڑی جماعت کو کافی ہو گا اور گائے کا ایک دفعہ کا دودھ لوگوں کے قبیلے کو کافی ہو گا اور بکری کا ایک دفعہ کا دودھ قبیلے کی ایک شاخ کو کافی ہو گا"۔

سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق اور ان کا حلیہ مبارک

مسند احمد کی ایک حدیث میں ہے:

قَالَ الْأَنْبِيَاءُ إِخْوَةٌ لِعَلَّاتٍ أُمَّهَاتُهُمْ شَتَّى وَدِينُهُمْ وَاحِدٌ وَأَنَا أَوْلَى النَّاسِ بِعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ لِأَنَّهُ لَمْ يَكُنْ بَيْنِي وَبَيْنَهُ نَبِيٌّ

"نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا تمام انبیاء کرام (علیہم السلام) علاتی بھائیوں (جن کا باپ ایک ہو مائیں مختلف ہوں) کی طرح ہیں ان سب کی مائیں مختلف اور دین ایک ہے اور میں تمام لوگوں میں حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کے سب سے زیادہ قریب ہوں کیونکہ میرے اور ان کے درمیان کوئی نبی نہیں۔"

دوسرے لفظوں میں تمام انبیاء بھائی بھائی ہیں خواہ انہیں علیحدہ علیحدہ شریعت عطا کی گئی۔ شریعت یعنی قانون سب کا مختلف ہے مگر دین سب کا ایک ہے۔ آگے فرماتے ہیں:

وَإِنَّهُ نَازِلٌ فَإِذَا رَأَيْتُمُوهُ فَاعْرِفُوهُ رَجُلًا مَرْبُوعًا إِلَى الْحُمْرَةِ وَالْبَيَاضِ عَلَيْهِ ثَوْبَانِ مُمَصَّرَانِ كَأَنَّ رَأْسَهُ يَقْطُرُ وَإِنْ لَمْ يُصِبْهُ بَلَلٌ

"اور عن قریب وہ زمین پر نزول بھی فرمائیں گے، تم جب انہیں دیکھنا تو (مندرجہ ذیل علامات سے) انہیں پہچان لینا: وہ درمیانے قد کے آدمی ہوں گے، سرخ و سفید رنگ ہو گا، گیروے رنگے ہوئے دو کپڑے ان کے جسم پر ہوں گے، ان کے سر سے پانی کے قطرے ٹپکتے ہوئے محسوس ہوں گے گو کہ انہیں پانی کی تری بھی نہ پہنچی ہو۔"

بعض لوگوں کے اس قدر خوبصورت بال ہوتے ہیں، یا اس قدر گہرے رنگ کے اور سیاہ کالے بال ہوتے ہیں کہ وہ یوں دکھائی دیتے ہیں جیسے کہ وہ نم ہوں۔ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے بال ایسے ہوں گے کہ جب آپ انہیں دیکھیں گے تو سمجھیں گے کہ ان کے بال گیلے ہیں گویا ان کے بال بہت گہرے رنگ کے ہوں گے۔ یہ کچھ تفصیلات ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے حلیہ مبارک کے حوالے سے بیان فرمائی ہیں۔ آگے فرمایا:

فَيَدُقُّ الصَّلِيبَ وَيَقْتُلُ الْخِنْزِيرَ وَيَضَعُ الْجِزْيَةَ وَيَدْعُو النَّاسَ إِلَى الْإِسْلَامِ فَيُهْلِكُ اللَّهُ فِي زَمَانِهِ الْمِلَلَ كُلَّهَا إِلَّا الْإِسْلَامَ وَيُهْلِكُ اللَّهُ فِي زَمَانِهِ الْمَسِيحَ الدَّجَّالَ وَتَقَعُ الْأَمَنَةُ عَلَى الْأَرْضِ حَتَّى تَرْتَعَ الْأُسُودُ مَعَ الْإِبِلِ وَالنِّمَارُ مَعَ الْبَقَرِ وَالذِّئَابُ مَعَ الْغَنَمِ وَيَلْعَبَ الصِّبْيَانُ بِالْحَيَّاتِ لَا تَضُرُّهُمْ فَيَمْكُثُ أَرْبَعِينَ سَنَةً ثُمَّ يُتَوَفَّى وَيُصَلِّي عَلَيْهِ الْمُسْلِمُونَ

"پھر وہ صلیب کو پیس (کر خاک میں ملا) دیں گے [پہلے ہم نے پڑھا تھا کہ وہ صلیب توڑ دیں گے اور اس حدیث میں ہے کہ صلیب کو پامال کر دیں گے]، خنزیر کو قتل کر دیں گے، جزیہ موقوف کر دیں گے اور لوگوں کو اسلام کی دعوت دیں گے۔ ان کے زمانے میں اللہ اسلام کے سوا تمام ادیان کو مٹا دے گا اور ان ہی کے زمانے میں مسیح دجال کو ہلاک کروائے گا اور روئے زمین پر

امن وامان قائم ہو جائے گا[اس طرح کہ گویا امن لوگوں کے ساتھ زمین پر موجود ہو گا کہیں معلق نہیں ہو گا] حتیٰ کہ شیر اونٹ کے ساتھ چیتے گائے کے ساتھ اور بھیڑیئے بکریوں کے ساتھ ایک گھاٹ سے سیراب ہوں گے اور بچے سانپوں سے کھیلتے ہوں گے اور وہ سانپ انہیں نقصان نہ پہنچائیں گے[زمین پر اس قدر امن ہو گا کہ کوئی کسی دوسرے کو تکلیف دینا اور نقصان پہنچانا نہیں چاہے گا] اس طرح حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) چالیس سال تک زمین پر رہ کر فوت ہو جائیں گے اور مسلمان ان کی نماز جنازہ ادا کریں گے۔‘‘

سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے اللہ رب العزت سے درخواست فرمائی کہ وہ زمین پر جا کر فوت ہوں کہ اللہ رب العزت نے ہمیں اس زمین سے پیدا کیا، ہم اسی زمین پر رہتے بستے ہیں اور اسی پر ہمیں موت آتی ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام ابھی فوت نہیں ہوئے۔ اللہ انہیں زمین پر بھیجے گا تاکہ ان کے ہاتھوں اسلام کو مکمل فتح حاصل ہو۔

عیسیٰ علیہ السلام کا پہلا اعزاز یہ ہے کہ انہیں اسلام کی کامل فتح حاصل ہو گی اور ان کے دور میں دین اسلام کے سوا کوئی مذہب باقی نہیں رہے گا۔ دوسرا اعزاز یہ کہ ان کے دور میں دجال کا خاتمہ ہو گا۔ اور تیسرا یہ کہ ان کے دور میں مثالی امن قائم ہو جائے گا۔

سبحان اللہ! یہ امت بہت ہی بابرکت ہے۔ اس کا آغاز بھی نبی سے ہے اور اس کا خاتمہ بھی نبی کے ساتھ ہے، ابتدا ایک رسول کے ساتھ اور اختتام بھی ایک رسول کے ساتھ۔

سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کا زمین پر قیام کتنی مدت تک ہو گا؟

جب عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام فوت ہو جائیں گے تو مسلمان ان پر نماز جنازہ ادا کریں گے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ زمین پر چالیس سال تک زندہ رہیں گے۔ لیکن ایک اور حدیث میں ہے کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام اس زمین پر سات سال تک رہیں گے اور یہ دونوں حدیثیں ہی صحیح ہیں۔ دونوں ہی مسلم شریف میں مذکور ہیں۔ علماء نے ان کی تطبیق اس طرح کی ہے کہ چالیس سال ان کی کل عمر ہے، تینتیس برس وہ زمین پر گزار چکے اور اب جب آئیں گے تو مزید سات برس اس امت کے ساتھ گزاریں گے۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

ثُمَّ يَمْكُثُ النَّاسُ سَبْعَ سِنِينَ لَيْسَ بَيْنَ اثْنَيْنِ عَدَاوَةٌ

’’پھر لوگ سات سال اسی طرح گزاریں گے کہ کسی بھی دو اشخاص کے درمیان کوئی عداوت نہ ہو گی‘‘، اس قدر امن ہو گا دنیا میں......

ثُمَّ يُرْسِلُ اللَّهُ رِيحًا بَارِدَةً مِنْ قِبَلِ الشَّأْمِ فَلَا يَبْقَى عَلَى وَجْهِ الْأَرْضِ أَحَدٌ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ خَيْرٍ أَوْ إِيمَانٍ إِلَّا قَبَضَتْهُ

’’پھر اللہ تعالیٰ شام کی طرف سے ایک ٹھنڈی ہوا بھیجے گا جس سے زمین پر کوئی بھی ایسا آدمی باقی نہیں رہے گا کہ جس کے دل میں ایک ذرہ برابر بھی بھلائی یا ایمان ہو گا، مگر اس کی روح قبض کر لی جائے گی‘‘، اور یہ دنیا کے اس قصے کا اختتام ہو گا جو شروع ہوا آدم علیہ السلام سے اور منتج ہو گا پوری دنیا پر اسلام کے کامل غلبے پر، پس تاریخ دنیا کی کتاب کا آخری باب اسلام کی کامل فتح پر مبنی ہو گا جسے کے لیے اللہ رب العزت فرماتے ہیں لِیُظۡهِرَهٗ عَلَى الدِّيۡنِ كُلِّهٖ، تاکہ اس کو غلبہ دے ہر دین پر۔ اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اِنَّ الۡاَرۡضَ لِلّٰهِ ۙ يُوۡرِثُهَا مَنۡ يَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِهٖ ‌ؕ وَالۡعَاقِبَةُ لِلۡمُتَّقِيۡنَ﴾ (سورۃ الاعراف: ۱۲۸)

’’یقیناً یہ زمین اللہ کی ہے، وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اس کا وارث بنا دیتا ہے، لیکن عاقبت (آخرت) تو تقویٰ والوں کے لیے ہی ہے۔‘‘

باطل اور حق کے درمیان مسلسل ایک کشمکش ہے جو حضرت آدم علیہ السلام کے دور سے ہی شروع ہو گئی تھی اور پوری تاریخ انسانیت اس پر گواہ ہے۔ کارل مارکس کہتا ہے کہ دنیا کی تاریخ معاشی اصطلاحات کے ذریعے بیان کی جا سکتی ہے۔ یہ لوگوں کے مابین وسائل کی کمیابی پر تصادم کی تاریخ ہے۔ مگر ایمان والوں کے یہاں تاریخ کی یہ تشریح نہیں ہے۔ دنیا کی تاریخ حق و باطل کے مابین پیہم جدال و تصادم کی تاریخ ہے۔ اس تصادم میں اونچ نیچ بھی ہے، کبھی اہل ایمان غالب آ جاتے ہیں تو کبھی وہ شکست بھی کھا جاتے ہیں، کبھی یہ امت ابھرتی ہے اور کبھی پھر زوال پذیر ہو جاتی ہے مگر بالآخر وہ انجام ہے کہ جو معنی رکھتا ہے، وہ نتیجہ ہے جو اصل معنی رکھتا ہے اور انجام اور نتیجہ یہ ہے کہ بالآخر اسلام تمام ادیان پر غالب آ کر رہے گا اور یہ اس دنیا کا سب سے بابرکت دور ہو گا، اس قدر بابرکت کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اگر تم کسی چٹان پر بھی بیج بکھیر دو گے تو وہ اگ جائیں گے۔ اور یہ خاتمہ ہو گا...... اس دنیا کا انجام، تاریخ عالم کا اختتام اور ہم کہہ سکتے ہیں کہ حق و باطل کے مابین کشمکش کا انجام، اس کے بعد اہل ایمان کی روحیں قبض کر لی جائیں گی اور زمین پر منافقین اور بدترین لوگ باقی رہ جائیں گے، وہ فسادی ہوں گے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ یوں بر سر عام جماع کریں گے جیسے گدھے، يَتَهَارَجُونَ كَمَا تَتَهَارَجُ الْحُمُرُ، زمین پر بہت فساد پھیل جائے گا اور یہ وہ بدترین مخلوق ہو گی جن پر قیامت قائم ہو گی۔ اور قریباً چالیس سال زمین پر اس طرح گزریں گے کہ زمین پر ایک بھی اہل ایمان موجود نہیں ہو گا، زمین پر فساد، ظلم، قتل اور ہر قسم کی برائی کی جائے گی اور پھر قیامت قائم ہو جائے گی۔

سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے نزول سے متعلق گفتگو مکمل ہوئی، آئندہ ان شاءاللہ قیامت کی اگلی بڑی نشانی یاجوج ماجوج کے ظاہر ہونے کے حوالے سے بات کریں گے۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وعلی صحبہ وسلم

سورۃ الانفال

خواطر، نصائح اور تفسیر

شہید عالمِ ربّانی استاد احمد فاروق رحمۃ اللہ علیہ

پہلا درس: مومنین کی صفات

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام علىٰ سيد الأنبياء والمرسلين محمد وعلىٰ آله وصحبه وذريته أجمعين، أما بعد:

فقد قال الله سبحانه وتعالى في كتابه المجيد بعد أعوذ بالله من الشيطان الرجيم، بسم الله الرحمن الرحيم

﴿يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ○ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ○ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ○ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ○﴾ (سورۃ الانفال: ۱ تا ۴)

صدق الله مولانا العظيم، رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ وَيَسِّرْ لِيْٓ اَمْرِيْ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ يَفْقَهُوْا قَوْلِيْ!

پہلی بات، اس سورۂ مبارکہ کے معانی پر غور کرنے سے قبل یہ کہ ان شاء اللہ ان نشستوں کے اندر کوشش ہو گی کہ اس سورۂ مبارکہ میں ایک مجاہد کے لیے، ایک عام مسلمان کے لیے جو پیغامات اور جو فوائد و اسباق موجود ہیں ان پر، اور ان کے دل کی زندگی کے لیے جو سامان موجود ہے اس پر بات کی جائے، البتہ تفصیلی فقہی احکامات کے اندر جانا ابھی مطلوب نہیں ہے لہٰذا اس سلسلہ ہائے گفتگو میں یہ پیش نظر نہیں ہو گا؛ ورنہ سورۂ انفال و سورۂ توبہ میں جہاد سے متعلق کئی مفصل فقہی احکامات بھی آتے ہیں؛ تو ہم اس پہلو پر فی الحال بات نہیں کر رہے۔

﴿يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ﴾

”یہ آپ سے انفال کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔“

”یہ سوال کرتے ہیں“، اس میں کس کی طرف اشارہ ہے؟ یہ آیات غزوہ بدر کے موقع پر نازل ہوتی ہیں اور اشارہ ہے صحابہ رضوان اللہ اجمعین کی جانب کہ وہ آپ سے، یعنی صحابہؓ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے سوال کرتے ہیں انفال کے حکم کے بارے میں۔

انفال کیا ہے؟

انفال نفل کی جمع ہے۔ نفل کہتے ہیں اصل سے زیادہ چیز کو؛ اصل سے زائد کو نفل کہا جاتا ہے۔ تو اس میں انفال سے یہاں مراد غنیمت کا مال ہے اور اس کو نفل اس لیے کہا گیا کہ ایک مجاہد جب جہاد کرتا ہے تو بالاصل اس کے پیش نظر اجر اور اللہ کی رضا ہوتی ہے اور اجر کی خاطر ہی وہ گھر سے نکلتا ہے اور اللہ کی رضا کی خاطر ہی وہ جہاد و قتال کرتا ہے اور اپنے آپ کو شہادت کے لیے پیش کرتا ہے، لیکن اللہ کی طرف سے اس سے بڑھ کر ایک انعام جو اس کو دیا گیا، وہ ہے امتِ محمدیہ ﷺ کے لیے مالِ غنیمت کا حلال قرار دیا جانا۔ اسی طرح اس کو اصلاً مقصود اسلام کا غلبہ ہے، اس کو اپنی ذات کے لیے کوئی چیز بالاصل مقصود نہیں ہوتی ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کے لیے مال غنیمت کو ایک نفلی چیز کے طور پر، مزید انعام کے طور پر حلال قرار دیا۔

غنیمت کے احکامات تفصیل سے کتبِ فقہ میں موجود ہیں البتہ ایک مجمل سی بات یہ کہ حدیث میں غنیمت کے مال کو سب سے بہترین یا سب سے طیب، پاکیزہ مال قرار دیا گیا لیکن اس کے باوجود، ساتھ ہی ساتھ یہ بات بھی تمام محدثین و فقہا نے لکھی ہے کہ بالاصل ایک مجاہد کے پیش نظر غنیمت کا حصول نہیں ہونا چاہیے جہاد میں نکلتے ہوئے۔ جو نیت غالب ہو یا اصل ہو وہ اللہ کے دین کی سربلندی ہے اور اس کا امتحان اس طرح ہو گا کہ وہ کارروائی کہ جس کے اندر غنیمت ملنے کا کوئی امکان نہ ہو، وہ اس میں بھی اتنی ہی شوق و رغبت سے اترتا ہو جتنا کہ وہ اس کارروائی میں کہ جہاں غنیمت کا امکان ہو، رغبت کے ساتھ جاتا ہے۔ باقی، خود غنیمت کی طلب رکھنا، اس میں کوئی حرج نہیں ہے اگر اصل نیت یہ ہو کہ اللہ کا کلمہ بلند ہو تو بے شک ساتھ ہی دوسری نیت موجود ہو، کیونکہ حدیث میں اس کو سب سے پاکیزہ مال کہا گیا، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ میرا رزق نیزے کے سائے تلے رکھا گیا ہے۔ تو یہ اس امت کی صدیوں تک شان رہی ہے کہ اس نے رزق کو کفار کے ہاتھ سے چھین کے حاصل کیا ہے اور بیت المال کے سب سے بڑے مصادر، کہ جن سے مسلمانوں کو قوت پہنچی، ان میں غنیمت اور فے کا مال ہمیشہ سرفہرست رہا اور خود عام مسلمان اور مجاہد کی بھی حاجات پوری کرنے کا، بلکہ بہت سے فقرا مجاہدین کو اغنیا میں تبدیل کرنے کا ذریعہ بنا جہاد فی سبیل اللہ۔ لیکن جب ہم جہاد سے دور ہوئے تو پھر نوکریوں اور کیریرز کے پیچھے پڑ گئے اور یہ ساری نعمتیں جو اللہ نے ہمارے لیے حلال ٹھہرائی تھیں، اور جو سب سے اشرف اور پاکیزہ مال تھا، وہ ہمارے ہاتھ سے نکل گیا اور وہ نعمت ہم سے چھوٹ گئی۔ اور ایک ضمنی بات یہ کہ حدیث میں آتا ہے اور علما بھی اس سے یہی مفہوم اخذ کرتے ہیں کہ وہ کارروائی جس میں انسان غنیمت حاصل کرے اس میں اس کا اجر کم

ہو جاتا ہے۔ حلال ہے مالِ غنیمت، پاکیزہ ہے، سب کچھ ہے... لیکن سب سے افضل کارروائی، اس حدیث کے دوسرے حصے میں آتا ہے، وہ ہے کہ جس کے اندر انسان خود بھی شہید ہو جائے اور اس کے گھوڑے یا اس کی سواری کا خون بھی بہہ جائے، تو جس میں جتنا نقصان پہنچتا ہے اللہ کے راستے میں، اتنا زیادہ ثواب بڑھتا ہے اور جتنا آپ نفع لے کے آتے ہیں، اتنا ہی آپ کے ثواب میں کمی ہو جاتی ہے۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿یَسۡـَٔلُوۡنَکَ عَنِ الۡاَنۡفَالِ﴾ یہ آپ سے غنائم، انفال کے بارے میں سوال کرتے ہیں، یعنی یہ کہ ان کا حکم کیا ہے؟

غزوہ بدر کا موقع ہے، پہلی دفعہ بڑی مقدار میں غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آتی ہے، اور ابھی تک کوئی تفصیلی احکامات نہیں اترے ہوتے کہ غنیمت نے کیسے تقسیم ہونا ہے۔ تو احکامات اس سورت کی ابتدا میں اللہ تعالیٰ نہیں بتاتے، صرف ایک بنیادی بات بتاتے ہیں، کیونکہ مسلمانوں کے درمیان اختلاف ہو گیا غنیمت کے مسئلے پر اور آپس میں کچھ سختی اور کچھ تلخی بھی آگئی۔ تو اللہ تعالیٰ یہاں صرف اتنا جواب دیتے ہیں:

﴿قُلِ الۡاَنۡفَالُ لِلّٰہِ وَالرَّسُوۡلِ﴾

”کہہ دو کہ انفال اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے لیے ہیں۔“

یعنی یہ کہ اس پہ آپس میں جھگڑا نہ کرو۔ احکام بعد میں بتائیں گے مگر پہلے ایک اصولی بات تسلیم کرو کہ غنائم کا حکم اللہ اور اس کا رسول ﷺ طے کریں گے۔ جیسے باقی سب چیزوں میں ہم حکم لینے کے لیے قرآن کی طرف اور سنت کی طرف جاتے ہیں، اسی طرح غنائم کا حکم بھی کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ سے معلوم ہو گا؛ پہلے اس اصول کو مانو۔ اس کے بعد سورت میں آگے چل کر اللہ سبحانہ وتعالیٰ غنائم کے احکامات بیان فرماتے ہیں۔

﴿فَاتَّقُوا اللّٰہَ﴾

”پس اللہ کا تقویٰ اختیار کرو، (یا اللہ سے ڈرو)۔“

یعنی یہ کہ غنائم کے معاملے میں حکم خود اپنی طرف سے متعین نہ کرو۔ حکم آنے سے قبل آپس میں جھگڑا نہ کرو۔ بلکہ اللہ سے ڈرتے ہوئے رویہ اختیار کرو اور اللہ ہی کی طرف لوٹو حکم جاننے کے لیے۔ تو یہ ایک مسلمان کی شان ہونی چاہیے زندگی کے ہر معاملے میں کہ جس چیز کا حکم نہ معلوم ہو، اس کے لیے قرآن و سنت کی طرف وہ پلٹنے والا ہو اور اہل علم کی طرف رجوع کر کے اس کا شرعی حکم معلوم کرے، اور اس کے ہر مسئلے میں اس کی اپنی رائے، اس کی اپنی خواہش حاکم نہ ہو بلکہ اس کی حاکم اللہ کی کتاب اور اللہ کے نبی ﷺ کی سنت ہو۔

﴿فَاتَّقُوا اللّٰہَ وَاَصۡلِحُوۡا ذَاتَ بَیۡنِکُمۡ﴾

”پس اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور آپس کے معاملات درست کرو، (آپس میں صلح صفائی کرو)۔“

اشارہ ہے اس تلخی کی طرف جو آپس میں آئی غنیمت کی تقسیم کے معاملے میں۔ تو اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے تقوی کے بعد دوسری بات، جس کا کہ حکم دیا، وہ یہ کہ آپس میں اصلاح کرو اور دلوں میں ایک دوسرے کے لیے محبت کا جذبہ رکھو؛ کینے کا، بغض کا جذبہ نہ رکھو۔ ایک دوسرے کے لیے حسد اور رنجشوں کو دلوں میں نہ پالو؛ بلکہ ایک دوسرے کے لیے ایمانی محبت کا جذبہ دلوں میں رکھو۔

﴿وَاَطِیۡعُوا اللّٰہَ وَرَسُوۡلَہٗۤ اِنۡ کُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ﴾

”اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرو، اگر تم مومن ہو۔“

انسان کب مومن بنتا ہے؟

ایمان کی سب سے پہلی اور سب سے روشن نشانی یہ ہے کہ انسان اللہ اس کے رسول ﷺ کے حکم کی اطاعت کرتا ہو۔ جو شخص اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا حکم اپنے اوپر لازم ہی نہیں سمجھتا، یا انکار کرتا ہے کہ نہیں مانوں گا، وہ کافر ہو جاتا ہے۔ مومن ہونے کے لیے یہ لازم شرط ہے کہ انسان یہ مانے کہ میرے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا ہر حکم واجب الاطاعت ہے۔ پھر ایک وہ شخص ہے جو اپنے لیے اس کو واجب مانتا ہے، اللہ کے حکم کو اپنے لیے لازم مانتا ہے، اللہ کے رسول ﷺ کے حکم کو لازم مانتا ہے لیکن عمل میں کمزوری ہو جاتی ہے اس سے؛ تو جتنی بڑی کمزوری ہو گی، اتنا درجے کا اس کے اندر فسق پایا جائے گا۔ جتنا بڑا وہ فرض چھوڑے گا، جتنے بڑے حرام کا ارتکاب کرے گا، اتنے ہی درجے میں فسق کی صفت یا فاسق ہونے کی صفت اس کے اندر پائی جائے گی۔ اسی لیے ایمان کے ساتھ جوڑ کے اللہ نے اسے بیان فرمایا کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرو اگر تم مومن ہو! یعنی ایمان کا پہلا تقاضہ یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرنے والا ہو مسلمان۔

ہمارے معاشروں کا المیہ ہے کہ معاشرے بحیثیتِ مجموعی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت سے ہٹ چکے ہیں اور رجوع کرنا ہی چھوڑ دیا ہے اپنے امور میں کتاب اللہ کی طرف اور اللہ کے نبی ﷺ کی سنت کی طرف۔ تو آپ دیکھتے ہیں کہ امت اور ریاست کی سطح سے شروع کرتے ہوئے گھریلو معاملات تک ایک عام مسلمان کے، اس میں بہت تھوڑے لوگ معاشرے میں ایسے ملتے ہیں کہ جو ان سارے مسائل میں اپنی عقل، اپنی خواہش، اپنے ذاتی تجربات یا مغرب سے آنے والے افکار...... ان چیزوں کو چھوڑ کے، قرآن کی طرف رجوع کرتے ہوں، سنت کی طرف رجوع کرتے ہوں، دینی کتب کی طرف رجوع کرتے ہوں اور وہاں سے حکم لیتے ہوں۔ تو ہماری بنیادی بربادی یا جس ذلت میں ہم آج بحیثیت مجموعی مبتلا ہیں، اس کا بنیادی

سبب یہ ہے کہ ہم نے اپنے مصدر کو چھوڑ دیا ہے۔ وہ مصدر کہ جس کو پکڑنا چاہیے تھا، جس سے رہنمائی لینی چاہیے تھی، اس کو چھوڑ دیا ہے اور ہمارا نوجوان اپنی زندگی اس طرح گزارتا ہے اور اپنے مسائل میں اس طرح گفتگو کرتا ہے گویا کہ اس کے پاس کوئی ہدایت اللہ کی طرف سے آئی ہی نہیں، گویا کوئی نبی نہیں آیا اس کے پاس کہ جس نے اس کو کوئی رہنمائی دی تھی۔

کچھ دن قبل سننے کو ملا؛ یہ بی بی سی کے نمائندے جاتے ہیں مختلف یونیورسٹیوں میں اور جا کے وہاں کے نوجوانوں سے سوالات کرتے ہیں؛ تو انسان کو سن کے افسوس ہوتا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ ایک ایسی نسل پروان چڑھی ہے کہ جس کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی ہدایات سے دور دور تک کوئی واسطہ نہیں ہے۔ ایک رائے دے رہا ہے تو کہہ رہا ہے کہ نپولین نے یہ کہا؛ دوسرا رائے دے رہا ہے تو کسی ناول کا ذکر کر رہا ہے؛ تیسرا رائے دے رہا ہے تو وہ ان (اہل مغرب) کے معاشیات کے کسی فلسفی کا ذکر کر رہا ہے.....؛ تو ساری آرا اور ساری گفتگو ادھر ہی سے ماخوذ ہے یا پھر جو دوسرا مصدر ہے ان کا، وہ میڈیا ہے۔ جو کچھ میڈیا بول رہا ہے وہی کچھ ان کی بھی زبان پہ جاری ہے۔ وہی چیزیں وہ بھی دہرا رہے ہیں۔ تو یہ المیہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت سے معاشرے بحیثیت مجموعی ہٹ چکے ہیں۔ مطلوب یہ ہے کہ ہم لوگ ہر مسئلے میں قرآن و سنت کی طرف رجوع کرنے والے بنیں اور ہر مسئلے میں شرعی حکم جاننے والے بنیں۔ اپنی زندگی کی چھوٹی بڑی ہر چیز کو اس کھونٹی کے ساتھ باندھیں، اس مصدر کے ساتھ جڑیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر مومن ہو تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرو۔

﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ﴾

”مومن تو حقیقت میں بس وہ لوگ ہیں...“

یہاں پہ علامہ سعدیؒ (صاحب تفسیر السعدی) یہ بات لکھتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ ایمان کامل ان لوگوں کا ہے، یعنی آگے جتنی صفات بتائی جارہی ہیں وہ اس شخص کی بتائی جارہی ہیں جس کا ایمان کامل ہے۔ جس کے اوپر پھر اللہ تعالیٰ مغفرت کے اور جنت کے اعلیٰ درجات کے وعدے کرتے ہیں۔ تو ایک ایمان کی بنیادی سطح ہے، جس کا انسان اقرار کر کے اسلام میں داخل ہو جاتا ہے اور ایک پھر وہ کہ جس درجے وہ ایمان کو بڑھاتا ہے، جتنی اس کی حفاظت کرتا ہے، جتنا اس میں اضافہ کرتا ہے، اسی درجے اللہ کی رضا، اللہ کی رحمت اور اللہ کے انعامات اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ تو یہاں یہی بتایا جارہا ہے کہ ایک مومن کامل کی صفات کیا ہیں، کیسا ہونا چاہیے ایک مسلمان کو یا مومن کو؟

پہلی صفت: اللہ کے ذکر پر دل کا لرزنا

تو مومن تو حقیقت میں وہ لوگ ہیں:

﴿إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ﴾

”جن کے سامنے اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل لرز اٹھتے ہیں، (کانپ جاتے ہیں، ڈرتے ہیں ان کے دل)۔“

تو یہ اللہ کے ساتھ ایک مومن کے دل کا حال اصولاً ہونا چاہیے کہ اللہ کا نام اس کے دل کو لرزا دیتا ہو۔ کوئی اس کو اِتَّقِ اللہ کہے، کوئی اسے کہے کہ اللہ سے ڈرو، تو وہ اس کے لیے آخری بریک ہو، آخری حد ہو جہاں وہ رک جاتا ہو، اپنی رائے بھی اللہ کے حکم کے سامنے قربان کر دیتا ہو۔ یہی بات مفسرین نے لکھی ہے کہ اللہ کے خوف کی نشانی یہ ہے کہ اللہ کا حکم جہاں آئے تو وہاں وہ بالکل ہتھیار ڈال دے، بالکل سر تسلیم خم کر دے، بالکل جھک جائے اس حکم کے سامنے۔ اس سے پہلے تک وہ ایک رائے کو سو فیصد ٹھیک سمجھتا تھا، لیکن اللہ کا حکم آگیا تو بس یہاں پہ اس نے اپنا ذہن لڑانا چھوڑ دیا اور اس کے سامنے جھک گیا۔ اللہ کے نبی ﷺ کا حکم آگیا، اس نے اس کے سامنے اپنا سر جھکا دیا۔ تو یہ ایک مومن کا رویہ اللہ کے ساتھ ہونا چاہیے۔ جرأت نہیں ہونی چاہیے اللہ کے احکام کے مقابلے میں، اللہ کے نبی ﷺ کے احکام کے مقابلے میں۔ جیسا کہ دیگر سورتوں میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صحابہؓ کو یہ ادب سکھلایا کہ:

﴿لَا تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ﴾(سورۃ الحجرات:۱)

”اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کے سامنے آگے نہ بڑھو، (جرأت سے کام نہ لو)“

اور اسی طرح یہ حکم دیا کہ:

﴿لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ﴾(سورۃ الحجرات:۲)

”نبی (ﷺ) کی آواز سے اپنی آواز کو اونچا نہ کرو۔“

تو یہ صرف گفتگو کا ادب نہیں ہے، ایک عمومی ادب سکھایا گیا کہ جب وہاں سے کوئی چیز آجائے، قرآن و سنت کی طرف سے کوئی چیز آجائے تو بس! یہ ہماری آخری حد ہے کہ جس سے آگے ہم نہیں بڑھ سکتے، جس سے آگے ہم نہیں گفتگو کر سکتے۔ تو اس کے آگے سر تسلیم خم کرنا، یہ خو اور یہ صفت پیدا ہو ہمارے اندر۔ اور دوسرا اس میں دل کی اس کیفیت کی طرف بھی اشارہ ہے کہ اللہ کے ساتھ ایسا تعلق ہو کہ اللہ کا نام آنکھوں میں آنسو لے آتا ہو اور اللہ کی صفات کا تذکرہ اور اللہ کی یاد دلوں کو لرزا دینے کے لیے کافی ہوتی ہو۔ تو اللہ سے مانگنے کی بھی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے ساتھ ایسا گہرا تعلق نصیب فرمائے کہ دل اللہ کے ساتھ جڑے ہوئے ہوں اور دل اللہ کی طرف متوجہ ہوں۔ یہ پہلی صفت بتائی کہ مومن وہ ہے کہ جس کا دل اللہ کی یاد اور اس کے ذکر پہ کانپ اٹھتا ہو؛ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ۔

دوسری صفت: تلاوت قرآن سے ایمان میں اضافہ

﴿وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا﴾

دوسری صفت یہ ہے کہ ”جب ان کے اوپر اللہ کی آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو ان کا ایمان اس سے بڑھ جاتا ہے (یا وہ آیات ان کے ایمان میں اضافہ کر دیتی ہیں)۔“

یہاں پر مفسرین یہ بات لکھتے ہیں کہ ایمان میں اضافہ دونوں طرح ہوتا ہے۔ ایک یہ کہ خود وہ اللہ کا کلام ہے، اس کی تلاوت بذات خود باعث برکت ہے اور دل کے زنگ کو، دل کی گندگی کو دھونے کا باعث ہے؛ چاہے سمجھے بغیر بھی ہو تب بھی اس سے ثواب اور اللہ کا قرب حاصل ہوتا ہے۔ لیکن جو اصل میں ایمان میں اضافہ ہوتا ہے، اس کا ذریعہ قرآن کی آیات میں تدبر ہے، غور کرنا ہے، سوچنا ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے یہ جو بات فرمائی اس کا کیا مفہوم ہے؟ اس کے لیے تفسیر کی طرف رجوع کرنا ہے، علما سے رہنمائی لینا ہے، رک رک کے آیات کو پڑھنا ہے۔ تو یہ تدبر دل کا عمل ہے۔ انسان کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے دونوں طرح کے اعمال کا حکم دیا ہے۔ بعض اعمال دل کے ہیں، بعض اعمال جسم کے ہیں۔ یہ جو آیت ہے اس میں تین اعمال کا ذکر آئے گا اور تینوں دل کے اعمال ہیں۔ اس کے بعد جسم کے اعمال کا ذکر آئے گا۔

قلب کے تین اعمال:

دل کا پہلا عمل ہم نے کہا کہ اللہ کا خوف، اللہ کی خشیت کہ دل لرز اٹھے اللہ کے ذکر سے۔ دوسرا، قرآن کی آیات میں تدبر کرنا، قرآن کے معنی میں تدبر کرنا۔ تو یہاں بھی ایک دفعہ پھر، افسوس کی بات ہے کہ ہمارے معاشرے میں جو بہترین ذہن ہیں، جن کو اللہ نے سوچنے کی، سمجھنے کی، غور کرنے کی صلاحیت دی ہے، وہ اپنے ذہن کو قرآن پہ غور کرنے پر نہیں لگاتے۔ وہ ہر قسم کی کتاب پر غور کرنے کے لیے تیار ہیں…، جس طرح کہ ہم نے پہلے کہا کہ وہ ناولوں پہ غور کر سکتے ہیں، وہ فلسفیوں کی کتابوں پہ غور کر سکتے ہیں، وہ خبروں پہ غور کر سکتے ہیں، وہ ٹائمز (میگزین) اور نیوز ویک پہ غور کر سکتے ہیں اور وہ ٹی وی کے مذاکروں اور ٹاک شوز پہ غور کر سکتے ہیں… لیکن وہ قرآن پہ غور کرنے کے لیے وقت نہیں نکالتے! اور ظاہری بات ہے کہ جب تک یہ امت اپنے بہترین ذہنوں کو اس کام پہ نہیں لگائے گی کہ وہ اللہ کی کتاب کی طرف رجوع کریں اور اپنے حالات میں اللہ کی کتاب سے رہنمائی لیں، تب تک یہ پستی برقرار رہے گی۔ تو یہ ایک عمومی بات بھی ہے؛ پھر ہر مجاہد کے لیے بھی یہی بات ہے کہ ہر مجاہد کا قرآن کے ساتھ تعلق محض ایک تبرک کا تعلق نہیں ہونا چاہیے۔ محض برکت لینے کا تعلق نہیں ہونا چاہیے۔ وہ بھی مطلوب ہے؛ اس کا انکار یا کمی کرنا نہیں مطلوب۔ تلاوت خود بھی مطلوب ہے، لیکن تدبر جو ہے وہ ہمارے اوپر قرآن کے بنیادی حقوق میں سے ہے، جس کے بارے میں اللہ نے قیامت کے روز سوال کرنا ہے۔ قرآن میں آتا ہے کہ نبی قیامت کے دن کہیں گے:

﴿يَا رَبِّ إِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوا هَٰذَا الْقُرْآنَ مَهْجُورًا﴾ (سورۃ الفرقان: ۳۰)

”اے میرے رب! میری قوم نے قرآن کو پیٹھ کے پیچھے ڈال دیا (یا اس سے منہ پھیر لیا)“۔ تو اس میں یہ بات شامل ہے کہ اس پہ تدبر نہیں کیا، اس پہ غور نہیں کیا۔

تدبر بالقرآن…… کیسے؟

تو کوشش یہ ہونی چاہیے کہ دن میں بے شک پانچ منٹ نکالے جائیں، لیکن وہ پانچ منٹ غور کرنے کے لیے نکالے جائیں۔ عمومی تلاوت کے لیے بے شک اس سے زیادہ وقت دیا جائے لیکن دن میں کسی ایسے وقت کہ جب ذہن تازہ ہو، ذہن حاضر ہو، اس وقت انسان قرآن پہ تدبر کے لیے وقت نکالے؛ اور جو شخص دن میں صرف پانچ منٹ بھی دیتا ہو گا، تجربہ کر کے دیکھ لیں کہ ان شاءاللہ اللہ تعالیٰ اس کے سامنے کھولیں گے معانی۔

معانی کی مختلف سطح ہیں: ایک سطح علما کے لیے ہے کہ جس کو سمجھنے کے لیے، اس سے احکام نکالنے کے لیے علم چاہیے۔ وہ ایک عامی کا کام نہیں ہے کہ وہ آیات سے احکامات نکالنا شروع کر دے۔ لیکن تفاسیر کی مدد سے، جو علما نے لکھی ہیں، انسان آیات کے معانی پہ رک کے سوچ سکتا ہے اور یہ سوچ سکتا ہے کہ ان میں میرے لیے کیا رہنمائی موجود ہے۔ قرآن کی بہت سی اخلاق سے متعلق آیات، جہنم اور جنت کے ذکر سے متعلق آیات…، اگر وہ روز اس پہ غور کرنے کے لیے پانچ منٹ بھی نکالے تو زندگی میں زمین آسمان کا فرق ڈال دیتی ہیں یہ آیات۔ بہت سے گناہ انسان کرنے جا رہا ہوتا ہے لیکن جب وہ غور سے، ٹھہر کے، قرآن پڑھتا ہے تو جہنم کے ذکر والی ایک آیت اس کو روک دیتی ہے اس سے۔ بہت سی نیکیوں میں وہ سست پڑ رہا ہوتا ہے، ایک آیت، جس پہ وہ غور کرتا ہے، جنت کے تذکرے کی، اس کے اندر ہمت اور قوت پیدا کر دیتی ہے نیکی کرنے کے لیے۔ بہت سے عملی معاملات، جس میں وہ گھر میں، اپنے اخلاق میں، اپنے گھر والوں کے ساتھ، اپنے والدین کے ساتھ اس میں کمی کر رہا ہوتا ہے اور ایک آیت والدین سے حسن سلوک کے حوالے سے آتی ہے اور وہ اس کے معاملات کو ٹھیک کر دیتی ہے۔ تو قدم قدم پہ بعض بالکل واضح احکامات ایسے ہیں جو انسان کو ٹھیک کر سکتے ہیں اگر وہ غور کے لیے وقت نکالے! تو یہ ہر مجاہد کی زندگی کا حصہ ہونا چاہیے کہ روز، کم سے کم یہ ہے، جو اس سے زیادہ وقت دے سکتا ہے وہ دے، لیکن کم سے کم پانچ منٹ نکال کر ایک صفحہ ترجمے کے ساتھ پڑھے اور اس پہ غور کرے کہ اس میں میرے لیے کیا سبق ہے۔ تو یہ اللہ کی کتاب ہے، ﴿لَقَدْ أَنزَلْنَا إِلَيْكُمْ كِتَابًا فِيهِ ذِكْرُكُمْ أَفَلَا تَعْقِلُونَ﴾ (سورۃ الانبیاء: ۱۰) ”ہم نے آپ کی طرف ایک کتاب نازل کی جس میں تم لوگوں کا ذکر ہے۔“ ”تمہاری طرف کتاب اتاری جس میں تمہارا ذکر ہے، أَفَلَا تَعْقِلُونَ؟“ ”کیا تم عقل نہیں کرتے“؟ تو اس پہ عقل لڑائیں گے تو پتا چلے گا کہ یہ تو ہم سے مخاطب ہے۔ یہ ہمارا ذکر کر رہی ہے۔ یہ ہمیں رہنمائی دے رہی ہے۔ تو

ٹھہریں قرآن کی آیات پہ، اس سے گہرا تعلق قائم کرنے کی کوشش کریں، پھر اندازہ ہو گا کہ یہ ایک ایسی دنیا ہے، اتنا بڑا سمندر ہے کہ جس سے انسان کبھی بھی سیر نہیں ہو سکتا۔ لیکن **افسوس کی بات ہو گی کہ انسان اس امت میں پیدا بھی ہو، اللہ نے اس کو قرآن جیسی نعمت دی بھی ہو اور زندگی میں اس کے پاس چند منٹ بھی نہ نکلے ہوں قرآن پہ غور کرنے کے لیے!!!** اس سے زیادہ افسوس اور پشیمانی کی بات کوئی نہیں ہو سکتی۔ ضرور وقت نکالا جائے اور قرآن کے ساتھ گہرا تعلق، محبت کا تعلق، تدبر کا تعلق قائم کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ دوسری صفت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کی آیتیں ان کے سامنے پڑھی جاتی ہیں تو ان کا ایمان بڑھتا ہے۔ کیسے بڑھتا ہے؟ وہ تدبر کرتے ہیں، جنت کی آیات پہ غور کرتے ہیں، جہنم کی آیات پہ غور کرتے ہیں، اخلاق کے امور پہ غور کرتے ہیں جس سے ان کے اعمال درست ہوتے ہیں، ان کا دل اللہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور یہ ان کے ایمان میں اضافے کا ذریعہ بنتا ہے۔

تیسری صفت: توکل علی اللہ

﴿وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ﴾

دل کا تیسرا عمل جو اس آیت میں بتایا گیا وہ یہ کہ ”اور وہ اپنے رب پر توکل کرتے ہیں۔“

ہم نے کہا کہ اس آیت میں ترتیب یہی ہے کہ پہلے اللہ سبحانہ وتعالیٰ دل کے اعمال کا ذکر کرتے ہیں۔ کیوں؟ کیونکہ دل کے اعمال اصل ہیں اور جسم کے اعمال ان کی فرع یا ان سے پھوٹنے والی شاخیں ہیں۔ مطلوب دونوں عمل ہیں۔ دل والے عمل بھی ضروری ہیں اور جسم والے عمل بھی ضروری ہیں؛ بدن والے یا جوارح والے عمل بھی ضروری ہیں۔ لیکن اصل اعمال دل کے اعمال ہیں، وہ نہیں ہوں گے تو جسم کے عمل میں ضرور کمزوری آئی گی۔ تو ہم نے یہاں دل کے تین اعمال کا ذکر کیا۔ اللہ کا خوف، آیات پر تدبر اور تیسری چیز اللہ پر توکل کرنا۔

توکل کیا ہے؟

توکل جو ہے، علامہ سعدیؒ لکھتے ہیں کہ یہ تمام اعمال پر ابھارنے والا محرک ہے۔ انسان نیکی کے کام توکل کے بغیر نہیں کر سکتا۔ اس لیے کہ جس شخص کی نگاہ صرف اسباب کی دنیا پہ رہتی ہو وہ آدھی نیکیوں سے ویسے ہی رک جاتا ہے، اس لیے کہ نیکی کرنے کے لیے جو ہمت چاہیے، جو قوت چاہیے، وہ اسی کو ملتی ہے کہ جو اسباب سے آگے اللہ کے اوپر، جو رب الاسباب ہے، اس کے اوپر بھی نگاہ رکھتا ہو۔ تو ہر معاملے میں ایک مومن کی نگاہ میں یہی فرق ہوتا ہے۔ کافر بھی دنیا میں رہتا ہے، وہ بھی اسباب اختیار کرتا ہے اور مومن بھی دنیا میں رہتا ہے، وہ بھی اسباب اختیار کرتا ہے؛ ہم بھی جنگ کے لیے تدریب بھی کرتے ہیں، تیاری بھی کرتے ہیں، سارے اسباب اختیار کرنے کی کوشش کرتے ہیں، کافر بھی، جو اس کے پاس اسباب ہیں، وہ اختیار کر رہا ہے، لیکن فرق اس چیز میں ہے کہ ہم اسباب کو عبادت کے طور پہ اختیار کرتے ہیں اور اسباب اختیار کرتے ہوئے جانتے ہیں کہ ان اسباب سے کوئی فائدہ دینا اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ ان اسباب سے کسی شر سے بچنا اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ وہ ہم میں سے کسی کے ہاتھ میں نہیں ہے۔ اسباب اختیار کرنے سے کوئی نتیجہ ہم خود نہیں نکال سکتے۔ نتیجہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ مرتب فرماتے ہیں۔ تو یہ وہ چیز ہے جو ایک مومن کی نگاہ اور ایک کافر کی نگاہ کا فرق بتاتی ہے، دونوں اسی دنیا میں ہیں لیکن دونوں چیزوں کو اور طرح دیکھ رہے ہوتے ہیں۔ تو بہت سے بھائی جو جہاد پہ آنے سے رکتے ہیں اس میں ان کو یہی چیزیں روکتی ہیں کہ پھر کھانے کا کیا ہو گا؟ رزق کا کیا ہو گا؟ پھر کھائیں گے کہاں سے؟ پھر شادی کیسے ہو گی؟... حالانکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اس میدان کے اندر وہ سب کچھ رکھا ہے۔ بہت سے بھائیوں کی شادیاں ایسی عمروں میں ہو گئیں کہ اگر وہ جہاد سے باہر ہوتے تو کبھی بھی اس عمر میں ان کی شادی نہ ہوئی ہوتی۔ لیکن جہاد کی وجہ سے ان کے لیے وہ دروازہ کھل گیا بلکہ پہلے کھل گیا۔ بہت سے بھائی جہاد میں آکر جو کچھ کھاتے ہیں، جہاد سے پہلے، گھر کے اندر کھانے کی وہ سطح یا وہ فراوانی ان کو نہیں میسر تھی۔ تو جہاد میں اللہ تعالیٰ نے ہر قسم کی...، دلی سکون کے اعتبار سے بات کریں تو جو سکون اللہ نے جہاد میں رکھا ہے اور جو راحت یہاں رکھی ہے وہ کبھی بھی دنیا کی بھاگ دوڑ میں اور دفاتر و نوکریوں کے چکر میں اور یونی ورسٹیوں میں اپنے آپ کو تھکانے میں... کبھی بھی وہ راحت اور دل کا سکون نہیں مل سکتا۔ یہ اسی کو نصیب ہوتا ہے جو اللہ پہ توکل کر کے اس میں کود پڑتا ہے۔ جو شخص سارا وقت حسابات لگا تا رہتا ہے کہ اگر اتنے دن میں غائب رہا تو پھر پیچھے اتنے روپے کے ساتھ میرے گھر والوں کی اتنی ضروریات پوری ہوں گی، وہ پھر کبھی دو اور دو چار کے اس ہیر پھیر سے باہر نہیں آسکتا۔ اس لیے کہ وہ سارا وقت یہ calculations (حساب کتاب) کرتا رہے گا اور اس سے آگے نہیں بڑھ سکے گا۔ تو ایک درجے میں اسباب اختیار کرنے ہیں اور باقی جس رب نے کھلانا ہے اس رب کے اوپر توکل کر کے انسان کو چھلانگ مار دینی ہوتی ہے۔ تو پوری زندگی میں قدم قدم پہ یہی معاملہ پیش آتا ہے، قدم قدم پہ انسان کو توکل کی ضرورت پڑتی ہے اور یہ ذہن میں رکھتے ہوئے کہ توکل کا مطلب یہ نہیں کہ اسباب ترک کیے جائیں۔ **توکل کہتے ہیں اسباب کو پوری طرح اختیار کرتے ہوئے نگاہ کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف متوجہ رکھنا یا دل کو اللہ کی طرف متوجہ رکھنا۔** تو توکل کا مطلب اسباب میں کمی نہیں ہے بلکہ کئی علما نے اسباب اختیار کرنے کو توکل کی تعریف میں شامل کیا ہے۔ جو شخص اسباب اختیار نہیں کر رہا وہ توکل نہیں کر رہا۔ تو توکل کا مطلب ہے کہ اسباب اختیار کریں گے، لیکن دل اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف متوجہ رکھیں گے۔ جیسا کہ سورہ یوسف میں آتا ہے کہ حضرت یعقوبؑ نے اپنے بچوں کو بھیجا اور کہا:

﴿يٰبَنِيَّ لَا تَدْخُلُوْا مِنْۢ بَابٍ وَّاحِدٍ وَّادْخُلُوْا مِنْ اَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ﴾ (سورة یوسف: ٦٧)

کہ بستی میں ایک دروازے سے داخل نہ ہونا بلکہ مختلف دروازوں سے داخل ہونا تاکہ تم سب کو ۔بہت خوبصورت بھائی تھے، اونچے قد کے، خوبصورت نظر آنے والے۔ تاکہ کسی کی نظر نہ لگ جائے یا کوئی حسد نہ تم سے کرے، اس لیے اکٹھے نہ داخل ہو، علیحدہ علیحدہ داخل ہو لیکن ساتھ ہی فرمایا:

﴿وَمَآ أُغْنِىْ عَنْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَىْءٍ إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلّٰهِ﴾

لیکن یہ بس میری تدبیر ہے جو اللہ کے مقابلے میں، اللہ کے فیصلے کے مقابلے میں تمہیں نہیں بچا سکتی۔ اگر اللہ نے کوئی ضرر لکھا ہو گا تو وہ پھر بھی پہنچے گا۔ تو یہ إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلّٰهِ کیوں؟ کیونکہ فیصلہ اللہ کے ہاتھ میں ہے، اصل جو اختیار ہے وہ اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ تو یہ تیسری صفت ہے جو اعمال قلب سے متعلق ہے جس کا اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے یہاں حکم دیا کہ توکل کی صفت جو ہے وہ اختیار کی جائے۔

چوتھی صفت: نماز کا قیام

پھر اللہ فرماتے ہیں:

﴿الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ﴾

چوتھی صفت مومنین کی یہاں یہ گنوائی کہ ”وہ لوگ جو نماز قائم کرتے ہیں۔“

اور نماز قائم کرنے سے مقصود دو پہلو ہیں نماز کے قائم کرنے کے: ایک اس کا ظاہری پہلو ہے اور ایک اس کا باطنی پہلو۔ ظاہری پہلو یہ کہ اس کو احکامات نماز کے معلوم ہوں اور وہ نماز کے مختلف جو ظاہری اعمال ہیں ان کو سنت کے مطابق ادا کرتا ہو۔ یہ نماز کو ظاہراً قائم کرنا ہے۔ اسی طرح نماز کو وقت پہ ادا کرنا، جماعت سے ادا کرنا اور اس کے مختلف ارکان، جیسے رکوع، سجدہ وغیرہ، اس میں جسم کو سکون سے رکھنا، تیزی سے نماز کو نہ پڑھنا، یہ سب ظاہری آداب ہیں۔ تلاوت جو ہے وہ اطمینان سے، تفصیل سے کرنا، ٹھہر ٹھہر کے پڑھنا۔ یہ سب ظاہری آداب ہیں اور نماز قائم کرنے میں شامل ہیں۔

نماز قائم کرنے کا دوسرا جو پہلو ہے، جو نماز کا باطنی پہلو ہے وہ خشوع اور خضوع اختیار کرنا اور جو آیات پڑھ رہے ہیں اس پر غور کرنا، جو ذکر کر رہے ہیں اس پہ غور کرنا، جو دعا پڑھ رہے ہیں اس پہ غور کرنا اور دل کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف متوجہ کرنے کے لیے محنت کرنا۔ اور شیطان ۔جس طرح حدیث میں آتا ہے کہ ایک شیطان مستقل اسی پر مقرر ہے کہ وہ آپ کو وہ چیزیں یاد دلاتا ہے نماز میں جو آپ کو ویسے نہیں یاد آتی ہیں اور حدیث میں اس شیطان کے نام تک کا ذکر آتا ہے جو ابھی میرے ذہن میں نہیں۔ تو اس شیطان کا مقابلہ کرنا کہ جو نماز میں ہمیں دنیا کی ساری چیزیں یاد دلاتا ہے نماز کے علاوہ اور اپنی توجہ کو پھر بھی نماز کے اوپر قائم رکھنا، یہ اس کا باطنی پہلو ہے۔

قائم کرنے کا لغوی معنیٰ:

مومنین کی صفت یہ ہے: الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ، جو نماز قائم کرتے ہیں۔ عربی میں قائم کرنا یہ ہے کہ آپ ایک نیزہ لیں اور زمین میں گاڑ دیں تو اس کو کہتے ہیں قائم کرنا۔ اتنا مضبوطی سے گڑ جائے کہ وہ ہلتا نہ ہو آرام سے، تو اس کو کہتے ہیں قائم کرنا۔ تو نماز ایسی قائم ہو کہ جو انسان کھڑا ہو نماز کے لیے، تو پھر کوئی چیز اس کو نماز سے ہلاتی نہ ہو اور اس کے اندر کوئی کمزوری نہ آتی ہو۔ ایسی نماز اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو ہم سے مطلوب ہے۔

پانچویں صفت: انفاق

﴿وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ﴾

پانچویں صفت یہ بتائی کہ ”اور جو رزق ہم نے ان کو دیا ہے وہ اس میں سے انفاق کرتے ہیں، (وہ اس میں سے خرچ کرتے ہیں اللہ کے راستے میں)“۔

تو خرچ کرنے کے بھی دو پہلو ہیں: ایک، جو واجب ہے اس کو خرچ کرنا۔ یعنی شوہر کے اوپر اپنی بیوی کے حقوق ہیں جو اس نے خرچ کرنا ہے، اس کا نفقہ دینا ہے۔ اسی طرح جن کے حق میں زکوٰۃ کا نصاب پورا ہو رہا ہے، تو انہوں نے زکوٰۃ ادا کرنی ہے، اسی طرح جس پہ حج کا نصاب پورا ہوا ہے اس نے حج پر خرچ کر کے حج کے لیے جانا ہے۔ یہ فرض جو اس کے اوپر صدقات ہیں یا فرض نفقہ ہے جو اس نے کرنا ہے؛ اور دوسرا، اس سے آگے بڑھتے ہوئے، جو سب مسلمانوں کے لیے ہے، چاہے اس کے پاس تھوڑا مال ہو یا زیادہ مال ہو، وہ یہ کہ نفلی صدقات دینا اور فرض سے آگے بڑھ کر اپنے مال میں سے نکالنا اللہ کی رضا کی خاطر۔ تو یہ دونوں طرح کے صدقات ہیں؛ فرض صدقات اور نفل صدقات، یہ ادا کرنا مومن کی صفت ہے کہ وہ مال روک کے نہیں رکھتا، مال کی محبت اس کے سینے میں نہیں ہوتی بلکہ وہ اپنے مال کو اللہ کے قرب کے لیے استعمال کرتا ہے، اپنے مال کو اللہ کو راضی کرنے کے لیے استعمال کرتا ہے۔ تو یہ ایک بنیادی فرق ہے مال سے معاملہ کرنے میں ایک مومن اور ایک کافر کا۔ کافر کا مال اس کے لیے عذاب کا، وبال کا باعث ہوتا ہے، اس کی پکڑ کا باعث ہوتا ہے۔ مومن کا مال اللہ کے قرب کا ذریعہ ہوتا ہے کیونکہ وہ اس کو صرف اپنی خواہش کے لیے نہیں استعمال کر رہا بلکہ وہ اس کو اللہ کی رضا کے لیے، اللہ کی پسند کے کاموں کے لیے استعمال کر رہا ہوتا ہے۔

(باقی صفحہ نمبر 35 پر)

مُجاہد جہاد کیوں چھوڑ جاتا ہے؟

تالیف: أبو البراء الإبّي

وجہ نمبر: انیس (19)

یہ تحریر تنظیم قاعدۃ الجہاد فی جزیرۃ العرب سے وابستہ یمن کے ایک مجاہد لکھاری ابوالبراء الإبی کی تالیف 'تبصرة الساجد في أسباب انتكاسة المجاهد' کا ترجمہ ہے۔ انہوں نے ایسے افراد کو دیکھا جو کل تو مجاہدین کی صفوں میں کھڑے تھے، لیکن آج ان صفوں میں نظر نہیں آتے۔ جب انہیں تلاش کیا تو دیکھا کہ وہ دنیا کے دیگر دھندوں میں پھنسے ہوئے ہیں۔ ایسا کیوں ہوا؟ اور اس سے کیسے بچا جاسکتا ہے؟ یہ تحریر ان سوالوں کا جواب ہے۔ (ادارہ)

انیسویں وجہ: طاقتوں اور جیت اور ہار کے بدلتے رہنے کی سنت الٰہی کو صحیح طور سے نہ سمجھنا

بعض مسلمان یہ سمجھتے ہیں کہ جنگوں اور معرکوں میں جیت ہمیشہ مومن مسلمانوں کی ہونی چاہیے۔ اور اس کے برعکس ایسے بھی ہیں جو سمجھتے ہیں کہ آج، کل اور ہمیشہ کے لیے مسلمانوں کے لیے ذلت اور مسکینی ہی لکھی ہوئی ہے۔ اور اسلام دوبارہ نہیں قائم ہو سکے گا۔ کہتے ہیں کہ اسرائیل، امریکہ اور ان کے حلیف طاغوت، ہمیشہ کے لیے دنیا کے حکمران ہیں۔ جبکہ ان کے مقابلے میں مسلمانوں کے لیے کہیں بھی جیت نہیں لکھی۔ مسلمان دنیا میں ہر جگہ شکست سے دوچار ہیں۔ اس قسم کا شکست خوردہ شخص یہ بھی کہتا ہے اسلام کا معاملہ تب ہی درست ہو گا جب حضرت عیسی علیہ السلام نازل ہوں گے یا امام مہدی رضی اللہ عنہ ظاہر ہوں گے۔

نہیں میرے مجاہد بھائی! جنگ تو مقابلہ ہے۔ یعنی کہ اس میں کبھی ہار ہوتی ہے کبھی جیت۔ ایک دن کے بدلے دوسرا دن ہوتا ہے۔ اور اللہ سب سے اونچا اور باعزت ہے۔ اور ہم اور دشمن برابر نہیں۔ ہمارے مقتول جنت میں ہیں اور ان کے مقتول دوزخ میں۔

ایسا شکست خوردہ شخص مسلمانوں کے مرتبے کو گراتا ہے۔ ان کی ہمت کو پست کرتا ہے۔ اسرائیل، امریکہ اور ان کے اتحادیوں کی حیثیت کو بہت بڑھا چڑھا کر پیش کرتا ہے۔ مستقبل میں اپنے وہم و گمان اور تصورات کی دلیل کے طور پہ جدید دور کی بعض ان جنگوں کا ذکر کرتا ہے جس میں اسرائیل اور امریکہ جیتے۔ جبکہ جدید دور کے ہی مسلمانوں کی بعض فتوحات کو بھلا دیتا ہے۔ یہ انتہائی بڑی غلطی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اس دنیا میں سنت ہے کہ وہ قوت کے پیمانے کو کبھی باطل کی طرف موڑ دیتا ہے اور کبھی حق کی طرف۔ لیکن آخر کار انجامِ خیر متقین کے لیے ہے۔

مثلاً رسولِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم جنگ بدر جیتے لیکن جنگ احد میں شکست ہوئی۔ پھر بہت سی جنگیں جیتے۔ لیکن آخر کار کامیابی ہمیشہ مومنین کے لیے ہوتی ہے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے کتاب حکیم میں سنت 'تداول' کو بیان کیا ہے۔ [یعنی کہ گردش ایام اور زمانہ کا دور اور پھیر]۔ خاص کر جنگ احد کے بعد کیونکہ احد میں نقصان نے کئی صحابہ رضی اللہ عنہم کی ہمتوں کو متاثر کیا تھا اور بعض کا مورال گر گیا تھا۔ اس لیے اللہ عزوجل نے چاہا کہ انہیں طاقتوں کے بدلنے کی سنت الٰہی بتائے۔ اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو احد کے موقع پر جب انہیں تکلیف پہنچی اور ستر شہید ہوئے فرماتے ہیں:

وَ لَا تَهِنُوْا وَ لَا تَحْزَنُوْا وَ اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ۝اِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ وَ تِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ وَ لِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ يَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ وَ اللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ۝ وَ لِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ يَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ۝(سورۃ آل عمران: ۱۳۹-۱۴۱)

”اور (دیکھو) بے دل نہ ہونا اور نہ کسی طرح کا غم کرنا اگر تم مومن (صادق) ہو تو تم ہی غالب رہو گے۔ اگر تمہیں زخم (شکست) لگا ہے تو ان لوگوں کو بھی ایسا زخم لگ چکا ہے اور یہ دن ہیں کہ ہم ان کو لوگوں میں بدلتے رہتے ہیں اور اس سے یہ بھی مقصود تھا کہ خدا ایمان والوں کو متمیز کر دے اور تم میں سے گواہ بنائے اور خدا بے انصافوں کو پسند نہیں کرتا اور یہ بھی مقصود تھا کہ خدا ایمان والوں کو خالص (مومن) بنا دے اور کافروں کو نابود کر دے۔“

شیخ سلیمان ابو الغیث (فک اللہ اسرہ) فرماتے ہیں:

”جبکہ ہماری جنگ ریاست ہائے امریکہ کے ساتھ نہ ختم ہوئی ہے اور نہ ختم ہو گی۔ کیونکہ ہمارے اور امریکیوں کے درمیان جنگ مفادات اور ذاتیات پر مبنی نہیں۔ بلکہ یہ حق و باطل کی جنگ ہے۔ یہ خیر و شر کا معرکہ ہے۔ امریکہ اس باطل کا سر اور اس شر کا جسم ہے۔ حق و باطل کی جنگ ایک جاری اور باقی جنگ ہے جب تک جہاد فی سبیل اللہ رہے گا یہ جنگ بھی رہے گی۔

اور ہم میں سے ہر کوئی جانتا ہے کہ جہاد تا قیامت جاری رہے گا۔ اگر امریکہ آج اس اتحاد کا سر خیل ہے اور عالمی کفر کا سر ہے تو ہم نہیں جانتے کہ مستقبل میں کون ہو گا۔

ہم اس لیے لڑتے ہیں کہ اللہ سبحانہ وتعالی کا کلمہ بلند رہے۔ ہم اللہ تعالی کے اس فرمان کو پورا کرنے کے لیے تگ ودو، جہاد وقتال کرتے ہیں کہ:

وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ (سورۃ الانفال:۳۹)

”اور دین سب خدا ہی کا ہو جائے۔“

اور شک نہیں کہ دنیا اللہ کی شریعت کے خلاف حکمرانی کرتی ہے۔ اللہ کی شریعت روئے زمین پر کہیں بھی نافذ نہیں[1]۔ جبکہ ہمارا جہاد اور قتال صرف اسی عظیم مقصد کے حصول کے لیے ہے۔ جس کی خاطر ہم اپنی جانوں کی قربانی دینے کو بھی تیار ہیں، ان شاء اللہ۔

جبکہ آپ نے جیسے سوال کیا ہمارے خلاف امریکہ کے حملہ کو کیسے دیکھتے ہیں اور آیا اس نے اپنے اہداف حاصل کر لیے ہیں؟ میں اس نقطہ پر جواب دینے سے پہلے ایک انتہائی اہم بات ذکر کرنا چاہتا ہوں جسے ہر مسلمان کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ خصوصاً اللہ تعالی کی راہ میں جہاد کرنے والوں کو۔ مسلمانوں اور غیر مسلموں کو بھی جاننا چاہیے کہ جنگ ایک مقابلہ ہے۔ کبھی ہار ہوتی ہے کبھی جیت۔ ایک دن ہماری جیت ہو گی تو دوسرے دن ہار۔ یہ دن تو پھرتے رہتے ہیں۔ کسی وقت مسلمان کافروں پر غالب ہوں گے۔ اور کسی وقت کافر مسلمانوں پر۔ اس دنیا میں سنت الٰہی یہی ہے۔ جیسے کہ اللہ سبحانہ وتعالی نے فرمایا:

اِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ

”اگر تمہیں زخم (شکست) لگا ہے تو ان لوگوں کو بھی ایسا زخم لگ چکا ہے اور یہ دن ہیں کہ ہم ان کو لوگوں میں بدلتے رہتے ہیں۔“

پس دن پھرتے رہتے ہیں۔ اللہ تعالی کا اس حکیمانہ الٰہی سنت سے ایک مقصد ہے۔ ہمیں سمجھنا چاہیے کہ جیت ہمیشہ کسی ایک طرف کی نہ ہو گی۔ لیکن ہمیں یقین ہے کہ خاتمہ حتماً مومنوں کے حق میں ہو گا۔

كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ (سورۃ المجادلہ:۲۱)

”خدا کا حکم ناطق ہے کہ میں اور میرے پیغمبر ضرور غالب رہیں گے۔ بے شک خدا زورآور (اور) زبردست ہے۔“

تو جو شخص یہ گمان کرتا ہے کہ یہ راستہ آسان، ہموار اور گل وگلاب سے آراستہ ہے۔ تو اسے غلط فہمی ہوئی ہے۔ اسے چاہیے کہ انبیاء کی سیرت، سیرت نبوی ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی سیرت کا مطالعہ کرے۔ اور ان کی سیرت جو ان کے بعد گزرے۔ ہمیں یہ بخوبی جان لینا چاہیے۔

اور ہم ایک مقابلے میں ناکام رہے جیسے کہ دوسرے لوگ گمان کرتے ہیں۔ تو اللہ تعالی کے فضل سے ہم بہت سے مقابلے جیتے بھی ہیں۔ یعنی کہ اللہ تعالی نے ہمیں اس صدی میں، یا گزشتہ صدی کے آخری چند سالوں اور اس صدی کے آغاز میں فتح بھی نصیب کی ہے۔ ہمیں ایک عظیم اور تاریخی کامیابی ملی جس سے امریکیوں کی کمر ٹوٹی۔ اس دنیا کی سب سے بڑی طاقت کی کمر ٹوٹی۔

اللہ تعالی نے ہمیں نیروبی اور دار السلام میں فتح دی۔ ہمیں عدن میں امریکی بحری بیڑہ ’کول‘ تباہ کرنے میں کامیاب کیا۔ تب ہمیں فتح دی جب دنیا نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ مجاہدین فی سبیل اللہ نے نیویارک اور واشنگٹن میں کیا کیا۔

ہم سمجھتے ہیں کہ ہم ابھی جنگ کے آغاز میں ہیں۔ یہ تو بہت سے معرکوں میں سے ایک معرکہ ہے۔ ہم اب بھی آغاز میں ہیں۔ اگر ہم قتل ہوئے۔ یا ہمیں قید کر لیا گیا۔ یا اللہ کے دشمنوں نے ایک معرکے میں کامیابی حاصل کر لی۔ تو جانیے کہ یہ راستہ بہت لمبا ہے۔ یہ مسلمانوں کا راستہ ہے جس پر انہیں تا قیامت چلنا چاہیے۔

اور آیا امریکی حملے نے اپنے اہداف حاصل کر لیے۔ میرے خیال میں وہ حقیقی اہداف حاصل نہ کر سکا۔ اگر کچھ حاصل کیا بھی ہے تو وہ ہالی وڈ کی ایک فلم کی مانند ہے۔ جس کے ذریعے امریکی ہزاروں بے گناہ افراد کو کچل سکے اور سینکڑوں گاؤں اجاڑ گئے۔ جن کا جنگ میں کوئی گناہ نہ تھا۔

امریکی حملہ، الحمد للہ، تنظیم کو نہ ختم کر سکا۔ تنظیم اب بھی قائم ہے۔ میں مسلمانوں کو خوشخبری دیتا ہوں کہ تنظیم اب تک قائم ہے۔ اور اپنے پورے زور اور صلاحیت کو بروئے کار لا رہی ہے۔ بلکہ پہلے سے زیادہ طاقت، مضبوط ارادے اور جنگ جاری رکھنے اور بے گناہوں کا انتقام لینے پر مصر ہے۔

القاعدہ کی تنظیم کوئی بے جان اور کمزور تنظیم نہیں ہے۔ جیسے کہ بعض گمان کرتے ہیں کہ اسے تباہ کرنا آسان ہے۔ خصوصا کہ ہم جانتے ہیں کہ ہم کس کے ساتھ لڑ رہے ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ پوری دنیا ایک دن ہمارے مقابلے میں کھڑی ہو جائے گی۔ پوری دنیا ہمارا مقابلہ کرے گی۔ اور یہی ہوا۔“

☆☆☆☆☆

[1] شیخ سلیمان ابو غیث (فک اللہ اسرہ) کا یہ قول کہ ’اللہ کی شریعت روئے زمین پر کہیں بھی نافذ نہیں‘ کافی پرانا ہے۔ جبکہ الحمد للہ آج جہاد فی سبیل اللہ ہی کی بدولت افغانستان میں شریعت نافذ ہے اور حدود اللہ جاری ہیں! (ادارہ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

لا إله إلا الله محمد رسول الله

القاعدہ برِّ صغیر

جماعت قاعدة الجهاد برِّ صغير

PR_114_AQS

تاریخ: 12 ذوالحجۃ الحرام 1444ھ بمطابق 30 جون 2023ء

تم ان کی گردنیں مارو یہ قرآں کی نصیحت ہے!

عید الاضحیٰ ۱۴۴۴ھ کے دن سویڈن میں قرآنِ مجید کی بے حرمتی کرنے کی بابت

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على سيد الأنبياء والمرسلين وعلى آله وصحبه ومن تبعهم بإحسان إلى يوم الدين، أما بعد

عید الاضحیٰ ۱۴۴۴ھ کے پہلے دن، سویڈن میں قرآنِ عظیم الشان کو نذرِ آتش کرنے کے عمل کے سبب سبھی اہلِ ایمان کے دل غضب ناک ہیں۔ کلامُ اللہ کو نذرِ آتش کر کے اس کی توہین کرنے والوں کے لیے ذلت ورسوائی دنیا و آخرت کا مقدر ہے۔ ہم یہاں مختصر نقاط کی صورت میں امتِ مسلمہ کے سامنے چند حقائق رکھنا چاہیں گے:

- دنیائے جدید کے 'نیو ورلڈ آرڈر' میں 'آزادیٔ اظہارِ رائے' ایک نہایت باطل اور بودا 'عقیدہ' ہے۔ دنیا شاہد ہے کہ اس عقیدے و عمل کے پرچار کا واحد مقصد من جانب اللہ نازل کردہ کائنات کے واحد سچے دین 'اسلام' کے خلاف ہذیان بکنا اور قولی جنگ برپا کرنا ہے۔
- یہ فعلِ قبیح سویڈن ہی نہیں یورپ و یورپی کوکھ سے پیدا ہونے والے امریکہ کا اصل چہرہ دکھلاتا ہے جس نے بظاہر 'سیکولرازم' کا غازہ اپنے بدنما صلیبی چہرے پر مل رکھا ہے۔ یہ اسی صلیبی جنگ کا جاری سلسلہ ہے جس کا بگل کبھی صدیوں قبل روم کے پوپ بجایا کرتے تھے۔
- قرآنِ عظیم الشان کو نذرِ آتش کرنے کا فعل بد دو عقیدوں کی جنگ ہے۔ ایک طرف توحید، رسالت اور آخرت کا عقیدہ ہے تو دوسری طرف ہر ماسوا کو الہٰ ماننے کا عقیدہ ہے، وہ باطل ادیان و افکار و نظریات ہوں یا اپنی ہی خواہشات و شہوات کو معبود ماننے کا عقیدہ۔ اس جنگ میں کوئی امریکی صلیبی ٹیری جونز اترے یا کوئی آج کا عراقی دہریہ سلوان مومیکا، یہ جنگ پورے عالمِ کفر کی اسلام کے خلاف جنگ ہے۔
- ایسے مردود و قبیح افعال میں براہِ راست شریک اہلِ کفر و زندقہ و الحاد کی گردنیں مارنا شرعاً فرض ہے۔ اور جو حکومتیں اور عالمی ادارے ایسے افعالِ قبیحہ کے حامی و مددگار ہیں ان کے خلاف جہاد و قتال کے میادین میں اترنا شرعاً واجب ہے۔ جو ایسے ملعونوں کی گردنیں مارنے اور ان کے حامی کافر سیکولروں اور صلیبیوں کے خلاف جہاد و قتال کی استطاعت نہ رکھتا ہو، تو ایسے ملعونوں کے قتل اور ان کے خلاف جہاد کرنے کی تحریض و دعوت دینا اس پر واجب ہے۔ جو یہ تحریض و دعوت بھی نہ دے سکے تو اپنے دل میں ایسے جرائم کا تدارک اس جہاد و قتال اور ان ملعونوں کی گردنیں مارنا ہی جانے اور دل سے ایسے ملعونوں کے خلاف بددعا کرے اور ان ملعونوں کے خلاف صف آرا مجاہدین و مبارزین و فدائین کے لیے دعائیں کرے، یہی سب ان قبیح افعال کی سچی مذمت ہے۔

اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ ہمیں اپنے کلام، قرآنِ عظیم الشان کا حقِ حفاظت ادا کرنے والوں میں شامل فرمالے، آمین یاربّ العالمین!

اللهم وفقنا لما تحب وترضى من القول والفعل والنية والهدي إنك على كل شئ قدير

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين وصلى الله تعالى على نبينا الأمين!

ادارہ السحاب، برِّصغیر
As-Sahab Media (The Subcontinent)



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

القاعدہ برِّصغیر

جماعت قاعدة الجهاد برِّ صغير

PR_115_AQS

تاریخ: 13 محرم الحرام 1445ھ بمطابق 30 جولائی 2023ء

'باجوڑ' میں ہونے والا مجرمانہ حملہ

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على سيد الأنبياء والمرسلين وعلى آله وصحبه ومن تبعهم بإحسان إلى يوم الدين، أما بعد

نہایت دکھ اور افسوس کے ساتھ ہمیں یہ خبر موصول ہوئی ہے کہ پاکستان کے قبائلی علاقے 'باجوڑ' میں پاکستان کی مشہور مذہبی سیاسی جماعت 'جمعیت علمائے اسلام' کے ایک جلسے میں دھماکے کے نتیجے میں پچاس سے زائد افراد مظلومانہ طور پر شہید اور دو سو کے قریب زخمی کر دیے گئے ہیں، إنّا للہ وإنّا إلیہ راجعون!

اسی طرح قریباً دو ماہ قبل پاکستان کی ایک اور مذہبی سیاسی جماعت 'جماعتِ اسلامی' کے ایک قافلے پر بلوچستان کے علاقے ژوب میں حملہ کیا گیا تھا جس میں کئی لوگ زخمی ہوئے تھے۔ یہ مجرمانہ، غیر شرعی اور حرام افعال ہیں اور اس طرح کی کارروائیوں میں ماضی میں الجزائر تا پاکستان دشمنِ دین انٹیلی جنس ایجنسیاں ملوث رہی ہیں یا (داعش نما) ایسے خوارج ملوث رہے ہیں جن کا مطمحِ فساد فی الارض ہے۔ ایسی مجرمانہ کارروائیوں کا مقصد مجاہدین اور جہاد فی سبیل اللہ کی مبارک محنت کو بدنام کرنا اور مجاہدین و دیگر اہلِ دین کے مابین اختلافات کے بیج بونے کی کوشش ہے۔ مجاہدینِ اسلام (جن کا تعلق چاہے کسی بھی خطے یا تنظیم و جماعت سے ہو) کے جہاد کے مقاصدِ اساسی میں سے ایک، مسلمانوں بلکہ دنیا بھر کے مظلوموں کی نصرت و اعانت اور ان کے جان، مال اور آبرو کی حفاظت ہے، بے شک ایسے جرائم میں دشمنِ دین انٹیلی جنس ایجنسیاں اور خوارج جیسے گمراہ فرقے ملوث ہیں!

ہم ایسے غیر شرعی افعال کی پر زور مذمت کرتے ہیں اور حالیہ حملے کے نتیجے میں شہید اور زخمی ہونے والے حضرات اور ان کے اہلِ خانہ سے اظہارِ ہمدردی و تعزیت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ زخمیوں کو شفائے کاملہ و عاجلہ و مستمرہ عطا کرے اور ظالموں کو کیفرِ کردار تک پہنچائے۔ اللہ جل جلالہ جہاد و نفاذِ شریعت کی منہجِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق مبنی بر حق دعوت کو مضبوط فرمائے اور پاکستان و برِّصغیر سمیت پورے عالَم میں، خصوصاً امریکہ اور اس کے تابع و غلام مقامی طاغوت نظاموں اور طاغوت حکمرانوں کو ذلیل فرمائے جن کا اقتدارِ حکومتِ کفر و جبر و ظلم ایسے مجرمانہ افعال کا سببِ اصلی ہے، آمین!

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين وصلى الله تعالى على نبينا الأمين!

ادارہ السحاب، برِّصغیر

As-Sahab Media (The Subcontinent)

مولانا عبد الرشید غازی شہیدؒ کا علمائے کرام کی مجلس میں خطاب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بہت سی میٹنگز (meetings) ہوتی رہیں اسلام آباد میں علمائے کرام کی، لیکن حالات کچھ ایسے بن گئے تھے کہ جن کی وجہ سے باقاعدہ نشست کی کوئی ترتیب نہیں بن سکی، اب الحمد للہ پہلے سے حالات کچھ بہتر ہیں، اس لیے خیال ہوا کہ علمائے کرام کی ایک نشست کر لی جائے۔ چونکہ باتیں بہت ساری گردش کر رہی ہیں اور ان باتوں میں بہت عجیب عجیب باتیں بھی ہیں اور ایسی کہ جن کا حقیقت سے دور دور تک واسطہ نہیں ہے، اس لیے اس بات کی ضرورت محسوس کی گئی۔ اگرچہ فرداً فرداً تو بہت سارے حضرات سے بات ہوتی رہی، لیکن باقاعدہ کوئی نشست نہیں ہو سکی۔

یہ جو مساجد کا مسئلہ ہے، یہ کافی عرصے سے چل رہا ہے اور مساجد کے بارے میں ہماری جو میٹنگز ہیں، جب جب مسجدیں گرتی گئیں ہماری میٹنگز ہوتی رہیں، اخبارات میں آتا رہا، اس میں بہت سارے اتار چڑھاؤ بھی آئے اور کئی جگہوں پر ایسے واقعات بھی ہوئے کہ جہاں شدید ٹینشن کی بات ہو گئی تھی۔ مثلاً مسجد الصُفّہ آئی ایٹ تھری (I-8/3) کا جو مسئلہ ہوا تو مجھے یاد ہے کہ وہاں مسجد کو جب گرا رہے تھے انفورسمنٹ (قانون نافذ کرنے) والے تو مجھے ٹیلی فون آیا، میں جامعہ فریدیہ میں تھا، اس وقت کوئی چار لڑکے تھے جو گاڑی میں میرے ساتھ بیٹھ سکے، ان کو لے کر وہاں پہنچا تو میں نے دیکھا کہ انفورسمنٹ کا ایک آدمی ایک بہت بڑا ہتھوڑا لے کے منبرِ رسولؐ کو ہتھوڑے مار رہا ہے۔ وہ کیفیت ایسی تھی کہ، اگرچہ مجھے اس طرح غصہ تو نہیں آتا لیکن اس دن میری کیفیت بھی کچھ تبدیل ہو گئی اور میں نے جاتے ہی، وہاں انفورسمنٹ والے بھی تھے پولیس کے لوگ بھی تھے، میں نے جاتے ہی، جو ہتھوڑا مار رہا تھا منبر پہ، اس کو گریبان سے پکڑ کے کھینچا اور کہا کہ تم یہ کیا کرتے ہو؟ کیا غضب کر رہے ہو؟ کیا ظلم کر رہے ہو؟ اس نے کہا: جی اوپر والوں کا آرڈر ہے۔ میں نے کوئی اس کو سخت بات کہی۔ وہ سخت بات ایسی تھی جو سب کو (سخت) لگی۔ یعنی میں نے کہا کہ اوپر والے اگر تم کو کسی اور کام کا کہیں، اپنی ماں کے ساتھ برے کا کہیں تو تم وہ کرو گے؟ تو یہ بات ان سب حضرات کو بری لگی جو وہاں کھڑے تھے۔ بات بھی سخت تھی لیکن میری چونکہ کیفیت ایسی تھی کہ یہ بات میرے منہ سے نکلی۔

بہر حال وہاں انفورسمنٹ اور پولیس والے آئے؛ میرے پاس اس وقت گن (بندوق) تھی اپنی تو میں نے ان سے کہا کہ میرے سامنے سے، میری نظروں سے دور ہو جائیں ورنہ آج یہاں خون ہو جائے گا۔ بہت سخت غصے کی کیفیت تھی۔ انہوں نے بھی اندازہ کر لیا اور کہا کہ غازی صاحب! آپ تو اس طرح بات نہیں کرتے ہیں، آج کیا ہو گیا ہے آپ کو؟ البتہ میرے غصے سے یہ ہوا کہ سارے انفورسمنٹ والے وہاں سے چلے گئے اور پولیس والوں سے میں نے کہا کہ میری نظروں سے دور ہو جائیں ورنہ یہاں خون ہو جائے گا۔ اگرچہ میرے ساتھ چار لڑکے تھے مگر میرا بس یہ تھا کہ پھر میں گولی چلا دوں گا؛ ایک منبر پہ اور محراب پہ ہتھوڑا چلتے ہوئے میں نہیں دیکھ سکتا۔ بہر حال انہیں یہ بات سمجھ آئی اور انہوں نے فورس بھی پیچھے ہٹالی اور وہ وہاں سے چلے گئے۔ اس دن تو وہ مسجد بچ گئی لیکن بعد میں ایک دن اچانک انہوں نے وہ مسجد گرا دی۔ اسی طرح مسجد ابن عباسؓ کو گرایا گیا، میرا خیال ہے کوئی آج سے چار مہینے پہلے، اور اس مسجد کے اندر قرآن مجید ابھی بھی دفن ہیں۔ بہت سارے نکالے ہیں۔ دو تین حضرات ہمارے علمائے کرام گواہ ہیں کہ نالے میں سے قرآن مجید نکالے ہیں۔ اور انہی دنوں میں میری اس سلسلے میں بات ہوئی تھی ڈپٹی کمشنر سے، ٹیلی فون پہ میری بات ہو رہی تھی تو میں نے انہیں یاد دلایا کہ آپ کو یاد ہے کہ آپ نے یہ کام بھی کیا ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ جی مجھے یاد ہے لیکن ہمیں جلدی تھی، قرآن مجید نکالنے کی (فرصت) ہمیں نہیں تھی کہ ہمیں فوراً کارروائی کرنی ہے ورنہ لوگ پہنچ جائیں گے۔ تو انہوں نے مجھے کہا کہ ہمیں اللہ معاف کرے گا، تو میں نے کہا کہ اللہ نہیں معاف کرے گا، اللہ کیوں معاف کرے گا؟ آپ قرآن مجید کے ساتھ یہ سلوک کریں، مسجد کے ساتھ یہ سلوک کریں اور اللہ تعالیٰ آپ کو معاف کرے گا! اللہ قطعاً معاف نہیں کرے گا۔

اور یہی ہوا کہ ٹینشن بڑھتی جا رہی تھی۔ یہ جو مسجدیں گرتی گئیں، مسجد امیر حمزہؓ...... اگرچہ بہت چھوٹی سی ہے، ایک کمرے کی مسجد تھی، بہر حال بڑی بڑی مسجدیں گریں، زیادتیاں بہت زیادہ ہوئیں، لیکن مسجد امیر حمزہؓ کے بعد طالبات نے ایک قدم اٹھایا، اس کے بعد ٹینشن کی ایک فضا بن گئی۔

اس کے اندر ابتدائی جو بات ہے وہ یہ کہ شروع سے ہی اس میں حکومت نے جو رویہ اختیار کیا وہ ایسا رویہ تھا کہ بس تہس نہس کر دیں گے۔ آپ لوگوں کو تہس نہس کر دیں گے۔ اور شروع سے ہی جب انہوں نے یہ رویہ رکھا تو ابتدا میں انہوں نے ہمارے یہاں کے کچھ حضرات پہ دباؤ ڈالا کے اور ہمارے حضرات نے اپنی طرف سے اچھی ہی (نیت) سے کیا ہو گا، ان کی اس (خیر خواہی) پر ہمیں کچھ شک نہیں ہے، لیکن بہر حال ایک ایسا دباؤ ڈالا گیا کہ اس دباؤ کا جو اثر تھا وہ بار بار مولانا عبد العزیز صاحب پر دباؤ ڈالتے رہے۔ یعنی جو بھی حضرات کی طرف سے کوئی بات آئی تو وہ یہی آئی کہ لائبریری چھوڑ دیں۔ یعنی مسلسل ایک تسلسل کے ساتھ لائبریری لائبریری لائبریری کو تو کہا جاتا رہا، اس میں حکومت کے حضرات تھے، کچھ اس میں اپنے بھی شامل ہو گئے، تھوڑے سے کچھ حضرات، لیکن لائبریری کے اوپر تو زور تھا کہ

لائبریری چھوڑ دی جائے جبکہ مساجد کا ذکر ہی نہیں آرہا تھا۔ اور یہ بات میں نے کئی دفعہ کہی۔ ابھی چند دن پہلے بھی کچھ حضرات آئے تھے میں نے ان سے کہا کہ لائبریری مقدس نہیں ہے، لائبریری کا کوئی تقدس نہیں ہے، مساجد جو ہیں وہ مقدس ہیں، ان کے آداب ہیں احکام ہیں، اس لیے بار بار لائبریری کی بات تو کی جارہی ہے اور مساجد کی بات ہی نہیں کی جارہی، یہ بات اس وجہ سے خراب ہورہی ہے اور مسلسل یہ کہا جارہا ہے کہ ختم کردیں گے، تباہ و برباد کردیں گے۔ یہ سمجھیں کہ بالکل ایسی صورت تھی کہ بش نے مشرف سے کہا کہ تمہیں سٹون ایج (stone age) میں لے جائیں گے، پتھر کے دور میں دھکیل دیے جاؤ گے، ختم کردیے جاؤ گے، تو مشرف نے یوٹرن لے لیا ایک دم۔ ہم سب نے کہا کہ اس کا یوٹرن غلط ہے۔ یعنی طاقت کے سامنے جھکنا غلط ہے۔ اگر اُس کا طاقت کے سامنے جھکنا غلط تھا تو ہمارا طاقت کے سامنے جھکنا کیوں صحیح ہوجائے گا؟ یہ بڑی بنیادی بات ہے۔ بہر حال اس کے اندر ایسی چیزیں ہوئیں کہ، یعنی پریشر آیا، مثلاً مولانا کو، کوئی دوسرا دن تھا، ٹیلی فون آیا، اپنے کچھ ساتھی ڈی سی کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ ”مولانا! ان کی فورسز تیار ہیں، بیس منٹ کے اندر فورسز آرہی ہیں، آپ خالی کرتے ہیں یا نہیں کرتے، آپ ایک بات بتادیں! یہ ہم سے پوچھ رہے ہیں کہ یہ خالی کرتے ہیں یا نہیں کرتے“۔ تو مولانا نے کہا کہ ٹھیک ہے، نہیں کرتے ہیں، آجائیں پھر۔ اگر ایسی بات ہے تو آجایئے۔ لیکن یقیناً انہوں نے نہیں آنا تھا کہ یہ کوئی آسان بات تو نہیں تھی ایسی کہ فورسز آجائیں گی، کوئی مذاق تو نہیں ہے کہ فورسز آجائیں گی۔

بہر حال اس کے بعد ایک تسلسل کے ساتھ دباؤ بڑھتا گیا۔ اس دباؤ کے دوران بہت سارے لوگ آتے رہے۔ اعجاز الحق صاحب بھی تشریف لائے۔ اعجاز الحق صاحب جب پہلے دن آئے تو میں نے ان سے یہی بات کہی کہ دو بنیادی باتیں ہیں: ایک تو یہ کہ الزام نہیں لگانا؛ الزامات کی بات نہیں ہوگی اور دوسری بات یہ کہ دھمکی نہیں ہوگی۔ اگر یہ بات آپ کو قبول ہے تو ہم آگے چلتے ہیں، اگر یہ قبول نہیں ہے تو ہم آگے نہیں چل سکتے۔ دھمکی سے بات نہیں ہوگی۔ انہوں نے کہا کہ یہ بہت مناسب بات ہے۔ پھر چلتے چلتے جب دیکھا کہ کچھ چیز نہیں ہورہی تو انہوں نے مجھ سے پھر یہ کہا کہ ”اگر میں یہاں سے چلا جاؤں گا، بات ختم ہوجائے گی تو پھر ٹرپل ون بریگیڈ آجائے گی“۔ میں نے ان سے کہا کہ ”کیا اس سے پہلے بھی اس قسم کے مسائل ٹرپل ون بریگیڈ نے حل کیے ہیں جو اَب کریں گے؟ کیا پہلے جو یونیورسٹیز کے سٹوڈنٹس نے پتہ نہیں کیا کچھ کیا، انہوں نے عمارتیں جلادیں، بسیں جلادیں اور امریکن ایمبیسی جلادی تھی، جس کے حکومت نے اکّیس (۲۱) کروڑ روپے دیے تھے، اس وقت تو ٹرپل ون بریگیڈ نہیں آئی! تو کیا یہاں کوئی خاص قسم کے سٹوڈنٹس ہیں جن کے ساتھ کوئی معاملہ ہے؟“ انہوں نے کہا کہ بہر حال میں تو آپ سے ایک بات کہہ رہا ہوں، جب میرے ہاتھ سے نکل جائے گی تو پھر انہی کے ہاتھ میں ہوگی، پھر وہ جس طریقے سے کریں۔ مقصد یہ ہے کہ ان کی طرف سے بھی پھر وہی فورس کی بات ہوئی۔ اب اس کے اندر ایک چیز جو ہوئی، یعنی میں اپنا جو تجزیہ کرتا ہوں، میں ایک چیز بالکل واضح کردوں کہ اس میں قطعاً، اس سے ممکن ہے کہ اس سے بعض حضرات تاثر لیں کہ میں کسی بزرگ کے بارے میں کوئی ایسی بات کہنا چاہتا ہوں کہ ہمیں ان پہ کوئی شک ہے یا ان پہ کوئی الزام ہے۔ ایسی بات نہیں ہے؛ آپ حضرات بخوبی جانتے ہیں کہ بہت ساری میٹنگز ہوتی رہیں اور بہت ساری میٹنگز میں بہت کچھ کہا جاتا رہا، یعنی مولانا کے بارے میں بھی، میرے بارے میں بھی، لیکن ہم خاموشی سے سنتے رہے ہیں اور ابھی بھی سن رہے ہیں اور ہم آگے بھی سنیں گے، ہم سے کسی نے بات کی تو ہم نے کہا کہ ٹھیک ہے، اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے، کیونکہ ہر ایک نے اپنا اپنا جواب دینا ہے؛ اصل حساب تو آگے ہوگا نا، یہاں تو کوئی حساب نہیں ہے، آگے حساب ہوگا۔ تو ایک چیز جو اس میں غلط ہوئی جو میں سمجھتا ہوں تجزیہ کرتے ہوئے کہ یہاں ہمارے کچھ حضرات نے اس مسئلے کو اتنا زیادہ ایشو بنایا، حکومت نے تو بنایا ہی، انہوں نے تو بنانا ہی تھا، ان سے اور کیا توقع کی جاسکتی ہے، لیکن ہمارے کچھ حضرات نے ایسا ایشو بنایا کہ اس مسئلے کو وفاق تک لے گئے، وفاق سے پھر آگے بزرگوں تک لے گئے، اس کے بعد بزرگوں کو یہاں تک لے آئے، پہلی مرتبہ جب تشریف لائے تھے۔

اس کے اندر جو میں سمجھتا ہوں، جو ٹیکنیکل غلطی ہوئی وہ یہ ہوئی کہ یہ ایسے ہی ہے جیسے کہ آپ کا کوئی مسئلہ ہو اور میں آپ کے پاس آؤں کسی ایشو پہ اور میں آپ سے کہوں کہ آپ مجھے ثالث مان لیں اور آپ مجھے جواب دے دیں کہ میں آپ کو ثالث نہیں مانتا تو شرعاً اخلاقاً قانوناً مجھے یہ حق نہیں ہے کہ میں اس پہ ناراض بھی ہوں، مجھے ناراض نہیں ہونا چاہیے۔ آپ نہیں مان رہے، آپ کی مرضی ہے۔ لیکن یہاں ایسا ہوا کہ مولانا کے پاس آئے، کافی بحث کے بعد مولانا نے کہا کہ اس مسئلے میں مجھے چھوڑ دیجیے، آپ دعا کیجیے، اللہ تعالیٰ ان شاءاللہ بہتر کریں گے۔ غلطی یہ ہوئی کہ یہاں سے جب حضرات گئے، وہاں جاکر شیرپاؤ کے پاس ایک معاہدہ کرلیا۔ میرے خیال میں ٹیکنیکلی یہ معاہدہ ٹھیک نہیں تھا، اس لیے کہ انہوں نے کہا تھا کہ آپ ہمارے اوپر چھوڑ دیں اور مولانا نے کہا تھا کہ میں نہیں چھوڑتا، اب اس بحث میں میں نہیں پڑتا کہ یہ مولانا نے ٹھیک کیا کہ غلط کیا، لیکن مولانا نے یہ کہا کہ میں آپ کے اوپر نہیں چھوڑتا ہوں، تو ان کو چاہیے تھا کہ وہ وہاں جاکر یہی بات کہتے کہ اس مسئلے کو ابھی کررہے ہیں، ابھی دیکھتے ہیں۔ لیکن وہاں جاکر ایک معاہدہ ہوگیا۔ یہاں سے بات خراب ہونا شروع ہوئی۔ یہ میں صرف تجزیے کے لیے بیان کررہا ہوں۔ یہاں سے بات تھوڑی سی خراب ہوگئی کہ وہاں جاکے معاہدہ کرلیا گیا، وہ معاہدہ ٹیکنیکلی ٹھیک نہیں تھا۔ یعنی جب شرعاً اخلاقاً قانوناً کسی نے تسلیم ہی نہیں کیا، اور اس معاہدے میں ایک اور چیز آگئی، وہ یہ ہوگئی کہ جیسے میں نے عرض کیا کہ لائبریری، یعنی لائبریری کی بات تو پھر کی گئی، اس کے جائز ناجائز کی بات کی گئی لیکن باقی چیزوں کو چھوڑ دیا گیا۔ اتنی مساجد جو تھیں گری ہوئی، وہ ابھی تک گری ہوئی ہیں، ان کی بات نہیں آئی کہ ان کا کیا ہے۔ کم از کم اتنا ہوجاتا کہ وہ تعمیر کردیں، اس کے بعد لائبریری خالی کردی جائے۔ (یہ کہہ دیتے کہ) ہم سمجھتے ہیں کہ یہ طریقۂ کار غلط ہے اور اس دوران تمام مساجد تعمیر کردی جائیں اور

پھر یہ لائبریری دے دی جائے، ہم اس کو یوں سمجھتے ہیں۔ ایسی بات کر لیتے لیکن معاہدہ نہیں کرنا چاہیے تھا میرے خیال میں۔ آپ حضرات زیادہ بہتر جانتے ہیں۔ اس کے بعد پھر اس مسئلے کو اور زیادہ اچھالا گیا، یعنی اتنی زیادہ اس میں چیزیں کی گئیں مولانا عبد العزیز صاحب کے بارے میں کہ مولانا عبد العزیز صاحب نے امام مہدی کی بات کی ہے کہ میں امام مہدی ہوں اور اس کے علاوہ پتہ نہیں کیا کیا چیزیں...... اور بڑی حیرت ہوتی رہی کہ یہ کوئی دوسرے کی زبان سے سنے تو شاید میرا خیال ہے کہ بات سمجھ میں آنے والی ہے لیکن اپنوں کی طرف سے سن کے، چند ایک کی طرف سے سن کے بڑا عجیب لگتا ہے اور افسوس ہوتا ہے، اس پہ افسوس ہی کیا جاتا ہے، تو یہاں سے مسئلہ پھر اور یقیناً خراب ہی ہوتا گیا۔ مولانا عبد العزیز صاحب نے بھی یقیناً اس کو محسوس کیا کہ میرے بارے میں کس طرح کی چیزیں کی جا رہی ہیں۔ پھر اس کے بعد ایک عجیب بات اور بھی سننے میں آئی۔ ابھی پشاور کے چند علما آئے تھے، انہوں نے مجھ سے کہا کہ جی اسلام آباد کے حضرات ہمارے وہاں آئے تھے اور انہوں نے یہ کہا کہ مولانا عبد العزیز صاحب امریکی سی آئی اے کے لیے کام کر رہے ہیں۔ اس سے پہلے میں آپ کو ایک چیز اور بتا دوں کہ میرے پاس جو انٹیلی جنس کے لوگ آتے رہے، بڑے حضرات کہ جی آپ اس میں کچھ کریں، کچھ کردار ادا کریں، انہوں نے مجھے یہ کہا کہ ہمیں اس بات پہ بالکل پوری طرح یقین ہے کہ مولانا عبد العزیز صاحب جو ہیں انہیں القاعدہ نے گرین سگنل دے دیا ہے کہ آپ پاکستان میں کام شروع کریں، ورنہ ایسے کیسے ممکن ہے کہ اتنے بہت سے علما بھی کہہ رہے ہیں، سب کہہ رہے ہیں کہ یہ کام نہیں کرو اور مولانا عبد العزیز صاحب پھر بھی اڑے ہوئے ہیں؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس حکومت کو گرانے کے لیے، مشرف کو گرانے کے لیے، چونکہ امریکہ اب اس کو چھوڑنا چاہتا ہے مشرف کو تو ایجنسیوں کی طرف سے یہ آیا کہ القاعدہ جو ہے وہ اس کو کر رہا ہے، تو علما کی طرف سے آیا کہ سی آئی اے کر رہا ہے، میں نے دونوں حضرات سے اس پر کوئی کمنٹس تو نہیں دیے لیکن جو فرداً فرداً آتے رہے میں نے کہا جی دونوں حضرات ایک بات بھول رہے ہیں، ان کے خیال میں طاقت جو ہے وہ یا القاعدہ کے پاس ہے یا سی آئی اے کے پاس؛ یعنی کسی کی بیک/back (پشت) پر اگر القاعدہ ہو تو وہ کھڑا ہو سکتا ہے تن تنہا یا سی آئی اے ہو، ان دونوں میں سے کوئی ہو تو؛ تو ایک چیز بھول رہے ہیں کہ ایمان کی طاقت پہ بھی تو کوئی کھڑا ہو سکتا ہے! کوئی دیوانہ کھڑا ہو گیا، ایمان کی طاقت سے کھڑا ہو گیا! یہ دونوں طرف بات اس طرح چلتی رہی۔ بہر حال اس کے بعد جو ہے وہ بزرگ حضرات دوبارہ تشریف لائے۔ اعجاز الحق صاحب نے سفر کیا۔ اعجاز الحق صاحب جب یہاں سے چلے گئے، اس کے بعد وہ وہاں تشریف لے گئے...... کراچی۔ کراچی میں میں نے ان سے درخواست کی کہ اعجاز الحق صاحب آپ چند دن کے لیے ٹھہر جائیں، یہاں پہ حالات ایسے بن جائیں تاکہ پھر آپ علما کو لے کر آئیں تاکہ بات کسی اچھی طرف چلی جائے۔ لیکن انہوں نے کہا کہ نہیں میں نے ٹکٹ لے لیے ہیں۔ میں نے کہا کہ ٹکٹ واپس ہو سکتے ہیں، آپ ٹکٹ واپس کر لیں، جیسے ابھی لے لیے ہیں اور آپ نے صبح آنا ہے، اس وقت میری بات ہو رہی ہے اور انہوں نے صبح آنا ہے، میں نے کہا کہ آپ ابھی نہ آئیں تاکہ اس مسئلے کو تھوڑا سا ٹھنڈا کر کے اطمینان سے بیٹھنے کے بعد ہم کریں، لیکن اعجاز الحق صاحب نے میری یہ بات نہیں مانی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پھر بزرگ حضرات تشریف لائے اور پھر جب گئے تو انہوں نے ایک کمیٹی کا اعلان کر دیا۔ اب وہ کمیٹی نے ابھی تک تو کچھ نہیں کیا۔ اس کی وجہ ہمیں نہیں معلوم کہ کیا ہے، لیکن اتنی بات ہے کہ اس کمیٹی کی ایک میٹنگ ہو گئی ہے اور دوسری میٹنگ ایک ہفتے بعد رکھی گئی ہے۔ میں نے اس پر ڈی سی صاحب سے کہا اور جو حضرات آئے میں نے کہا کہ اس کی میٹنگ روزانہ کی بنیاد پر ہونی چاہیے، یہ ایمرجنسی مسئلہ ہے۔ مساجد گری ہوئی ہیں، مساجد جب تک تعمیر نہیں ہوتیں یہ مسئلہ حل نہیں ہو گا۔ اس لیے اگر آپ نے جو کمیٹی بنا دی ہے اس کی روزانہ کی بنیاد پر میٹنگ کریں، یہ تو کوئی مذاق نہیں ہے کہ آپ نے ایک میٹنگ کر لی اور دوسری میٹنگ ایک ہفتے بعد رکھی ہے۔ لیکن اس کی میٹنگ میرے علم کے مطابق ابھی تک نہیں ہوئی۔ اسی طرح مسجد امیر حمزہؓ جو ہے اس کا صرف سنگِ بنیاد ہی ابھی تک رکھا ہے اور اس کے بعد اس پر کچھ نہیں ہوا۔ کہہ رہے ہیں کہ آرکیٹیکٹ اس کا ڈیزائن کرے گا۔ ایک چھوٹے سے کمرے کی مسجد ہے یعنی کوئی ایسی مسجد نہیں ہے جس کے اندر بڑی کوئی تعمیر اور ایسی کوئی چیز اِنوالو/involve (دخیل) ہے اس میں، ایک چھوٹے سے کمرے جتنی مسجد ہے، اس کی تعمیر کرنی ہے، اس کے لیے سی ڈی اے کے اندر پورا آرکیٹیکٹ کا ڈیپارٹمنٹ موجود ہے، وہ اگر چاہیں تو چند گھنٹوں کے اندر ایک چھوٹی سی مسجد کا ڈیزائن بن سکتا ہے، بلکہ ان کے پاس ڈیزائن بنے ہوئے ہوں گے، ان کے پاس آل ریڈی (پہلے سے) بنے ہوئے ہوں گے اور وہ چاہتے تو یہ کر سکتے تھے۔ لیکن چونکہ وہ کرنا نہیں چاہتے اس لیے اس میں وہ لیت و لعل سے کام لے رہے ہیں۔

اس کے اندر ایک اور جو اہم بات وہ یہ کہ مولانا عبد العزیز صاحب کا جو ایک موقف رہا اسلامی نظام کے حوالے سے؛ پہلی بات تو یہ کہ مولانا عبد العزیز صاحب کوئی نئی بات نہیں کر رہے کہ آدمی کہے کہ کوئی بہت نئی چیز آئی ہے، بہت سارے دیگر حضرات بھی یہی بات کر رہے ہیں، یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ لیکن چلیں وہ ایک بات ایک آواز لگا رہے ہیں کہ ایک چیز کے لیے ابھی سفر کر لینا چاہیے، یہ موزوں ٹائم ہے، اس میں اختلافِ رائے ہو سکتا ہے، اس میں کسی کا بھی اختلاف ہو سکتا ہے، لیکن میں ایک چیز، جس پر بار بار زور دیتا رہا، اپنے بزرگوں سے بھی، انتظامیہ کے بھی جو لوگ آتے رہے کہ اللہ کے بندو! آپ کم از کم مساجد کے بارے میں کوئی ٹھوس چیز لے کے آجاؤ، کم از کم یہ سات مساجد تو کسی بھی طرح کھڑی ہونی چاہییں، چاہے لائبریری ہے نہیں ہے، لائبریری کو چھوڑتے ہیں نہیں چھوڑتے ہیں، اس پر تو کسی کا اختلاف نہیں ہے کہ یہ سات مساجد، اللہ کے گھر، گرے ہوئے ہیں، ابھی بھی اس وقت بھی گرے ہوئے ہیں، ان کا تقدس پامال ہو رہا ہے، کم از کم اگر یہ کر کے لے آؤ تو میں سمجھتا ہوں کہ مسئلہ تقریباً پچاس فیصد سے زیادہ حل ہو جائے گا۔ لیکن بار بار جب بھی بات آئی کہ جی لائبریری کا قبضہ چھوڑ دیں۔ سب حضرات اس ایک ہی بات پہ زور دیتے رہے کہ آپ لائبریری کا قبضہ

چھوڑ دیں اور ایک ایسی کیفیت بنائے رکھی کہ بس ختم ہو جائیں گے۔ ہمارے حضرات جتنے بھی ہیں سب نے، اصل میں جو پریشر تھانا، یہ بالکل جیسے ۲۰۰۴ء میں میرے اوپر جب (الزام) لگا تھا، آپ حضرات کو یاد ہو گا، اس وقت بھی ایک مسئلہ ایسا ہی بنا تھا بہت شدید قسم کا، اس میں بھی اختلافِ رائے آیا تھا، بہت سارے ہمارے حضرات کا خیال تھا، مجھے کہہ رہے تھے کہ آپ گرفتاری دے دیں، مجھے اس وقت بہت سارے حضرات نے کہا کہ آپ گرفتاری دے دیں باقی ہم جانیں اور کچھ بھی نہیں ہو گا ٹھیک ہو جائے گا یہ مسئلہ۔ میں نے کہا کہ جی میں سمجھتا ہوں کہ گرفتاری نہ دی جائے۔ یہ اختلاف تھا اور میں نے گرفتاری نہیں دی اور الحمدللہ اس کا اثر ہوا۔ ورنہ گرفتاری دے دیتا تو وہ کہتے کہ انہوں نے قبول کر لیا ہے اور ان کے کمپیوٹر سے ساری چیزیں نقشے بھی بر آمد ہو گئے ہیں، ان کے لیے کون سا مشکل کام ہے، جھوٹ کا تو ان کے پاس ایک بہت بڑا ذخیرہ ہے کہ حکومت جھوٹ بولنے میں تو بہت ماہر ہے۔ تو مجھے اس وقت بہت سارے حضرات یہ کہتے رہے کہ آپ گرفتاری دے دیں، میں نے نہیں دی، تو یہ کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس پہ کہ ناراضگی کی جائے، نہ اس وقت ناراضگی کرنی چاہیے تھی، لیکن الحمدللہ جب مسئلہ ٹھیک ہو گیا تو سب حضرات نے خوشی کا اظہار کیا کہ الحمدللہ مسئلہ کسی ٹھیک کنارے لگ گیا۔ اب اس کے اندر بھی اگر کوئی اختلافِ رائے ہے، مولانا کے ساتھ، تو اپنے اختلافِ رائے کا یہ مقصد نہیں ہے کہ اس کے اوپر ایک بات کا بتنگڑ بناتے جائیں اور اس کے اندر چیزیں ایسی ایسی add (جمع) کرتے جائیں کہ جن کا سرے سے وجود ہی نہیں ہے۔ مولانا کے بارے میں ایسی ایسی باتیں کہ جی اسلحہ آگیا ہے اور کئی نے یہ کہا کہ یہ اصل میں مولانا صاحب جو ہیں پاکستان کے سارے مدارس کو تباہ کرنا چاہتے ہیں۔ ایجنسیوں کے ہاتھ لگ گئے ہیں اور وہ اب تمام مدارس کو تباہ کرنا چاہتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ الحمدللہ آپ حضرات اچھی طرح جانتے ہیں، حضرت والد صاحب کی زندگی آپ کے سامنے ہے، ہماری زندگی آپ کے سامنے ہے۔ ایسی بات نہیں ہے کہ مواقع نہیں آئے کہ جب ہم بِک سکتے تھے اور بڑی اچھی قیمت لگ سکتی تھی، بہت کچھ مل سکتا تھا، اتنا کچھ مل سکتا تھا جو کسی کو بھی نہیں مل سکتا، یعنی ایسے مواقع آئے لیکن الحمدللہ، اللہ کے فضل سے ہم سمجھتے ہیں کہ ایک کاز/cause (مقصد) کے لیے کام کر رہے ہیں، حضرت والد صاحب کی شہادت کے بعد آپ کو پتہ ہے کہ میں جو ایک دوسری طرف تھا، اسی طرف لگ گیا، اس وقت سے اب تک میری زندگی بھی آپ کے سامنے ہے، مولانا کی زندگی تو تعلیمی دور سے لے کر ساری ہی آپ کے سامنے ہے۔ ایسی بات نہیں ہے کہ بلاوجہ کسی کے بارے میں اس طرح کی رائے اور ایسی چیز دینا اور پھر میٹنگز کے اندر برملا اس چیز کا کہنا، میرا خیال ہے کہ ہمارے شایانِ شان نہیں ہے۔ ہمارے حضرات جو ہیں، ہم مطلب ہے کہ باہر درس گاہ سے نکلیں اور جوتیاں سیدھی ہمیں ملیں...... ہمارا ایک مزاج بن گیا ہے کہ ہم دھکا نہیں کھانا چاہتے، ہم یہ نہیں چاہتے، (کہ) ٹینشن ہو، تو میں کہا کرتا ہوں کہ اگر اس طرح ٹھنڈی ٹھنڈی دین کی خدمت کروانی ہوتی...... تو اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی ہی خدمت کروائی ہوتی اور صحابہ کرام سے ایسی ٹھنڈی ٹھنڈی خدمت کروائی ہوتی، لیکن ہم

دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور صحابہ کرام کو ایسے مراحل سے گزارا کہ جن کے اندر مشکلات بھی ہیں، جس کے اندر ٹینشن بھی ہے۔ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ٹینشن نہیں ہوتی تھی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم راتوں کو روتے کیوں تھے؟ مسائل کی وجہ سے، حالات کی وجہ سے کہ یہ کیسے ہو گا؟ کیسے ہم کریں گے؟ جہاد کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تو خون مبارک بھی بہا، دانت مبارک شہید ہوئے؛ ہم میں سے کتنوں کو ابھی پتھر لگے ہیں؟ ہم پتھر کھانے کو بھی تیار نہیں ہیں۔ ہم تو کہتے ہیں کہ دھکا بھی نہ پڑے۔ کوئی ہمیں اوئے بھی نہ کہے...... ہمیں کوئی اوئے بھی نہ کہے اور ہماری ایک ریسپیکٹ/respect (احترام) ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تو مجنون بھی کہا گیا، کیا کچھ کہا گیا نعوذ باللہ، لیکن ہماری ایک نفسیات بن گئی ہے کہ ہم کہتے ہیں کہ ہم ایک روٹین میں جو لائف (زندگی) ہے ناں ہماری...... یہ تو ایک عام آدمی کی سوچ ہے، عام دکان دار کی سوچ ہے، ملازمت کرنے والے جو لوگ ہیں، عام آدمی، یہ تو اس کی سوچ ہے کہ میری روٹین ڈسٹرب نہ ہو، میں اپنی روٹین میں رہوں۔ ہمیں تو میرا خیال ہے کہ ہر طرح کے اس (قربانی) کے لیے تیار رہنا چاہیے، ٹینشن کے لیے ہمیں تیار رہنا چاہیے، ساری چیزوں کے لیے ہمیں تیار رہنا چاہیے اور ہمیں اتنی جلدی سرنڈر (surrender) نہیں کر دینا چاہیے۔ یہ میں تھوڑا سا صرف مثال کے لیے عرض کروں گا کہ اس دوران میں کہ یہ بات چل رہی تھی۔ ایک ہفتہ ہوا تھا میرا خیال ہے، ایک ہفتے بعد میری کچھ حضرات کے ساتھ میٹنگ تھی۔ میں نے ان سے کہا کہ آپ جائیں ایک مسوّدہ ان سے لے کر آئیں کہ وہ کیا دے سکتے ہیں ہمیں۔ وہ حضرات گئے، وہاں سے واپس آئے اور میں نے ان سے کہا تھا کہ دستخط نہیں کرنے۔ وہ دستخط کر کے آگئے۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت! دستخط کیوں کیے؟ تو انہوں نے کہا کہ وہ کہہ رہے ہیں کہ چند گھنٹوں کی بات ہے بس۔ اگر آپ ویسے چلے گئے تو یہاں کچھ ہو جائے گا۔ یعنی اتنی ٹینشن دے دی۔ تو میں نے کہا کہ چند گھنٹوں کی بات ہے تو ان سے کہہ دیں کہ کر لیں پھر۔ اس لیے کہ یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے، یہ اتنا آسان نہیں ہے اس طریقے سے یہاں پہ کر لینا، دارالحکومت کے اندر اور پھر جو یہاں پہ صورتِ حال بنی وہ آپ حضرات کے سامنے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بڑا کرم کیا، دعائیں ہیں آپ حضرات کی اور ہمارے سب کی یعنی کاوشیں ہیں، اس لیے ہمیں اتنی جلدی بیک (پیچھے) نہیں ہو جانا چاہیے، گھبرانا نہیں چاہیے۔ وقت آتا ہے، اوپر نیچے کبھی چیزیں ہوتی رہتی ہیں، اس میں ہمیں ثابت قدمی کا مظاہرہ کرنا چاہیے اور دوسرا یہ کہ اعتماد کرنا چاہیے۔ اتنی جلدی ہم ایجنسیوں کا بنا دیتے ہیں ناں کہ...... اور سچی بات یہ ہے کہ مولوی سب سے پہلے ایجنسی کا بناتے ہیں۔ کسی کے بارے میں کچھ نہیں ہے ناں تو کہتے ہیں کہ وہ ایجنسی کا ہے۔ یہ عجیب بات ہے اللہ کے بندو! یہ کوئی مذاق ہے؟ کوئی کہتا ہے کہ اس کے لیے کام کر رہے ہیں کوئی اس کے لیے، کوئی کہتا ہے کہ جی مشرف کو مضبوط کرنے کے لیے وہ ایجنسیاں، یہ بھی آئی بات کہ وہ ایجنسیاں جو مشرف کو مضبوط کرنا چاہتی ہیں وہ مولانا صاحب کو استعمال کر رہی ہیں تاکہ یہ حالات بنیں اور مشرف دنیا کو، امریکہ کو یہ دکھا سکے کہ دیکھو یہ یہاں پہ بھی fundamentalists موجود ہیں، یہ اس طرح کے مدارس ہیں مجھے

مشکل میں ڈال رہے ہیں، تم مجھے سپورٹ کرو، میری مدد کرو ورنہ تو ابھی اٹھنے والے ہیں یہ لوگ۔ یعنی اب یہ ایک تیسری بات۔ یعنی ایک القاعدہ، ایک سی آئی اے اور ایک یہ۔ تو اس طرح یعنی یہ کوئی مذاق نہیں ہے کہ اس کو اس طرح کا مذاق بنا دیا جائے۔ ہمیں بڑا سوچ سمجھ کے، ایک تو یہ کہ ہمیں سسٹم کو سمجھنا چاہیے کہ سسٹم کیا ہے، سسٹم کیسے کام کرتا ہے۔ ہم نے سمجھا ہوا ہے کہ یہ سسٹم بس ایسے ہی چل رہا ہے۔ یہ سسٹم ہے باقاعدہ ایک چیز چل رہی ہے اور اس کے اندر ایک ترتیب ہے، ایسے ہی کوئی ایجنسیوں کا اگر ہونے لگے تو سارے کے سارے جو ہیں وہ ایجنسیوں کے ہیں۔ ہم تو ایک ایجنسی کے ہیں وہ اللہ کی ایجنسی جو ہے ناں اس کے ہیں ہم سارے کے سارے۔ تو یہ چند باتیں تھیں......

☆☆☆☆☆

بقیہ: سورۃ الانفال

تو یہ پانچ صفات ان آیات میں بتائی گئیں ایک مومن کی جن میں پہلے تین صفات بتائی گئیں اس کے اعمال قلب سے متعلق۔ اس کا اللہ کا خوف کرنا اور اللہ کے احکامات کے سامنے رک جانا، قرآن پہ تدبر کرنا، توکل کرنا اور دو صفات اس کی ظاہری اور عملی بتائی گئیں، اعمالِ بدن بتائے گئے، یعنی نماز قائم کرنا اور اللہ کے رستے میں خرچ کرنا۔

جو اپنے اندر یہ صفات پیدا کرلے تو اللہ فرماتے ہیں:

﴿اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ﴾

"یہی حقیقی مومن ہیں"، لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ "ان کے لیے ان کے رب کے پاس درجات ہیں (یا اونچے مقامات ہیں)"، وَمَغْفِرَةٌ "اور اللہ کے ہاں مغفرت ہے"، وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ "اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ہاں پاکیزہ یا معزز رزق ہے جو ان کا انتظار کر رہا ہے۔"

تو یہ وہ صفات ہیں جو ہر مسلمان کو اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے اور چونکہ آیات غزوہ بدر کے پس منظر میں اتر رہی ہیں تو اس لیے یہ وہ صفات ہیں جو ہر مجاہد کو بالخصوص اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان باتوں پر اور ان آیات مبارکہ کے مفہوم پر عمل کرنے کی ہمیں توفیق نصیب فرمائیں۔

سبحانك اللهم وبحمدك نشهد أن لا إله إلا أنت نستغفرك ونتوب إليك
وصلى الله على النبي

بقیہ: اجنبی کل اور آج

آج سے نو سو سال پہلے پوپ اربن دوم کی صلیبی جنگوں کی اپیل پر ایک سو نوے سال تک یورپیوں نے مسلمانوں کا خون بہایا اور ایک "بدباطن" قوم کو مٹانے کا "مقدس فریضہ" سرانجام دیا۔ مسلمانوں کا مقابلہ اس وقت ایک سیدھی سادھی عیسائیت سے تھا۔ لیکن آج اکیسویں صدی کی صلیبی جنگ اس اعتبار سے مختلف ہے کہ حملہ آور یہ دعویٰ لے کر اٹھا ہے کہ جس قوم کو ہم عسکری شکست دینا چاہتے ہیں وہ ہماری تہذیب سے پہلے ہی ذہنی شکست کھا چکی ہے اور مسئلہ صرف ایک انتہا پسند طبقے کا ہے جو ہماری تہذیبی بالادستی تسلیم کرنے کو تیار نہیں، جو قرآن و سنّت کی ان تشریحات کو قبول کرتا ہے جو چودہ سو سال سے تواتر کے ساتھ منقول چلی آرہی ہیں۔ یہ طبقہ مستشرقین (اور مستغربین) کی متجدّدانہ افکار اور رائے پرستوں کی توجیہات کے مقابلے میں اہلِ سنّت والجماعت کا نہج چھوڑنے پر تیار نہیں، جب کہ باقی مسلم دنیا کا ایک قابلِ ذکر حصہ (ان کے خیال میں) اور اس کے نمائندے، ہمارے ہی بنائے ہوئے اصولوں مثلاً اقوام متحدہ کے دستور، جنیوا کنونشن اور حقوقِ انسانی کے چارٹر وغیرہ (جو ظاہر ہے کہ سراسر کفریات ہیں) کی بنیاد پر، ہم سے مکالمہ کرنے اور اپنے لیے گنجائشیں لینے کے لیے تیار ہیں۔ اس طرح وہ یہ اعتماد بھی حاصل کر پائے ہیں کہ یہ قوم اپنے اقتصادی منصوبوں کے لیے ہمارے عالمی معاشی ڈھانچوں پر انحصار کرتی ہے، ہماری تہذیبی برتری اور ہمارے امن، آزادی، مساوات، ترقی، فلاح وغیرہ کے تصورات کو قبول کرچکی ہے۔

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

☆☆☆☆☆

اک ذرا جاں سے گزر جانے کی ہمت کر جا

اپنے باطن کے چمن زار کو رجعت کر جا
دیکھ اب بھی روشِ دہر سے وحشت کر جا

سر کٹایا نہیں جاتا ہے تو کٹ جاتا ہے
بات اتنی ہے کہ اس کام میں سبقت کر جا

جاں سے آگے بھی بہت روشنیاں ہیں خورشیدؔ
اک ذرا جاں سے گزر جانے کی ہمت کر جا

خورشید رضوی

تحریک لال مسجد کیا تھی اور آج اِسے کیا ہونا چاہیے؟

تحریکِ لال مسجد کی خدمت میں چند گزارشات

ابو عمر عبد الرحمٰن

لال مسجد تحریک سے ہمیں محبت ہے، اس کی محبت و عقیدت ہر مجاہد کے دل و روح میں بستی ہے۔ عظیم کرداروں کے عظیم ایمانی مواقف اور ان مواقف کی خاطر پیش کی گئی اُن کی عظیم قربانیوں کا صرف تصور ہی ہمارے ایمانی جذبات کو جِلا بخشتا ہے۔ یہ تحریک وقت کی ضرورت تھی، یہ شریعت کے تقاضے پر کھڑی، شریعت ہی کی حاکمیت قائم کرنے کی ایک مؤثر پکار تھی۔ مسلمانانِ پاکستان کو اٹھانے، انہیں حقیقت و سراب کے درمیان تمیز کرانے اور بالخصوص اہل دین کو خوابِ غفلت سے جھنجوڑ کر بیدار کرنے کے لیے ضروری تھا کہ ایسی ایک تحریک اٹھے جو صدق و وفا کی پیکر ہو، جو گفتار ہی نہیں اپنے کردار اور خون تک سے بھی راہِ حق کے حق ہونے کی گواہی دے اور ساتھ یہ بھی واضح کر دے کہ ہمارا یہ پاکستان اسلام کا قلعہ ابھی نہیں بنا، بلکہ اس وطنِ عزیز کے تمام تر وسائل الٹا اسلام اور اہل اسلام ہی کے خلاف استعمال کیے جا رہے ہیں۔ اس تحریک نے ایک ایسے وقت میں منکر کو ببانگ دہل منکر کہا، اس کے خلاف 'نہی عن المنکر' کا فریضہ انجام دیا اور اس کے خلاف عزیمت و قربانی کی داستان بن کر کھڑی ہوئی جب منکر اور معروف میں فرق مٹتا جا رہا تھا، اور تو اور خود اہل دین کی طرف سے بھی بدترین منکر، یعنی غیر اللہ کی حاکمیت پر قائم نظام کے ساتھ مفاہمت اور معاونت کا رشتہ قائم ہو رہا تھا۔ جب خود داعیانِ دین کے ہاں بھی حمایت و مخالفت کی کسوٹی دین نہیں بلکہ محض دین داروں کا مفاد بن رہا تھا اور جب اسلام کے خلاف یہاں بپا جنگ اہل دین کے اٹھنے اور اٹھانے پر کسی بھی طور پر منتج نہیں ہو رہی تھی، عین اِس ماحول میں مولانا عبد الرشید غازی اپنے نیک سیرت طلباء اور پاک دامن طالبات کے ساتھ کھڑے ہوئے، انہوں نے اسلام کے حق میں اس قاتل خاموشی کو 'شریعت یا شہادت' کے نعروں سے توڑا اور دینِ اسلام کی مصلحت پر دیگر تمام مصالح کو قربان کرنے کا درس دیا۔ یہ ایسا وقت تھا کہ جب دین داروں کو اسمبلیوں میں نشستیں دلا کر 'مصروف' کر دیا گیا تھا، اہلِ مدارس کے حقوق کی حفاظت کے لیے جاری ان کی تحریک کو بھی اطمینان دلایا گیا تھا کہ مدارس نہیں چھیڑے جائیں گے[1]۔ دوسری طرف ساتھ ہی دینِ اسلام اور ملتِ پاکستان پر وہ عظیم ڈاکہ ڈالا جا رہا تھا کہ جس کی نظیر گزشتہ تاریخ میں کہیں نہیں ملتی۔ داخلی اور خارجی تمام تر دین دشمن طاقتیں متحد اور متفق ہو کر وطن عزیز کو اسلام اور اہل اسلام کے خلاف جنگ کا مرکز بنا رہی تھیں اور اُن تمام اقدار و روایات کو جڑوں سے اکھاڑا جا رہا تھا جو مسلمانانِ پاکستان کو بطورِ قوم عزت و عظمت اور فوز و فلاح جیسی نعمتیں دلا سکتی تھیں۔ ایک طرف تو ریاستی سرپرستی میں یہ ساری جنگ بڑے دھڑلے کے ساتھ جاری تھی تو دوسری طرف اہل دین کی طرف سے دین کے تحفظ اور شریعت کی پاسداری کے لیے دور دور تک بھی کوئی حرکت و تحریک دکھائی نہیں دیتی تھی۔ نتیجتاً دین دشمن نشے میں مست و مدہوش ہو کر اسلام کے خلاف جنگ میں بے خطر آگے بڑھ رہے تھے۔ جہاں تک عوام کا معاملہ ہے تو انہیں بھی خاموش کرایا گیا تھا۔ ان کے دل سے بھی اس احساس کو مٹایا جا رہا تھا کہ ایک مسلمان کے لیے قیمتی ترین شے اور اول و آخر اس کا دین ہے، یہ دین اگر محفوظ ہو، معاشرے میں اگر یہ غالب ہو تو اُسے پر سکون ہونا چاہیے، اس لیے کہ اس سے اس کی دنیا و آخرت کی کامیابی ممکن ہو جاتی ہے، لیکن اگر یہ دین مغلوب ہو، شریعت کی قدم قدم پر پامالی ہو رہی ہو اور معاشرے سے عزت و عفت کے ہر نشان کو مٹایا جا رہا ہو تو پھر ایک مومن کبھی بھی چین سے نہیں بیٹھ سکتا، بلکہ طوفانِ باطل کے سامنے دیوار بن کر کھڑا ہونا ہی پھر وہ زندگی کا مقصد اول سمجھتا ہے۔

مولانا عبد الرشید غازی شہید رحمہ اللہ نے حق و باطل کا یہ گڈ مڈ ہونا اور اس کے نتیجے میں باطل و ظلم کا وطن عزیز پر غلبہ پانا برداشت نہیں کیا۔ آپ نے اپنا جسم کٹوا کر باطل کے غلیظ چہرے پر

[1] مدارس کا تحفظ مطلوب ہے لیکن ظاہر ہے یہ تحفظ اسلام کے تحفظ کا ذریعہ ہے نہ کہ یہ خود مقصود بالذات ہے۔ اب اگر اربابِ اقتدار تحفظِ مدارس کی قیمت پر اہل مدارس کو اپنے باطل کی تائید میں کھڑا کر رہے ہوں اور ان سے ان کا فریضہ 'امر بالمعروف اور نہی عن المنکر چھین رہے ہوں تو ایسے میں یہ مدارس کا تحفظ کیوں کر ہو سکتا ہے؟ مدارس کا تو کام ہی علوم دینیہ کا احیا و غلبہ ہے، لیکن مدارس کو 'نہ چھیڑنے' کا عندیہ اگر مشروط کیا جا رہا ہو کہ الاسلام یَعلو ولا یُعلی (اسلام غالب ہو گا مغلوب نہیں!) کا درس نہیں دیا جائے گا، اسلام دشمن نظام کی حمایت و تائید اور اسی کی ہی اطاعت و خدمت ہو گی، جبکہ جہاد و مجاہدین کی مذمت ہو گی تو یہ درحقیقت مدارس کا (محض) وجود قائم چھوڑ کر انہیں ان کی اصل روح سے محروم کرنا ہے۔ یہ فی الاصل اسلام اور مدارس دونوں کو مغلوب و محکوم رکھنے کا ایسا سودا ہو گا جو بالآخر مدارس ہی کی ویرانی پر منتج ہو گا۔ مصر کے اندر اسلام اور اہل اسلام کی شوکت توڑنے اور وہاں یہود نواز طبقات کو غالب کرنے کے لیے جو اقدامات اٹھائے گئے تھے ان میں سے ایک اہم قدم جامعہ ازہر کو کفر و اسلام کی جنگ میں اسلام ہی کے خلاف استعمال کرنے کا منصوبہ تھا۔ جامعہ ازہر جب اس سازش کا مقابلہ نہیں کر سکی تو دنیا نے دیکھ لیا کہ آج اس کا وجود تو ہے مگر یہ بے روح ہے، اور اس کی وہ قیادت و سیادت مکمل طور پر ختم ہو کر رہ گئی ہے جو اس کی پہچان تھی۔ برِّ صغیر کے پہلے باقاعدہ مدرسے 'دار العلوم دیوبند' کا مقصدِ تاسیس بھی حفاظت و حمایتِ اسلام تھا۔ یہ بات شرعاً، عقلاً، تاریخاً معلوم و ظاہر ہے کہ حفاظتِ اسلام جہاد فی سبیل اللہ کے بدون ممکن نہیں اسی لیے دار العلوم دیوبند کے اولین طالبِ علم حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ نے فرمایا 'مدرسہ میرے سامنے قائم ہوا، جہاں تک میں جانتا ہوں ۱۸۵۷ء کے ہنگامے کی ناکامی کے بعد (جب شریعت نافذ نہ رہی) یہ ارادہ کیا گیا کہ کوئی ایسا مرکز قائم کیا جائے، جس کے زیرِ اثر لوگوں کو تیار کیا جائے تا کہ ۱۸۵۷ء کی ناکامی کی تلافی کی جا سکے!' (احاطۂ دار العلوم دیوبند میں بیتے ہوئے دن، از مولانا مناظر احسن گیلانی، ص ۱۷۰)۔ نیز مولانا سیّد ابو الحسن علی ندوی نے ایک جگہ لکھا ہے کہ 'دار العلوم دیوبند دراصل ایک چھاؤنی تھی'۔ پس مدارس کا دفاع ہم اپنی جانوں سے بھی زیادہ مقدم سمجھتے ہیں، لیکن ساتھ ہی اس کے برابر اہم یہ بھی سمجھتے ہیں کہ یہ اپنے اصل مقام و مقصد سے بھی محروم نہ ہوں، کیونکہ خدانخواستہ اگر ایسا نہ ہوا تو ہمیں اس میں کوئی شبہ نہیں ہونا چاہیے کہ مدارس بھی محفوظ نہیں رہیں گے۔

چڑھا نقاب اتار دیا اور یہ ثابت کر دیا کہ جس فوج کو اسلامی کہا جاتا ہے، وہی اسلام و شریعت کی باغی، عوام کی دشمن اور دشمنانِ دین خصوصاً امریکہ کی زر خرید غلام ہے۔ غازی شہیدؒ کے پاکیزہ خون نے بتادیا کہ اس فوج کی تربیت ہی کچھ ایسی ہوئی ہے کہ یہ تنخواہ، پلاٹ اور ترقی ہی کو بس اپنا خدا سمجھتی ہے اور اس کی پرستش میں ہر گھٹیا کام کرنا قابل فخر گردانتی ہے۔ پاکستان کہ جس کو 'اسلامی ریاست' اور اس کے حکمرانوں کو 'شرعی اولوالامر' ثابت کیا جاتا تھا، شہدائے لال مسجد کے فاسفورس سے جلے جسموں اور قرآن کے پھٹے اوراق نے ثابت کیا کہ یہ سب جھوٹ کا پلندہ ہے، اس کا نظام مکمل طور پر دجل و نفاق پر کھڑا ہے اور اس میں شریعت کا محض مطالبہ بھی ایسا جرم عظیم ہے کہ جس کی سزا میں مسجد و مدرسہ اور ماؤں بہنوں تک کی حرمت بھی باقی نہیں رہتی۔

غازی شہید رحمہ اللہ کے ساتھ طلباء و طالبات چونکہ نہتے تھے، اس لیے آخری حد تک آپ نے ٹکراؤ سے گریز کیا، مگر جب نظر آیا کہ فوج طاقت و کبر کے نشے میں مست ہے اور دین دشمنی ان کے انگ انگ سے ظاہر ہو رہی ہے تو آپ ڈٹ گئے اور آپ کا یہ ڈٹنا بے مقصد نہیں تھا، ایک عظیم خواب اور اعلیٰ مقصد کو آپ نے اپنی آنکھوں میں سجایا۔

وہ مقصد کیا تھا کہ جس کی خاطر آپ اور آپ کے ساتھیوں نے نہتے ہو کر بھی فوج کے مقابل کھڑا ہونا قبول کیا؟ کیا آپ رحمہ اللہ کو فتح یاب ہونے کا گمان تھا کہ اس طرح چند سو یا چند ہزار نہتے طلباء و طالبات کے ساتھ جب وہ کھڑے ہوں گے تو لاکھوں کی مسلح فوج پر غلبہ پالیں گے؟ کیا آپ کا یہ خیال تھا کہ اس طرح کے احتجاج سے وہ پاکستان میں شریعت نافذ کر دیں گے؟ یا انہیں یہ خوش گمانی تھی کہ فوجی حکمران ان کے مطالبات قبول کر لیں گے اور یہ خائن جرنیل امت کے حق میں اپنے تمام تر جرائم سے توبہ تائب ہو جائیں گے؟ نہیں! ایسا بالکل نہیں تھا۔ نہ انہیں کمزور اور نہتے چھوٹے سے لشکر کے ساتھ فوج کو شکست دینے کی خوش فہمی تھی اور نہ ہی اس فوج کے متعلق انہیں یہ گمان تھا کہ یہ ان کے شرعی مطالبات تسلیم کر لے گی۔ جہاں تک شریعت کے نفاذ کا تعلق ہے، تو یہ ان پر بھی واضح تھا کہ دریں حالات ایسا ہونا ناممکن ہے...... پھر آپ رحمہ اللہ کے سامنے ٹکراؤ کا مقصد کیا تھا؟ حاصل کیا کرنا تھا؟ کس امید کی خاطر آپ نے اپنی اور سیکڑوں ساتھیوں کی قربانی دے دی؟ جواب واضح ہے۔ آپؒ کو امید تھی کہ قربانی دے کر یہاں اربابِ اقتدار کی یہ دین دشمنی واضح ہو جائے گی، جس نظام کو اسلامی دکھانے کی آج تک کوشش ہوتی رہی، اس کے کفر، ظلم اور دجل پر مبنی ہونے میں پھر کوئی شک و شبہ باقی نہیں رہے گا۔ جب مسلط طبقات کا یہ قبیح اور منحوس چہرہ عام عوام کے سامنے بھی کھلے گا تو داعیانِ دین و علمائے کرام کے لیے اس باطل کے خلاف تحریک اٹھانا سہل ہو جائے گا، عوام کو سمجھانا اور انہیں نصرت دین کے لیے شاملِ قافلہ کرنا مشکل نہیں رہے گا اور بالآخر وہ وقت بھی آجائے گا کہ جب کفر و ظلم کے ایوانوں کے چراغ گُل ہو جائیں گے اور جہادی ضربوں سے یہ نظامِ ظلم زمین بوس ہو جائے گا۔

غازی رشید رحمہ اللہ کا مقصد قربانی دے کر حق و باطل کے درمیان تمیز کی لکیر کھینچنا تھا، عدل و ظلم، خیر و شر اور دوست و دشمن قوتوں کے بیچ فرق دکھانا آپ کا ہدف تھا؛ اور تمیز کی یہ لکیر کھنچ گئی، حق و باطل میں تفریق قائم ہو گئی اور غازی شہیدؒ کا ہدف الحمد للہ حاصل ہو گیا۔ تحریکِ دعوت و جہاد کو غازی شہید رحمہ اللہ کی قربانی کی صورت میں ایسی واضح دلیل ہاتھ آگئی کہ جو ہر عام و خاص کو یکساں طور پر سمجھ آرہی تھی اور یہ ایسا واقعہ بن گیا کہ جس کے مقابل نظام کا دجل و فریب سب بے کار ثابت ہوا۔ اس کے بعد کوئی ایک بھی ایسا انصاف پسند فرد نہیں رہا کہ جس نے نظامِ پاکستان کے باطل ہونے اور اس کی فوج کے دشمنانِ دین و ملت کا آلۂ کار ہونے کی تصدیق نہ کی ہو۔

غازی شہید رحمہ اللہ ایک مرحلہ سر کر چکے ہیں، اس مرحلے میں یقیناً آپ نہتے تھے، آپ کے ساتھ شہسوار بھی ایسے نہیں تھے کہ جن سے میدان جنگ میں جنگیں لڑی جاتی ہیں، طالبات بہنیں جس آزمائش سے گزریں، اس آزمائش سے انہیں گزارنا غازی شہید رحمہ اللہ کی بھی خواہش نہیں تھی، ایسی آزمائشوں سے ماؤں بہنوں کو بچانا ہی دعوت و جہاد کا مقصد ہوا کرتا ہے؛ مگر ظالم جرنیلوں کی بے رحمی اور دین دشمنی تھی کہ یہ سفاک مناظر بھی امت کو دیکھنے پڑے۔ اس سانحے سے اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ نے جو خیر برآمد کرنی تھی، وہ الحمد للہ برآمد ہوئی اور پوری دنیا میں واضح ہوا کہ کون حق پہ ہے اور کون باطل پر۔

اس کے بعد پھر دوسرا مرحلہ شروع ہوتا ہے۔ یہ مرحلہ سر کرنا اب یہاں کے علمائے کرام اور تحریکِ دعوت و جہاد کے داعیانِ کرام اور مجاہدین کے ذمے تھا۔ یہ مرحلہ اس باطل نظام کے مقابل مطالبات و احتجاجات کا نہیں، بلکہ اس کو ختم کرنے کے لیے زیادہ سے زیادہ اہل ایمان کو متحد کرنے اور شریکِ قافلہ کرنے کا مرحلہ ہے۔ اس کا تقاضا ہے کہ تحریکِ جہاد کی دعوت اور اس کے مبادی کو لوگوں کے دلوں میں اتارا جائے اور انہیں نظامِ باطل کے خلاف ایک منظم تحریک کی صورت میں صف آرا کیا جائے۔

نظامِ مملکت کا کفر و ظلم واضح کرنا ایک ہدف ہے اور اس نظام کو گرانے کے لیے تحریکِ دعوت و جہاد کھڑی کرنا دوسرا ہدف ہے۔ ایک مقصد کے حصول کے لیے بعض ایسے طریقے بھی استعمال ہو جاتے ہیں جن کا بار بار استعمال مفید نہیں رہتا اور جو دوسرے مقصد یعنی نظام کفر گرانے اور شرعی نظام کھڑا کرنے کی مہم کے لیے اگر استعمال ہوں تو اس سے الٹا نقصان ہوتا ہے۔ نہتے طلباء و طالبات کے ساتھ اٹھ کر شریعت کا مطالبہ کرنا اور اس کے بدلے میں دشمن کی طرف سے جب خلافِ توقع طاقت کا استعمال ہوا تو صبر و استقامت کے پہاڑ بن کر کھڑا ہو جانا ایسا اقدام تھا کہ جس سے نظام، فوج اور حکمرانوں کا دین دشمن ہونا ثابت ہوا اور غازی شہید رحمہ اللہ کے موقف کو تقویت ملی۔ مگر اب خاص اسی طریقۂ کار پر دوام اختیار کرنا اور اسے نظامِ باطل کے محافظین کو شکست دینے کے لیے بھی استعمال کرنا کسی بھی طور مناسب نہیں ہے۔ بہنوں کی پہلی قربانی سے جتنا فائدہ تحریکِ جہاد کی دعوت کو ملنا تھا وہ مل گیا، اب ایک دفعہ

پھر نہتا اور کمزور بن کر اجتماعی طور پر قربانی دے دینا اور وہ بھی ماؤں بہنوں کی قربانی...... دعوتِ جہاد کے لیے کسی بھی طور پر مثبت نہیں ہوگا اور خدشہ ہے کہ اس سے دعوتِ جہاد کو الٹا نقصان ہوگا۔

پھر لال مسجد سانحہ کے بعد کا عرصہ و مرحلہ چونکہ اس سے پہلے جیسا نہیں، اس لیے اس میں شریعت کے خلاف جنگ لڑنے والوں سے نفاذِ شریعت کا مطالبہ کرنا بھی بالکل بے جا ہے۔ ظاہر ہے جن مجرمین کو **قوت واقتدار سے جدا کرنے کے لیے شریعت جہاد و قتال کو فرض قرار دیتی ہے، ایسوں سے نفاذِ شریعت کا مطالبہ کرنا خود اپنے اس مطالبے ہی کی تضحیک ہے۔ لہٰذا آج کے اس مرحلے کا تقاضا ہے کہ ان حکمرانوں/جرنیلوں سے نفاذِ شریعت کا مطالبہ نہ کیا جائے، بلکہ اس کے برعکس عوام میں اتر کر دعوت و جہاد کی ایسی تحریک شروع کی جائے جو نظامِ باطل کے خلاف قوت و تعداد جمع کرے، جس کی قیادت علماء و مجاہدین اور صلحاء و مخلصین کے ہاتھوں میں ہو اور جو نفاذِ شریعت کی منزل تک پہنچنے کے لیے اِتباعِ شریعت ہی کو اپنا واحد راستہ قرار دیتی ہو۔**

ایسی تحریک کا مقصد چونکہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر، اعداد و تیاری اور جہاد و قتال کے ذریعے غلبۂ دین اور نفاذِ شریعت ہوتا ہے، اس لیے یہ ایک مدلل دعوت، سوز و حکمت، نظم وضبط اور صبر واستقامت کا تقاضا بھی کرتی ہے۔ پھر یہ تحریک تب ہی اٹھ سکتی ہے جب نہتا اور کمزور ہونے کی صورت میں خود سے ہر ایسے ٹکراؤ سے اجتناب ہو کہ جس کے سبب عوام و خواص کو اس تحریک کی حکمتِ عملی اور فہمِ دین و جہاد پر انگلی اٹھانے کا موقع ملے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فرض بھی یہ نبھائے مگر اس کے لیے ضروری ہو کہ اس عبادت کے اصول و آداب کا دھیان رکھا جائے اور اس کے طریقِ کار میں دعوتِ دین و جہاد کے مصالح و مفاسد کا بھی بھرپور خیال کیا جائے۔ 'کل' اگر نہتے ہونے کے باوجود دشمن کی طرف سے ٹکراؤ کو قبول کیا گیا اور ہمارے بھائی بہنوں نے قربانی دے کر نظام کے ظلم و کفر کا پردہ چاک کر دیا تو 'آج' ضروری ہے کہ اس نظام کے خلاف دعوت و جہاد کی تحریک کھڑی کی جائے، نیکی کا حکم اور برائی سے منع کرنے کا فریضہ بھی نبھایا جائے، مگر ساتھ ہی اس کا بھی بھرپور اہتمام ہو کہ ایسے ہر طرح کے ٹکراؤ سے خود سے بچا جائے کہ جس کے سبب دشمن کو بہنوں کے خلاف جارحیت کا موقع ملے اور خدانخواستہ وہ ٹکراؤ کل دعوتِ جہاد کو فائدہ دینے کی بجائے نقصان کا باعث ہو۔

۲۰۰۷ء میں ہمارے بھائی بہنوں کو شہید کر کے دشمن نے مادی فتح کا جھنڈا تو لہرا دیا تھا مگر دلیل اور اخلاق کے میدان میں اس نے بہت بری طرح منہ کی کھائی تھی، عوامی رائے اور جذبات شہدائے لال مسجد کے حق میں رہے، ان کا موقف اور اخلاص قابلِ تقلید سمجھا گیا، نتیجتاً فوج کے ہاتھوں بہایا گیا وہ پاکیزہ خون فوج ہی کے لیے بہت مہنگا ثابت ہوا۔ آج بھی تحریک لال مسجد جاری ہے، مگر کل کی نسبت آج دشمن کی حکمتِ عملی مختلف ہے۔ آپ فوج اور حکومتی اہلکاروں کے بیانات دیکھیے، میڈیا اور سوشل میڈیا میں لال مسجد کے حق میں اور خلاف پروپیگنڈہ دیکھیے، اپنے آپ کو غیر جانب دار دکھانے والے صحافیوں کی اس موضوع پر دستاویزی فلمیں بھی ملاحظہ ہوں، خود لال مسجد سے جاری شدہ بیانات کو کس اسلوب اور پیرائے میں پیش کیا جاتا ہے...... یہ ساری مہم واضح کرتی ہے کہ اب کی بار لال مسجد تحریک کو دلیل واخلاق کے میدان میں گرانے کی کوشش ہو رہی ہے۔ آج اس تحریک کو دلیل وحجت اور بصیرت و فراست سے عاری دکھانے کی ایسی سعی ہو رہی ہے کہ جس سے اس کا حق بجانب ہونا مبہم ٹھہرے اور اخلاق کے میدان میں اِس کی برتری بالکل ختم ہو جائے۔ کوشش ہے کہ علم و فہم کے ہتھیار سے یہ تحریک مسلح نظر نہ آئے بلکہ نری جذباتیت اور عجلت پسندی اس کے اوپر غالب دکھادی جائے، اس طرح ایسی خطائیں اس سے کروائی جائیں کہ جس کے نتیجے میں عوام و اہلِ دین کی تائید سے یہ بالکل محروم ہو جائے۔ قرائن سے نظر یہی آ رہا ہے کہ پہلے اس تحریک کو عبث اور غیر معاملہ فہم ثابت کرنے کی کوشش ہو رہی ہے اور اس کے بعد پھر (خاکم بدہن، اللہ نہ کرے) ان پر ہاتھ ڈالا جائے گا اور حال ہی میں مولانا عبد العزیز غازی (حفظہ اللہ) پر قاتلانہ حملہ اس کی ایک نظیر ہے۔ ایسا اگر خدانخواستہ ہونے دیا گیا اور ابھی سے ہم نے اپنے کمزور پہلوؤں پر توجہ نہیں دی تو یہ ایک درجے میں ماضی کے حاصل کردہ ثمرات کو بھی ضائع کرنے کے مترادف ہوگا۔ کل عسکری طور پر مغلوبیت کا سامنا ہوا، سب شہید ہوگئے مگر اس کے باوجود ہمارا موقف حق بجانب نظر آیا، اور یہی وہ وجہ تھی کہ جس سے دشمن کا نقصان اور تحریکِ جہاد کا فائدہ ہوا، مگر آج دشمن کی تمام تر کوشش کا ہدف لال مسجد کے ہمارے ان پیاروں کو دوسرے انداز میں زیر کرنا ہے اور ایسا ہونا زیادہ خطرناک ہے۔ لہٰذا تمام تر جدوجہد و قربانی کے بعد بھی اگر ہم دلیل اور بہتر حکمتِ عملی سے مسلح نظر نہیں آئے تو خدشہ ہے کہ جس جدوجہد سے تحریکِ دعوت و جہاد کو تقویت دینا مطلوب تھا، اُس سے الٹا نقصان ہو جائے گا اور یوں اچھی نیت اور قربانی کے باوجود بھی نظامِ باطل کو نقصان کی جگہ (خدانخواستہ) فائدہ ملے گا۔

یہاں ایک وضاحت اور تنبیہ کرنا بھی ضروری ہے، لال مسجد کی آج کی یہ تحریک بھی بالاصل امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور دعوت الی الجہاد کی تحریک ہے۔ یہ شر کے مقابل خیر اور ظلم کے خلاف عدل کی دعوت والی ہے۔ دین دشمنوں کی آنکھوں میں کھٹکتی یہ تحریک اہلِ دین اور ہم مجاہدین کے سروں کی تاج اور امیدوں کا ایک محور ہے، لہٰذا حکمتِ عملی میں اختلاف واتفاق کی بحث کو ایک طرف رکھتے ہوئے اس حقیقت کا اعلان بھی ضروری ہے کہ ہم مجاہدین بہر صورت اپنے ان احباب، مشائخ اور بھائی بہنوں کی تائید کرتے ہیں۔ کل بھی ہم اس تحریک کے ساتھ تھے، آج بھی ہیں اور آئندہ اگر خدانخواستہ پھر ہمارے بھائی بہنوں پر ہاتھ ڈالا گیا تو ہم پھر سے سروں پر کفن باندھ کر، جسموں کے ساتھ بم باندھ کر بہنوں اور بھائیوں کے انتقام میں شریعت کی دشمن اس فوج کے ساتھ ٹکرانے نکلیں گے۔ لہٰذا ہماری ان سطور کے سبب کسی غلط فہمی کا کوئی شکار نہ ہو، ہماری حمایت و تائید اور مخالفت وعداوت کا قاعدہ ہمیں اللہ کی شریعت سمجھاتی ہے اور اس قاعدے کے تحت کسی تحریک سے حکمتِ عملی کے میدان میں لاکھ خطائیں

سرزد ہوں، وہ واضح خطاؤں کی بھی اگر مرتکب ہو، لیکن اگر بالاصل وہ غلبۂ دین کی تحریک ہو تو دشمنان دین کے خلاف اس کی حمایت و دفاع ہم اپنا فریضہ سمجھتے ہیں۔ لہٰذا تحریک لال مسجد کی تائید و دفاع اور اس کی تقویت کے لیے سعی و فکر ہمارے جہاد کا حصہ ہے۔ اس تحریک کے ساتھ ایمانی رشتہ ہی ہے کہ یہ ہمارے دلوں میں بستی ہے اور جو کچھ اس تحریر میں ہم عرض کررہے ہیں، اس کا سبب بھی اس تحریک کی خیر خواہی و محبت ہے۔ ہماری خواہش و دعا ہے کہ اللہ اس تحریک کے قائدین اور طلباء و طالبات کی مدد و نصرت فرمائے، اللہ مولانا عبد العزیز غازی صاحب (حفظہ اللہ) کو دنیا و آخرت کی عزت دے، ان کی عزت و مقبولیت میں اضافہ فرمائے اور اللہ رب العزت ان کے سوز، دعوت اور درد کو سات آسمانوں میں محبوبیت عطا کرے۔ مولانا ہمارے والد کی جگہ ہیں، ہم اپنے آپ کو ان کے قدموں کی خاک کے برابر سمجھتے ہیں، وہ ہمارے محبوب ہیں، لہٰذا ان سطور کے لکھنے کا مقصد بھی اپنے والد کی تائید و نصرت، ان کی مشکلات کو آسان کرنا اور ان کی مبارک تحریک کو مزید مؤثر بنانا ہے، نہ کہ ان کی قدر و منزلت پر خدانخواستہ کوئی حرف لانا، حاشا و کلا!

اللہ ہم سب کی خیر و صلاح کی طرف رہنمائی فرمائے، ضروری نہیں ہے کہ ہم ہی مکمل طور پر حق بجانب ہوں مگر جو امور اپنی اس مبارک تحریک (لال مسجد) کی تقویت کے لیے ہم مجاہدین مفید اور ضروری سمجھتے ہیں، انہیں تحریک کے تمام احباب تک پہنچانا ہمارے اوپر قرض ہے۔ لہٰذا ذیل میں چند مختصر نکات کی صورت میں اپنی گزارشات اپنے بزرگوں، بھائیوں اور بہنوں کی خدمت میں یہاں عرض کرتے ہیں:

۱. پاکستان میں رائج نظام باطل اور نفاذِ شریعت دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس نظام کے اندر رہتے ہوئے حکمرانوں سے نفاذِ شریعت کا مطالبہ خود ہماری دعوت کو بھی ناقابل فہم بناتا ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ یہاں مسلط طبقات کے آگے احتجاج کرنے یا نفاذِ شریعت کا مطالبہ رکھنے کی بجائے عام عوام میں اترا جائے اور ان کے اندر دعوت و جہاد کی تحریک کھڑی کرنے کی سعی ہو۔

۲. وطنِ عزیز میں شرعی نظام صرف وہ تحریک ہی قائم کر سکتی ہے جس کے افراد مخلصین و صالحین اور شریعت کے تابع مجاہدین ہوں۔ ایسے افراد کی معاشرے میں تلاش ہو اور ان کی تیاری پر ہی توجہ کا بڑا حصہ مبذول ہو۔ اس مقصد کے لیے خفیہ اور علانیہ انداز میں دعوتی نظام وضع ہو اور پھر ساتھ ہی ایسے افراد کے لیے یہاں تزکیہ و تربیت اور اعداد و تیاری کا بھی مؤثر نظام قائم ہو۔

۳. دعوت و تربیت کے لیے باکردار اور باصلاحیت داعیانِ کرام اور مربی حضرات کو تیار کرنا انتہائی ضروری ہے۔ ایسے اصحابِ علم کی تیاری اولین ترجیح ہونی چاہیے اور ملک بھر میں ایسے تربیت یافتہ افراد کا جال بچھانے سے ہی دعوت و تحریک کو وسعت و تقویت ملے گی۔

۴. دنیا سے محبت، نفس پرستی، جمہوریت، سیکولرازم، عالمی کفری نظام، وطن پرستی اور گروہی و جماعتی تعصبات...... نصرتِ دین کے راستے کی بڑی رکاوٹیں ہیں۔ مذکورہ بالا داعیانِ کرام کو ان موضوعات پر مدلل اور مؤثر انداز میں مرتب شدہ مواد دینا چاہیے۔ اسی طرح فکرِ آخرت، للّٰہیت و خوف خدا، تمام معاملات میں شریعت کی پیروی، جذبۂ جہاد، دوستی و دشمنی کا شرعی معیار، نظام کفر کے خلاف شرعی جد وجہد (یعنی دعوت، اعداد اور پھر قتال) کی اہمیت و ضرورت جیسے نکات کو یہ مدرسین حضرات اپنے دوراتِ شرعیہ کے مستقل موضوعات رکھیں۔

۵. نظام کفر کے ہر ہر پہلو اور جاہلیتِ جدیدہ کی ہر ہر صورت پر علمائے امت اور قائدین جہاد کی رہنمائی میں کتب و بیانات کا ایک بڑا ذخیرہ الحمدللہ تیار ہو چکا ہے، دعوت و تربیت میں اس ذخیرے سے استفادہ کیا جائے اور اسے زیادہ سے زیادہ پھیلانے کی سعی ہو۔

۶. نظام باطل کے ساتھ تعامل کا موضوع ہم اہل دین کے ہاں بھی افراط و تفریط کا شکار رہا ہے، ایک طرف ایسی سوچ ہے جو دین دشمن حکمرانوں کو شرعی اولوالامر ثابت کرتی ہے اور جہاد تک کو ان طواغیت کی اجازت کا پابند کرتی ہے تو دوسری انتہا پر جہاد سے اپنے آپ کو منسوب کرنے والی ایسی فکر بھی ہے جو نظام کے خلاف تو قتال کی داعی ہے مگر ساتھ ہی یہ خونِ مسلم اور تکفیر و تفسیق کے معاملے میں ایسے خود ساختہ مبنی بر ھویٰ اصول رکھتی ہے کہ جن کے سبب جہاد اور دعوتِ جہاد ہی کا ہمیشہ نقصان ہوا ہے۔ غرض یہ حساس موضوع ہے اور ضروری ہے کہ اس میں صرف ایسے اہل علم کی پیروی ہو جو تقویٰ و فہمِ سلیم کے حامل اور اُصولِ اہل السنۃ والجماعۃ کے پابند ہوں اور جن کے علم و فہم پر تحریکِ جہاد میں اعتماد کیا جارہا ہو۔

۷. جہاں تک خواتین و طالبات کا معاملہ ہے تو انہیں دعوتِ دین و جہاد کی خدمت میں شریک کرنا چاہیے، ان کی ضرورت ہے، مگر ہماری درخواست ہے کہ انہیں کسی بھی احتجاجی اور جارحانہ عمل میں شامل نہ کیا جائے، ایسا کرنے سے دشمن کو بہنوں کے خلاف کارروائی کا موقع ملتا ہے[1]۔ خواتین کا اصل میدانِ کار ان کے گھر اور خواتین کا داخلی حلقہ ہے، یہاں یہ خواتین میں دینی بیداری پیدا کریں اور ایسی نسلیں پروان چڑھائیں کہ جن کے اندر تک نظام باطل کی نفرت اور اس کے خلاف جد وجہد کی خُورَچی بسی ہوئی ہو۔

---

[1] مقصد یہ نہیں کہ اس غرض کے لیے اپنی دعوت و تحریک میں ایسی تبدیلی بھی لائی جائے جو شرعاً جائز نہ ہو، مدعا یہ ہے کہ دعوت و جہاد کے بنیادی اصولوں پر کاربند رہا جائے مگر عملی میدان میں بہنوں کی طرف سے ایسی جارحانہ سرگرمیاں بالکل نہ ہوں کہ جو دین دشمنوں کو بہنوں پر ہاتھ ڈالنے کا موقع فراہم کر رہی ہوں، باقی اس اہتمام کے باوجود بھی خدانخواستہ آزمائش آتی ہے تو یہ اللہ کی طرف سے ہوگی اور اس میں پھر ثابت قدم رہنے سے ہی ان شاء اللہ اپنی نجات اور تحریک کا فائدہ ہوگا۔

۸.	اپنے کارکنان کو دشمن کی نظروں سے محفوظ کرنے کی سعی ہو تاکہ وہ دعوت و تحریک میں فعال کردار ادا کر سکیں۔ نہتے اور کمزور ہونے کی صورت میں دشمن ہمیں ختم کرنے کی کوشش کر رہا ہے، لہٰذا ایسے حال میں ہماری سعی ہو کہ اپنے ساتھیوں کو ان کے شر سے بچائیں اور عمل و مزاحمت کے میدانوں کے لیے انہیں محفوظ کر لیں۔

۹.	منکرات روکنے کی کوشش ہو مگر اس سے متعلق پہلی گزارش یہ ہے کہ نہی عن المنکر کے اصول و آداب کا بھرپور خیال ہو اور دوسرا یہ کہ اس میں ایسا اسلوب اور طریقہ استعمال نہ ہو جو الٹا ہمارا حق بجانب ہونا عام عوام کی نظر میں مبہم بنادے اور ان کے لیے ہماری دعوت و موقف ناقابل فہم ہو جائے۔

۱۰.	ہماری دعوت و تحریک حق پر مبنی ہے اور اس کا یہ حق ہونا کسی اندھے جذبے کے تحت ہم نہیں کہہ رہے ہیں، بلکہ صدقِ دل، عقل و فہم اور بصیرت کے ساتھ ہمیں اپنی دعوت کے حق ہونے اور نظامِ باطل کے مبنی بر فساد ہونے کا یقین ہے۔ پس ہماری دعوت و تحریک میں بھی ہمارا یہ مبنی بر حق ہونا نظر آنا چاہیے اور ہر ایسی بات و اسلوب سے ہمیں گریز کرنا چاہیے کہ جس سے ہماری تحریک دلیل سے عاری اور نری جذباتیت سے مغلوب نظر آئے۔

۱۱.	جمہوری سیاست میں شامل اہل دین کو مباہلہ کی دعوت دینا ہماری دعوت و تحریک کو کوئی فائدہ نہیں دیتا۔ اسی طرح ان حضرات سے خطاب میں تکفیر یا طعن و تشنیع کی زبان بھی خود ہمارے لیے اور ہماری دعوت کے لیے مضر ہے۔ دعوت کا نبوی اصول نرمی ہے، اس لیے حکمت، وعظ اور دل کو موہ لینے والے مجادلہ کے ذریعہ انہیں ان کی خامیوں کی نشاندہی ہو۔ اگر ان جماعتوں پر نقد میں دعوت کے شرعی اسلوب کا خیال رکھا جائے تو ایک تو یہ ہمارے لیے باعثِ اجر ہو گا اور دوسرا یہ کہ ان سمیت دیگر سننے دیکھنے والوں پر مثبت اثر ہو گا۔

۱۲.	ہر ہر موضوع پر اہل دین کے ساتھ اختلاف سے ہم گریز کریں اور صرف نظام کفر اور دعوتِ جہاد سے متعلق امور کو ہی ہم زیر بحث لائیں۔

۱۳.	مین سٹریم میڈیا میں زیادہ تر افراد نظام باطل کے نظریاتی سپاہی ہیں یا دوسری صورت میں اس ظالم نظام کے اجرتی نوکر ہیں۔ یہ افراد اہل دین کو بلاتے ہی اس لیے ہیں کہ ان کی دعوت و موقف کو کمزور اور کھوکھلا دکھا دیں۔ اکثر اوقات داعیٔ دین کو بات کرنے کا موقع ہی نہیں دیتے اور ایسے سوالات میں اُسے پھنساتے ہیں کہ جس سے الٹا داعی کا موقف مبہم اور کمزور ثابت ہو۔ یہی وجہ ہے کہ اس میڈیا کے ذریعے دعوتِ دین کو بہت کم ہی کبھی فائدہ ہوا ہے۔ پس گزارش ہے کہ اس میڈیا میں آنے سے گریز ہو اور دعوت کے لیے بس اپنے ہی ذرائع اور وسائل پر انحصار ہو۔

۱۴.	کسی میڈیا چینل یا صحافی کا سامنا اگر کرنا ہو تو اس کے لیے بھرپور تیاری ہو، اور بہتر ہو گا کہ یہ خدمت صرف وہ حضرات ہی انجام دیں جنہیں مخالف موقف پر رد کرنے کا ملکہ ہو۔

۱۵.	آپ کی طرف سے ہم مجاہدین کے ہر ہر قدم اور ہر ہر قول و موقف کا دفاع نہ ہو۔ جائز و ناجائز اور دعوت کے لیے مفید و مضر ہی وہ کسوٹی ہے جس سے اہل جہاد سے منسوب تمام اقدامات کا پہلے جائزہ ہو اور اس کے بعد ہی پھر حمایت یا مخالفت ہو۔ جہاد و مجاہدین کی اگر عمومی حمایت و تائید ہو جبکہ ساتھ ہی جہاد سے منسوب خطاؤں پر آپ کی طرف سے تنقید بھی ہو، تو اس سے خود آپ کی دعوت نقصان سے بچے گی اور تحریکِ جہاد کا بھی ان شاء اللہ فائدہ ہو گا۔

۱۶.	ہمارے پڑوس کشمیر میں ہندوستان کے خلاف جہاد مسلمانان پاکستان پر فرض ہے۔ افسوس کہ پاکستانی جرنیلوں نے پہلے اس جہاد کو یرغمال بنایا، پھر اس کی مدد و تعاون روک کر اس کی پیٹھ میں چھرا گھونپا اور آخر میں آج اس کے دروازے پوری امت مسلمہ پر بند کر دیے ہیں اور مسلمانان کشمیر کو مشرکین کے رحم و کرم پر چھوڑا ہے۔ دعوت میں اس عظیم خیانت کو واضح کرنا چاہیے اور کشمیر و برصغیر میں موجود ایسے مجاہدین کی نصرت پر عوام کو ابھارنا چاہیے کہ جو خالص غلبۂ دین اور مظلوموں کی نصرت کے لیے جہاد کے داعی ہوں اور جو ظالم مشرکین کے خلاف غزوۂ ہند کو بپا کرنا اپنا ہدف سمجھتے ہوں۔

۱۷.	پاکستان میں اصل اقتدار فوج کا رہا ہے اور فوج کی ہائی کمان عالمی طاغوتِ اکبر امریکہ ہی کے اشاروں پر چلتی ہے۔ پوری دنیا میں عالمی کفری نظام میں سانپ کے سر کی مانند امریکہ اور اس کے ورلڈ آرڈر کے خلاف دعوت ہمارے بنیادی نقاط میں شامل ہو۔

یہ وہ چند گزارشات ہیں جنہیں تحریک لال مسجد کے اپنے محبوبین کی خدمت میں پیش کرنا ہم نے ضروری سمجھا۔ ہمارے نزدیک یہی ایسی حکمت عملی ہے کہ جس سے لال مسجد کی تحریک نفاذِ شریعت کی اس جدوجہد میں بہترین انداز میں اپنا حصہ ڈال سکتی ہے۔ یہاں اپنی یہ گزرشات اس دعا پر ختم کرتا ہوں کہ اللہ لال مسجد کی تحریک کو ہمیشہ کی طرح مومنین و مجاہدین کے دلوں کی ٹھنڈک رکھے، اس کے قائدین و کارکنان سے دین متین کی نصرت کی عظیم خدمت لے اور اللہ رب العزت قدم قدم پر انہیں اپنی رہنمائی سے نوازے اور ان کی حفاظت فرمائے، آمین یا ربّ العالمین!

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین!

☆☆☆☆☆

وانا آپریشن کے بارے میں پاکستان کے علماء کا متفقہ فتویٰ

یہ وہ تاریخی فتویٰ ہے جو کئی فوجیوں کو ایمان کی طرف لانے کا باعث بنا اور یہ فتویٰ آج بھی پاک فوج، خفیہ اداروں اور پولیس و دیگر سکیورٹی اداروں سے وابستہ اہلکاروں کے لیے 'ہدایت' اور 'ایمان' کا سامان رکھتا ہے۔ یہ فتویٰ راہِ فکر و عمل ہے ان کلمہ گو سکیورٹی اہلکاروں کے لیے جو دل سے اپنی زندگی کا مقصد 'ایمان، تقویٰ اور جہاد فی سبیل اللہ' کو سمجھتے ہیں۔ خصوصاً آج جب ایک بار پھر پاک فوج کے جرنیلوں نے اسلام اور مسلمانوں کا سودا کرتے ہوئے مجاہدینِ اسلام خصوصاً تحریکِ طالبان پاکستان کے مجاہدین کے خلاف 'آپریشن آل آوٹ' برپا کر رکھا ہے تو اس فتوے کی اہمیت مزید بڑھ جاتی ہے، بلکہ افواجِ پاکستان کے اس آپریشن کا شرعی حکم بھی اسی فتوے کی روشنی میں سمجھا جا سکتا ہے۔

یہ فتویٰ پاک فوج، فضائیہ اور بحریہ و انٹیلی جنس اداروں کے 'مسلمان' فوجیوں کے لیے 'اللہ' یا 'شیطان' کی بندگی اور 'جنت' یا 'جہنم' کا راستہ واضح کر رہا۔ ایک 'لا الہ الا اللہ' پڑھنے والے اور 'محمد رسول اللہ' کے عشق کا دم بھرنے والے سپاہی کے لیے پہلا آرڈر اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا آرڈر ہے اور پہلا حلف نامہ 'شریعتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم' کا اقرار ہے۔ پس خوش نصیب ہیں وہ سکیورٹی اہلکار، اور دنیا و آخرت کی کامیابیاں ہیں ان افسروں اور جوانوں کے لیے جنھوں نے وطن کی حفاظت کی تو ایمان و اسلام کے لیے اور جنھوں نے سرحدوں پر پہرے دے کر اپنے آپ کو تھکایا تو ایمان و اسلام کے لیے! (ادارہ)

سوال

"کیا فرماتے ہیں علمائے کرام و مفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ امریکہ کے شدید دباؤ کی وجہ سے پاکستان کے فوجی وانا میں مجاہدین اور دیگر عوام کے خلاف دہشت گردی ختم کرنے کے نام پر آپریشن کر رہے ہیں اور مزاحمت کرنے والے معصوم مسلمانوں کو گرفتار اور قتل کر رہے ہیں۔ دریں حالات علمائے کرام درج ذیل سوالات کے جوابات قرآن و سنت کی روشنی میں عنایت فرمائیں:

سوال نمبر ۱: یہ کہ پاکستانی افواج کا اپنے مسلمان بھائیوں کے خلاف کارروائی کر کے ان کو گرفتار کرنا یا ان کو قتل کرنا یا کرانا جائز ہے یا نہیں؟

سوال نمبر ۲: کیا حاکمِ وقت اگر کسی بے گناہ کے قتل یا گرفتار کرنے کا حکم اپنی رعایا یا اپنی فوج کو دے تو کیا اس حکم کی تعمیل ضروری ہے یا نہیں؟ کیا ایسی صورت میں پاکستانی فوج کے لیے اس قسم کی کارروائیوں میں شریک ہونا جائز ہے یا نہیں؟

سوال نمبر ۳: مذکورہ صورت میں جو فوجی آپریشن میں شریک ہیں تو ان کی موت کیسی موت ہے؟ آیا شہید ہیں یا حرام موت مارے جائیں گے؟ ایسی موت کی صورت میں ان کی نمازِ جنازہ پڑھانا یا اس میں شریک ہونا جائز ہے یا نہیں؟

سوال نمبر ۴: ان مجاہدین اور دیگر معصوم مسلمانوں، جن پر جنگ زبردستی مسلط کی گئی ہے ان کے مارے جانے کا کیا حکم ہے؟"

کرنل (ریٹائرڈ) محمود الحسن

جواب

جواب نمبر ۱:

موجودہ حالات میں پاکستانی فوج کا وانا (وزیرستان) میں مجاہدین اور ان کے حامی مسلمانوں کے خلاف دہشت گردی ختم کرنے کے نام پر کارروائی کر کے ان کو گرفتار کرنا یا ان کو قتل کرنا، کرانا قرآن و سنت کی صریح نصوص کے خلاف ہونے کی وجہ سے ناجائز و حرام اور سخت گناہ ہے، خواہ یہ کارروائی امریکہ کے شدید دباؤ کی وجہ سے ہو یا بغیر دباؤ کے ہو، دونوں صورتوں میں کافروں کو خوش کرنے کے لیے مسلمانوں کے خلاف کسی قسم کی کارروائی، خواہ وہ ان کو شہید کرنے کی صورت میں ہو یا ان کو گرفتار کر کے کسی کافر کے حوالے کرنے کی صورت میں، متعدد آیات و احادیثِ مبارکہ اور عباراتِ فقہا کی روشنی میں ناجائز اور حرام ہے۔ ان صریح آیات کی پیشِ نظر شریعت نے کسی مسلمان کے لیے کسی دوسرے مسلمان کے خلاف کارروائی کو ناجائز قرار دیا ہے۔ نیز اگر مسلمانوں کو یہ اندیشہ بھی ہو کہ اگر ہم نے غیر مسلموں کا یہ مطالبہ نہیں مانا تو غیر مسلم خود ہمیں قتل کر ڈالیں گے یا کسی شدید نقصان میں مبتلا کر دیں گے تب بھی ان کا یہ مطالبہ ماننا مسلمانوں کے لیے جائز نہیں۔

جواب نمبر ۲:

حاکمِ وقت کے کسی ایسے حکم کو ماننا اور اس کی اطاعت کرنا جو شریعت کے خلاف ہو، ہرگز جائز نہیں، حرام ہے۔ لہٰذا حاکمِ وقت اگر کسی بے گناہ کے قتل یا گرفتار کرنے کا اپنی رعایا یا اپنی فوج کو حکم دے تو اس حکم کی تعمیل ہرگز جائز نہیں۔ وانا میں مسلمانوں کے خلاف حکومتی کارروائی چونکہ شریعت کے خلاف ہے اس لیے فوج کے لیے اس کارروائی میں شریک ہونا جائز نہیں۔ لہٰذا مسلمان فوجیوں پر لازم ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائیوں کے خلاف اس قسم کی کسی بھی

کارروائی میں شریک ہونے سے انکار کر دیں ورنہ وہ بھی اس جرم میں برابر کے شریک ہوں گے۔

جواب نمبر ۳:

مذکورہ صورت میں حاکم وقت یا کمانڈر کے خلافِ شرع حکم پر عمل کرتے ہوئے جو فوجی اس کارروائی میں شریک ہو گا تو وہ کبیرہ گناہ کا مرتکب ہو گا اور اگر اس کی موت واقع ہو جائے تو وہ ہر گز شہید نہیں کہلائے گا۔ جہاں تک ایسے لوگوں کی موت واقع ہونے کی صورت میں نمازِ جنازہ پڑھانے اور اس میں لوگوں کے شریک ہونے کا تعلق ہے تو ایک مسلمان کی غیرت، حمیت اور دینی جذبے کا تقاضا یہ ہے کہ ایسے لوگوں کی نمازِ جنازہ میں بھی کوئی شریک نہ ہو اور نہ ان کی نمازِ جنازہ پڑھانے کے لیے کوئی آگے ہو۔

جواب نمبر ۴:

ایسے تمام افراد جو ان ظالمانہ فوجی کارروائیوں میں مارے جائیں چونکہ شرعاً وہ معصوم اور بے گناہ ہیں لہٰذا شرعاً وہ شہید ہوں گے۔ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی:

أ. وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا○ (سورۃ النساء:۹۳)

”رہا وہ شخص جو کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کرے تو اس کی جزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔ اس پر اللہ کا غضب اور اس کی لعنت ہے اور اللہ نے اس کے لیے سخت عذاب مہیا کر رکھا ہے۔“

ب. يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ (سورۃ الممتحنہ:۱)

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ، تم ان کے ساتھ دوستی کی طرح ڈالتے ہو، حالانکہ جو حق تمہارے پاس آیا ہے اس کو ماننے سے وہ انکار کر چکے ہیں۔“

ج. بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا○ الَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا○ (سورۃ النساء:۱۳۹،۱۳۸)

”اور جو منافق اہلِ ایمان کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا رفیق بناتے ہیں انہیں یہ مژدہ سنا دو کہ ان کے لیے دردناک سزا تیار ہے۔ کیا یہ لوگ عزت کی طلب میں ان کے پاس جاتے ہیں؟ حالانکہ عزت تو ساری کی ساری اللہ ہی کے لیے ہے۔“

د. وفی الحدیث عن البراء بن عازب ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: لزوال الدنیا وما فیھا اھون عند اللہ تعالیٰ من قتل مؤمن ولو ان اھل السمٰوٰت واھل الارض اشترکوا فی دم مؤمن لادخلھم اللہ تعالی النار (روح المعانی، جلد:۳، ص:۱۱۶)

”حدیث میں حضرت براءؓ بن عازب سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: دنیا و مافیہا کا تباہ ہونا اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک مومن کے قتل کیے جانے سے زیادہ ہلکی بات ہے۔ اگر آسمانوں اور زمین والے ایک مومن کے قتل میں شریک ہوں تو اللہ تعالیٰ ان سب کو جہنم میں پھینک دے گا۔“

ہ. عن ابن عمرؓ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: المسلم اخو المسلم لا یظلمہ ولا یسلمہ (الی عدوہ)...... (متفق علیہ، ریاض الصالحین:۱۰۸)

”حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمان مسلمان کا بھائی ہے نہ وہ اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ وہ اسے اس کے دشمن کے حوالے کرتا ہے...... الخ“

و. وفی احکام القرآن للجصاص(۴۰۶/۲) وھذا یدل علی انہ غیر جائز للمومنین الاستنصار بالکفار علی غیرھم من الکفار اذ کانوا متی غلبوا کان حکم الکفر ھو الغالب

”احکام القرآن للجصاص میں درج ہے کہ: یہ بات دلالت کرتی ہے کہ مومنوں کے لیے کافر دشمنوں کے مقابلے میں دیگر کافروں کی مدد طلب کرنا ایسی حالت میں جائز نہیں جب (یہ معلوم ہو کہ) فتح یاب ہونے کی صورت میں کافروں کی حکومت غالب آجائے گی۔“

ز. عن ابن عمرؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: السمع والطاعۃ علی المرء المسلم فیما احب وکرہ حق مالم یؤمر بمعصیۃ فان امر بمعصیۃ فلا سمع و لا طاعۃ (بخاری، جلد:اص:۴۱۵)

”حضرت ابنِ عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمان کے لیے امیر کی بات سننا اور ماننا ضروری ہے خواہ اس کی بات اسے پسند ہو یا ناپسند ہو، بشرطیکہ وہ کسی نافرمانی کا حکم نہ دے۔ پس اگر وہ معصیت کا حکم دے تو نہ بات سنی جائے، نہ مانی جائے۔“

ح. وفی شرح السیر جلد:۳، ص:۲۴۲: وان قالوا لھم قاتلوا معنا المسلمین والا قتلناکم لم یسعھم القتال مع المسلمین لان ذلک حرام لعینہ فلا یجوز الاقدام علیہ بسبب تحدید بالقتل کما لو قال لہ اقتل ھذا المسلم والاقتلتک۔

”شرح السیر میں عبارت اس طرح ہے: جب کفار کہیں کہ ’ہمارے ساتھ مل کر مسلمانوں سے لڑو ورنہ ہم تمہیں قتل کر دیں گے‘ تو مسلمانوں کے لیے جائز نہیں کہ کفار سے مل کر مسلمانوں کو قتل کریں اس لیے کہ یہ حرام لعینہٖ (بالذات حرام) ہے، چنانچہ قتل کی دھمکی کے باوجود اس قسم کا اقدام حرام ہے...... بالکل

اسی طرح جیسے یہ جائز نہیں کہ اگر کسی مسلمان فرد کو دھمکی دی جائے کہ 'فلاں مسلمان کو قتل کرو ورنہ میں تمہیں قتل کر دوں گا' اور وہ عملاً ایسا کر گزرے۔"

ط. وکذٰلک من ...عدا علی قوم ظلما فقتلوہ لا یکون شھیدا لانہ ظلم نفسہ۔(بدائع، جلد:۲ ص:۶۶)

"اسی طرح......وہ شخص جس نے کسی گروہ کے خلاف ظالمانہ طور پر چڑھائی کی اور ان لوگوں نے اس (حملہ آور) شخص کو قتل کر ڈالا تو وہ (مقتول) شہید نہیں کہلائے گا کیونکہ وہ اپنی جان پر ظلم کرتے ہوئے مرا۔"

ي. ومن قتل مدافعا عن نفسه او ماله او عن المسلمين او اهل الذمة بایّ آلة قتل، بحديد او حجر او خشب فهو شهيد، كذا في محيط السرخسی (ہندیہ، جلد:۱، ص: ۱۶۸)

"جو شخص اپنی جان، مال، مسلمانوں یا اہلِ ذمہ کا دفاع کرتے ہوئے قتل ہو جائے تو وہ شہید ہے، خواہ وہ کسی بھی آلۂ قتل......لوہے پتھر، لکڑی وغیرہ...سے قتل ہوا ہو۔"

واللہ اعلم بالصواب

عبد الدیان عفا اللہ عنہ

دار الافتاء، مرکزی جامع لال مسجد (اسلام آباد)

اس فتوے پر پاکستان بھر کے مختلف مکاتبِ فکر سے تعلق رکھنے والے ۵۰۰ سے زائد مفتیانِ عظّام، علمائے کرام اور شیوخ الحدیث کے دستخط ثبت ہیں۔ جگہ کی کمی کی وجہ سے صرف چند علما کے نام و دستخط ذیل میں درج کیے جا رہے ہیں:

(۱) مولانا مفتی نظام الدین شامزئی شہیدؒ، شیخ الحدیث جامعہ بنوریؒ ٹاؤن، کراچی۔

(۲) مولانا ظہور الحق صاحب، مدیر دار العلوم معارف القرآن، مدنی مسجد، حسن ابدال۔

(۳) مولانا عبد السلام صاحب، شیخ الحدیث اشاعت القرآن، حضرو، اٹک۔

(۴) قاری چمن محمد، مدرس اشاعت القرآن، حضرو۔

(۵) مفتی سیف اللہ حقانی صاحب، رئیس دار الافتاء، دار العلوم حقانیہ، اکوڑہ خٹک، نوشہرہ۔

(۶) مولانا عبد الرحیم صاحب، خطیب جامع مسجد ۳۳، جنوبی سرگودھا۔

(۷) فتح محمد صاحب، مدیر جامعہ صدیقیہ، واہ کینٹ۔

(۸) مولانا ڈاکٹر عبد الرزاق اسکندر صاحبؒ، مہتمم جامعہ بنوریؒ ٹاؤن، کراچی۔

(۹) مفتی حمید اللہ جانؒ صاحب، جامعہ اشرفیہ، لاہور۔

(۱۰) مفتی شیر محمد صاحب۔

(۱۱) مفتی زکریا صاحب، دار الافتاء جامعہ اشرفیہ، لاہور۔

(۱۲) مولانا محمد اسحاق صاحب، مہتمم مدرسہ تدریس القرآن وخطیب مرکزی جامع لالہ رخ، واہ کینٹ۔

(۱۳) مولانا عبد القیوم حقانی صاحب، مہتمم جامعہ ابوہریرۃؓ زڑہ میانہ، نوشہرہ۔

(۱۴) مفتی حبیب اللہ صاحب۔ دار الافتاء والارشاد ناظم آباد، کراچی۔

(۱۵) مولانا محمد صدیق صاحب، مہتمم جامعہ تعلیم القرآن مدنی مسجد، لائق علی چوک، واہ کینٹ

(۱۶) مولانا عبد المعبود صاحب، جامع مسجد پھولوں والی، رحمن پورہ، راولپنڈی۔

(۱۷) قاری سعید الرحمٰن صاحب، مدیر جامعہ اسلامیہ صدر، راولپنڈی۔

(۱۸) قاضی عبد الرشید صاحب، مہتمم دار العلوم جامعہ فاروقیہ، دھمیال کیمپ، راولپنڈی۔

(۱۹) مولانا محمد صدیق اخونزادہ صاحب۔

(۲۰) مفتی ریاض احمد صاحب، دار الافتاء دار العلوم تعلیم القرآن، راجہ بازار، راولپنڈی

(۲۱) مولانا محمد عبد الکریم صاحب، مدیر جامعہ قاسمیہ، ایف سیون فور، اسلام آباد۔

(۲۲) مفتی محمد اسماعیل طورو صاحب، دار الافتاء جامعہ اسلامیہ، صدر، راولپنڈی۔

(۲۳) مولانا محمد شریف ہزاروی صاحب، خطیب جامع مسجد دار الاسلام، جی سکس ٹو، اسلام آباد

(۲۴) مولانا فیض الرحمٰن عثمانی صاحب، رئیس ادارۂ علوم اسلامیہ، سترہ میل، بھارہ کہو، اسلام آباد

(۲۵) مولانا عبد اللہ حقانی صاحب، شیخ الحدیث مدرسہ و جامعہ خدیجۃ الکبریٰؓ، اسلام آباد۔

(۲۶) مولانا محمود الحسن طیب صاحب، مفتی مدرسہ نصرۃ العلوم، گوجرانوالہ۔

(۲۷) مولانا محمد بشیر سیالکوٹیؒ صاحب، مدیر معهد اللغة العربية و مدیر بیت العلم، اسلام آباد

(۲۸) مولانا وحید قاسمی صاحب، جنرل سیکرٹری عالمی مجلس ختم نبوت و مدیر مدرسہ فاروقیہ، اسلام آباد

(۲۹) مولانا ڈاکٹر شیر علی شاہ صاحبؒ، شیخ الحدیث دار العلوم حقانیہ، اکوڑہ خٹک، نوشہرہ۔

(۳۰) مولانا مفتی پیر سیّد مختار الدین شاہ صاحب، کربوغہ شریف، خلیفۂ مجاز شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمہ اللہ۔

(۳۱) مولانا فضل محمد صاحب، استاذ الحدیث جامعہ بنوریؒ ٹاؤن، کراچی۔

(۳۲) مولانا سعید اللہ شاہ صاحب۔ استاذ الحدیث۔

(۳۳) مولانا سبحانُ اللہ صاحب، مفتی جامعہ امداد العلوم، صدر، پشاور۔

(۳۴) مولانا محمد قاسم ابن مولانا محمد امیر بجلی گھر، پشاور۔

(۳۵) مفتی غلام الرحمٰن صاحب، رئیس دار الافتاء جامعہ عثمانیہ، صدر، پشاور۔

(۳۶) مولانا مفتی سید قمر صاحب، دار الافتاء دار العلوم سرحد، دار العلوم آسیا گیٹ، پشاور۔

(۳۷) مولانا محمد امین اورکزئی شہیدؒ، شاہوِ وام، ہنگو۔

(۳۸) مولانا شیخ الحدیث محمد عبد اللہ صاحب۔

(۳۹) مفتی دین اظہر صاحب۔

(۴۰)مولانا مفتی عبد الحمید دین پوری۔

(۴۱)مفتی ابو بکر سعید الرحمن صاحب۔

(۴۲)مفتی محمد شفیق عارف صاحب۔

(۴۳)مفتی انعام الحق صاحب۔

(۴۴)مفتی عبد القادر، جامعہ بنوریؒ ٹاون، کراچی۔

(۴۵)مولانا سید سلیمان بنوری صاحب، نائب مہتمم جامعہ بنوریؒ ٹاون، کراچی۔

(۴۶)مفتی جمال احمد صاحب، دار العلوم فیصل آباد۔

(۴۷)مولانا محمد زاہد صاحب، جامعہ امدادیہ، فیصل آباد۔

(۴۸)پیر سیف اللہ خالد صاحب، مدیر جامعہ المنظور الاسلامیہ، لاہور۔

(۴۹)مولانا عزیز الرحمٰن صاحب، مفتی جامعہ المنظور الاسلامیہ، لاہور۔

(۵۰)مولانا احمد علی صاحب مدرسہ الحسنین، گرین ایریا، فیصل آباد۔

(۵۱)مفتی محمد عیسیٰ صاحب، دار العلوم اسلامیہ، کامران بلاک، لاہور۔

(۵۲)مولانا رشید احمد علوی صاحب، مدیر دار العلوم اسلامیہ۔

(۵۳)قاضی حمید اللہ صاحب، مرکزی جامع مسجد شیر اں والا باغ، گوجرانوالہ۔

(۵۴)مولانا فخر الدین صاحب، جامعہ اشرف العلوم، گوجرانوالہ۔

(۵۵)مفتی محمد فاروق صاحب، رئیس دار الافتاء جامعہ فریدیہ، اسلام آباد۔

(۵۶)مولانا محمد عبد العزیز صاحب، خطیب مرکزی جامع مسجد، اسلام آباد۔

(۵۷)مفتی سیف الدین صاحب، جامعہ محمدیہ، ایف سکس فور، اسلام آباد۔

مفتی نظام الدین شامزئی شہیدؒ کا فتویٰ:

اگر کسی فوجی کو "ایک مسلمان کے قتل" اور "پھانسی یا کورٹ مارشل" کے درمیان (کسی ایک چیز کے اختیار کرنے کا) فیصلہ کرنا پڑ جائے تو اللہ تعالیٰ کے قانون میں اس کے لیے اخروی لحاظ سے آسان، سہولت دہ اور جائز یہی ہے کہ وہ اپنے لیے "کورٹ مارشل" اور "تختۂ دار" کا راستہ اختیار کر لے۔

کوہاٹ کے مفتیان کا فتویٰ:

"شریعت کی رو سے مسلمانوں کے خلاف لڑنے والے فوجی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے باغی ہیں اور ان کا مرنا حرام موت ہے اور ان کا حکم "قطّاع الطریق" یعنی راہزن اور ڈاکو کا ہے۔ نمازِ جنازہ کے لیے جو حکم راہزن اور ڈاکو کا ہے وہی ان کا ہے۔"

دار العلوم اکوڑہ خٹک کے مفتیانِ کرام کا فتویٰ:

"فقہ کی معتبر اور مشہور کتب در مختار و رد مختار میں ہے کہ عصبی (جو وطن یا قوم کی عصبیت میں لڑتا ہوا مارا جائے) پر نمازِ جنازہ نہیں پڑھائی جائے گی۔"

☆☆☆☆☆

خبر دار...... اپنی جماعت کی عبادت نہ کرو!

"خبر دار بھائیو!...... خیر جہاں سے بھی ملے قبول کرو۔ کسی خیر کے کام کی بھی تحقیر مت کرو!" ولا تحقرن من المعروف شيئا " لوگوں کے خلاف مت بولو...... ان کی خیر کا انکار مت کرو!... لوگوں کے بارے میں حق کی گواہی دو، ان کی اچھائیوں کا انکار نہ کرو، ایسا نہ کرو کہ ان خوبیوں کا انکار ہو اور ان کی خامیوں کو گنوانا شروع کرو!!!...... دیکھیے! اقامتِ عدل کی خاطر کتابیں نازل ہوئیں اور رسول بھیجے گئے، جب ہم دینی (جہادی) جماعتیں بھی عدل قائم نہ کریں تو پھر کون زمین میں عدل قائم کریں گے؟ جب ہم آج اپنی باتوں میں، تبصروں اور اقوال میں عدل قائم نہ کر سکیں جبکہ ہمارے ہاتھ میں کچھ بھی نہیں تو کل جب دنیا ہمارے ہاتھ میں ہو گی اور اس کے خزانے ہمارے سامنے کھلے ہوں اور طاقت و اختیار پر ہم قابض ہوں، تو پھر کیسے ہم عدل قائم کریں گے؟؟؟

خبر دار!!

اپنی جماعت میں اللہ کی عبادت کرو، اسلام کی خدمت کرو، اور اللہ ہی کی خاطر یہ سب کچھ کرو، اس میں اسلامی تربیت حاصل کرو اور اسلام ہی کی تربیت دو... اور خبر دار، خبر دار اپنی جماعت کی عبادت مت کرو! عبادت بس اللہ کی کرو، تنظیم کی مت کرو، (طواغیت کا انکار کر کے اب) اپنی عبادت ایک نئے طاغوت کی عبادت میں تبدیل نہ کرو جبکہ تمہیں اس کا احساس ہی نہ ہو، جماعت کو معبود مت بناؤ کہ اس کی خاطر لوگوں کے حقوق ہڑپ کرنے لگ جاؤ، ان کی غیبت کرو، ان کی عزتوں کو اپنے لیے حلال سمجھو! اور یہ سب بھی یہ کہہ کر کہ اس میں اسلام اور دعوت کی مصلحت ہے!!...... نہیں!...... یہ اللہ کی عبادت نہیں ہے، یہ جماعت کی عبادت ہے، اور خبر دار غیر اللہ کی اس عبادت سے بچو!"

[شیخ عبد اللہ عزام رحمۃ اللہ علیہ]

اجنبی ___ کل اور آج

الشیخ المجاہد انجنیئر احسن عزیز شہید رحمۃ اللہ علیہ

الشیخ المجاہد احسن عزیز شہید رحمۃ اللہ علیہ کی آج سے بیس سال قبل تصنیف کردہ نابغہ تحریر 'اجنبی ___ کل اور آج'، آنکھوں کو رلاتی، دلوں کو نرماتی، گرماتی، آسان و سہل انداز میں فرضیتِ جہاد اور اقامتِ دین سمجھانے کا ذریعہ ہے۔ جو فرضیتِ جہاد اور اقامتِ دین (گھر تا ایوانِ حکومت) کا منہج سمجھ جائیں تو یہ تحریر ان کو اس راہ میں جتے رہنے اور ڈٹے رہنے کا عزم عطا کرتی ہے، یہاں تک کہ فی سبیل اللہ شہادت ان کو اپنے آغوش میں لے لے (اللهم ارزقنا شهادة في سبيلك واجعل موتنا في بلد رسولك صلى الله عليه وسلم يا الله!)۔ ایمان کو جِلا بخشتی یہ تحریر مجلہ 'نوائے غزوۂ ہند' میں قسط وار شائع کی جا رہی ہے۔ (ادارہ)

کیسی جنت ہے جس نے آگ میں جھلسایا ہے؟

یہ ساری تبدیلیاں بلا وجہ نہیں ہیں بلکہ شعوراً یا لا شعوراً مغربی اقدار و تصورات کو قبول کرنے کا نتیجہ ہیں۔ فقہاء نے یہ بات صراحت کے ساتھ لکھی ہے کہ جب ہم (بطور فرد یا قوم) کسی کی مشابہت اختیار کرتے ہیں تو دراصل اس کا سبب یہ ہوتا ہے کہ اُس فرد یا قوم کی عظمت اور محبت ہمارے دل میں ہوتی ہے۔ یہی بات بالعکس بھی ہے یعنی یہ کہ کسی کی ظاہری مشابہت اختیار کر لینے سے باطنی اثرات بھی فوراً وارد ہوتے ہیں، خیالات و تصورات اور پھر رویے بھی بدل جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سختی سے کفار کی مشابہت اختیار کرنے سے منع کیا اور تنبیہ فرمائی کہ: ((مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَمِنْهُمْ)) (ابوداود، کتاب اللباس) "جس نے کسی قوم کی مشابہت اختیار کی تو وہ انھیں میں (شمار) ہو گا"۔ اتنی شدید وعید کے بعد اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اہلِ کفر کی ظاہری و باطنی مشابہت سے گلو خلاصی ہمارے ایمان اور نجات کے لیے کتنی اہم ہے۔

مغربی تہذیب سے اپنی ہمہ جہت اثر پذیری کو زائل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اوّلاً اسلامی عقائد کی روشنی میں ___ تہذیبِ جدید کے تصوراتِ زندگی اور اس کے اقدار و نظریات کو سمجھا جائے، اس کے اصل عزائم کو بھانپا جائے اور پھر دیکھا جائے کہ اہلِ اسلام کے پاس ان تصورات اور اقدار پر مبنی نظامِ زندگی کو اختیار کرنے کی گنجائش ہے یا نہیں؟

مغربی تہذیب دراصل ایک ایسی تہذیب ہے جس نے دنیا کو لا الٰہ الا الانسان کا نعرہ دیا اور "اُعْبُدُوا اللّٰہَ" "اللہ کی عبادت کرو" ___ کے فریضے کو انسان کے ذہن سے کھرچ دیا۔ آج کا مغرب، انسان کو الٰہ (معبود) اور حاکم (فرمانروا) مانتا ہے۔ خیر و شر کے پیمانے اسی کے ہاتھ میں تھماتا ہے اور پھر اس الٰہ کو یہ حق دیتا ہے کہ وہ "جو چاہے اپنے لیے خواہش کرے" اور "جس چیز کو چاہے اپنی ضرورت قرار دے"۔ "ہر آسائش طلب کرنا" اور "من چاہا اندازِ زندگی اختیار کرنا" اس کے لیے جائز ہے۔ اور یہ سارے "حقوق" اور "آزادیاں" اس کو حاصل ہیں۔

ساتھ ہی اس تہذیب کے پیشواؤں نے "نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ" "ہم ہی تمہیں رزق دیں گے" کا خدائی دعویٰ کر کے یہ اعلان کر رکھا ہے کہ "تمہارے سارے مادی مسائل کو حل کرنا"، "ہر (خود ساختہ) خیر کو تمہارے قدموں میں رکھنا، اور ہر (خود ساختہ) شر کو تم سے دور کرنا" اور "تمہاری نفسانی خواہشات کی تکمیل کا سامان کرنا" ہماری اولین ذمہ داری اور فریضہ ہے۔ چنانچہ انسان ہی اس تہذیب میں ربوبیت کے منصب پر بھی فائز ہے۔ پس ایک ایسی دنیا ___ جہاں انسان کو فکر و عمل میں ردّ و قبول کی کامل آزادی ہو، فرائض "اُعْبُدُوا اللّٰہَ" کی دعوت نہ ہو بلکہ حقوق یعنی "مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ" کی مثل ہر طرح کی خواہشات، نعمتوں اور آسائشوں کو پورا کرنا کسی کی ذمہ داری ہو ___ اسے مغرب اپنی "جنت" قرار دیتا ہے۔ آج کا مغربی معاشرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کی ایک اکمل تصویر ہمارے سامنے پیش کرتا ہے:

"الدُّنْيَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَجَنَّةُ الْكَافِرِ" (مسلم، كتاب الزهد والرقائق)

"دنیا مومن کا قید خانہ اور کافر کی جنت ہے۔"

اس دنیاوی جنت کا حصول و استحکام مغرب کا منتہائے مقصود ہے۔ ان کے تمام علوم و تحقیقات (معاشی، فنّی، عمرانی اور سائنسی) کا کل حاصل یہی متاعِ قلیل (دنیاوی جنت) ہے۔ ﴿يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ﴾ (الروم: ۷) "یہ تو دنیا کی ظاہری زندگی کو جانتے ہیں اور آخرت سے تو بالکل ہی غافل ہیں"۔

جو فرد یا قوم بھی آج مغرب کے اس مذکورہ بالا دِین کو، جسے وہ عرف میں "جمہوریت" کہتے ہیں، قبول کر لے تو اس کے لیے وہ سب کچھ ہے ___ کہ جو آج خود اُنھیں میسّر ہے۔ مساوات کا مطلب ان کے ہاں یہی ہے کہ ہر انسان جو ان اقدار کو اختیار کر لے، تو اسے اپنی خواہشات کے مطابق ___ دنیا، اس کے عیش، اور اس کی سہولیات سے متمتع ہونے ___ اور اپنے تصوراتِ خیر و شر کے مطابق من چاہی زندگی گزارنے کی "یکساں آزادی اور مواقع" حاصل ہوں گے۔ اور کسی کو اس معاملے میں مداخلت کرنے کا کوئی حق نہیں ہو گا۔

(جس تہذیب کے بنیادی عقائد یہ ہوں اور انھی پر اس کی ساری عمارت کھڑی ہو ___ اس میں ہمارے لیے کوئی اسوہ ہو سکتا ہے؟ کیا اس کی اقدار اور نظام میں اپنے لیے گنجائشیں تلاش کی جا سکتی ہیں؟ انھیں اسلامی جواز فراہم کیا جا سکتا ہے؟ اور کیا کوئی مشترک اقدار تلاش کی جا سکتی ہیں جو اس فتنۂ عظیم اور اسلام کے درمیان خلیج کو مٹا سکیں؟)

مغرب اس دین کو پوری دنیا پر نافذ کرنا چاہتا ہے، تا کہ یکساں اقدار کے فروغ کے نتیجے میں اس کی تہذیب کو کسی قسم کا بیرونی خطرہ لاحق نہ رہے، اور کرّۂ ارض کی امامت (اس دین کا پیشوا ہونے کی وجہ سے لامحالہ) اسی کے ہاتھ میں رہے۔ اسی بات کے پیشِ نظر وہ اپنی ''جنت سازی'' کے اس عمل میں شرکت کی ہر شخص کو اجازت، موقع اور آزادی دیتا ہے اور اس کے لیے ہر طرح کی قانون سازی کو روا سمجھتا ہے۔ اور مغرب میں جا بسنے والے مسلمان بھی اگر اُن کے ساتھ حقوق کی سیاست، آزادیوں کے فروغ، سرمائے کی بڑھوتری اور اپنی دنیا کو بہتر سے بہتر بنانے کی اس جدوجہد میں شریک ہو جائیں تو اس سے ان کا کیا بگڑتا ہے؟ بلکہ اس طرح انھیں مسلم دنیا سے مخلص خدمت گزار، چنیدہ محققین، باصلاحیت (اور صاف ستھرے) ڈاکٹر، دیانت دار انجینئر___ اور دوسری طرف بلادِ اسلامیہ میں واپس جا کر ان کی تہذیبی اقدار کی تنفیذ کرنے والے ماہرینِ تعلیم، مستشرقین، مداہنت کر جانے والے مذہبی وسیاسی پیشوا، ''اعتدال پسند'' مفکرین، اجرتی مصنفین اور ضرورت پڑنے پر نگران اور عبوری وزراء وحکام بھی مل جاتے ہیں۔ بلکہ ہر اسلامی ملک کے لیے ان کے پاس ایسی کھیپ ہر وقت موجود رہتی ہے۔ کم از کم فائدہ جو وہ مسلمانوں کے دار الکفر میں جا بسنے سے اٹھاتے ہیں وہ یہ ہے کہ کفر سے کراہت اور براءت کی خلش مسلمانوں کے دلوں سے نکل جاتی ہے اور اقبالؔ سے معذرت کے ساتھ:

مسٹر کو ہے مغرب میں جو سجدے کی اجازت
ناداں یہ سمجھتا ہے کہ اسلام ہے آزاد

کاش دار الکفر میں جا بسنے سے متعلق ہمارے مسلمان، خصوصاً نوجوان شریعت کے احکام پڑھ لیں! ان احکام کے علاوہ ہمارے ایمان کی محافظ آخر کیا چیز ہے؟ اور ایمان سے بڑھ کر بھی بھلا کوئی قیمتی اثاثہ ہو سکتا ہے، جس کے لیے پریشان ہوا جائے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اَنَا بَرِیْئٌ مِنْ كُلِّ مُسْلِمٍ يُقِيْمُ بَيْنَ اَظْهُرِ الْمُشْرِكِيْنَ'' (الترمذی، ابواب السیر)

''میں بری (لاتعلق و بیزار) ہوں ہر اس مسلمان سے جو مشرکوں کے درمیان رہتا ہو۔''

''لَا تُسَاكِنُوا الْمُشْرِكِيْنَ وَلَا تُجَامِعُوْهُمْ فَمَنْ سَاكَنَهُمْ اَوْجَامَعَهُمْ فَهُوَمِثْلُهُمْ'' (ترمذی:کتاب السیر)

''مشرکین کے ساتھ مت رہو اور نہ ہی ان کے ساتھ اکٹھے ہو، کیونکہ جو شخص ان کے ساتھ رہے اور ان کے ساتھ اکٹھا ہو تو وہ انھی کی مانند ہے۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابی حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا قول ہے: ((من بنى ببلاد المشركين، وصنع نيروزهم ومهرجانهم حتى يموت؛ حشر معهم يوم القيامة)) ''جس نے مشرکین کی بستیوں میں (گھر) تعمیر کیا، ان کے نوروز و مہرجان (عید و تہوار وغیرہ) منائے، یہاں تک کہ اسے موت آ گئی تو روزِ قیامت وہ انھیں کے ساتھ اٹھایا جائے گا۔''

دنیا کی اس آگ میں پھینکو، عقبیٰ کے پروانوں کو

کفر کے ہر دھرم کی طرح مغربی نظامِ حیات کی روح بھی 'دنیا کی محبت' ہے، لیکن فی زمانہ اس کی جلوہ آفرینیاں مغرب میں اپنی معراج پر ہیں۔ مفاد پرستی اور خود غرضی، جو حبِّ دنیا کا لازمی نتیجہ ہے، وہاں کے تمدن اور معاشرت کی جان ہے۔ ٹریفک کے اشارے کی پابندی اس لیے ضروری ہے کہ اس میں باہمی مفاد ہے (جان بچتی ہے)، اسی طرح کتے کی آؤ بھگت بھی اہم ہے کہ اس میں غرض ہے (شاید ''غم خوار'' ہوتا ہے) لیکن ضعیف والدین کی خدمت اس لیے غیر ضروری ہے کہ اس سے کوئی ''فائدہ'' حاصل نہیں ہوتا! بلکہ وقت، پیسہ اور جگہ ضائع ہوتی ہے، لہٰذا انھیں ردّی خانوں (اولڈ ہاؤس) میں پھینک دینا ہی حسنِ انتظام (مینجمنٹ) کا تقاضا ہے۔

اس بے ایمان معاشرے میں جس چیز کی وقعت نہیں ہے وہ عملِ صالح ہے۔ اجر و ثواب ہمارے لیے سب کچھ ہے، کیونکہ اس پر ہماری کامیابی کا مدار ہے۔ ہر اذان کے ساتھ دو رکعت کی ادائیگی، تحیۃ الوضو اور ہمیشہ باوضو رہنے پر حضرت بلالِ حبشی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جنت کی بشارت مل رہی ہے، (کما ورد في الترمذي، ابواب المناقب) کیوں؟ اس لیے کہ ان کی یہ نیکی اللہ کے ہاں مقبول ٹھہری، اس پر انھیںؓ اجر ملا اور درجے بلند ہوئے۔ یہ مسلمانوں کے خلیفہ اور امیر المؤمنین عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ ہیں، لاکھوں مربع میل کے حاکم ہیں۔ لیکن ایک زاہد و عابد اور یمن کے دور دراز علاقے سے جہاد کی غرض سے آنے والے اویس قرنیؒ سے اپنے لیے استغفار کی دعا کروا رہے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں فرمایا تھا کہ ((لَوْ اَقْسَمَ عَلَى اللهِ لَاَبَرَّهٗ)) ''اگر وہ اللہ کے اعتماد پر کسی بات کی قسم کھا لیں تو اللہ ضرور ان کی قسم کو سچا کر دیتا ہے''، ساتھ ہی آپؐ نے عمرؓ سے فرمایا تھا کہ اگر تم ان سے اپنے لیے استغفار کروا سکو تو کرانا، اس موقع پر آپؐ نے اویسؒ کی جو نیکی گنوائی تھی، وہ یہ تھی کہ: ((لَهٗ وَالِدَةٌ هُوَبِهَا بَرٌّ)) (مسلم، کتاب فضائل الصحابۃ) ''اُن کی والدہ ہیں، جن کے ساتھ وہ بہت نیک سلوک کرتے ہیں''۔ یہ ہے اسلام میں نیکی اور تقویٰ کی اہمیت۔ لیکن مغربی تہذیب جہاں بھی مضبوط ہو گی وہاں فضیلت کا معیار سامانِ دنیا بنے گا۔ نیکی چونکہ وہاں کوئی قدر نہیں بلکہ___ قدر ترقی ہے، اس لیے کسی کا عملِ صالح یا علمِ دین میں آگے ہونا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ تاہم یہ بات اہم ہے کہ آپ کتنا سامانِ دنیا رکھتے ہیں، اپنے ادارے کو کتنا مالی نفع دے سکتے ہیں یا کتنے لاکھ (یا کروڑ) کے ترقیاتی منصوبے آپ کے ہاتھ میں ہیں۔

اس تہذیب کا بنیادی ہتھیار بھی (ایٹم بم سے بڑھ کر) دنیا کی محبت کا فروغ ہے۔ اسی سے وہ قوموں کو فتح کرتی ہے اور جب دلوں پر ان افکار کی حکمرانی ہو جائے تو زمینوں اور جسموں کو زیر کرنا کوئی مشکل کام نہیں رہتا۔ دنیا کی محبت، حرص و ہوس کے فروغ، سامانِ دنیا کی فراوانی اور خواہشات کی تکمیل کے عمل کو وہ ''ترقی'' کہتے ہیں۔ ﴿فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ﴾ ''پس تم نیکیوں میں سبقت کرو'' ___ کے بجائے شہوات میں مسابقت اور ((وَلَا تَنَافَسُوْا)) ''(دنیا کے معاملے میں) مقابلہ بازی نہ کرو'' ___ کے بجائے دنیا ہی میں '' عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ '' کے حصول کی (موہوم) منزل کے حصول کو وہ ''فلاح'' کا نام دیتے ہیں۔ اربوں ڈالر لگا کر قبائلی معاشروں اور دیہاتوں کی سطح تک ترقیاتی منصوبوں کو برپا کر دینا، سہولیات و وسائلِ عیش فراہم کر دینا اور پھر اس سارے عمل کے ذریعے اباحیت اور دنیا پرستی کی اقدار کو فروغ دے دینا ___ یہ ان کا کارگر اور دیرپا ہتھیار ثابت ہوا ہے۔ حبِّ آخرت اور شوقِ شہادت کا کانٹا دل سے نکالنے کی قیمت پر اگر کابل، کراچی اور کوالالمپور کو پیرس بنا دیا جائے تو ظاہر ہے یہ سودا مہنگا نہیں ہو گا۔ اسی دنیاوی محبت اور سامانِ دنیا کی حرص و ہوس کے فروغ سے ان کی تہذیب ہمارے معاشروں میں مستحکم ہو سکتی ہے۔ پس ترقی اور فلاح کے ان تصورات کو اپنی طرز کے تعلیمی، نشریاتی، تحقیقی اور تنفیذی اداروں کے ذریعے پوری دنیا میں پھیلانا ہی ان کی بنیادی فتح ہے۔ خصوصاً مسلم دنیا کے باصلاحیت اور نمائندہ افراد میں سے کچھ کو اپنے پاس بلا کر اور کچھ کی مقامی حکومتی اداروں، ملٹی نیشنل کمپنیوں اور این جی اوز وغیرہ کے ذریعے تربیت اور ذہن سازی کرنا اسی لائحۂ عمل کا حصہ ہے۔ پھر اس عمل کو وہ بہت نچلی سطح تک لے جانا چاہتے ہیں تاکہ پوری دنیا میں اس کے فروغ کے لیے لاکھوں کروڑوں کی تعداد میں انسانی وسائل اور ایسے مخلص کارندے میسّر آ سکیں، جن کی زندگیاں انھی فتوحات کی نذر ہو جائیں۔

مقامیت، عالمگیریت اور جمہوریت انھی اقدار کی ترویج کے ذرائع ہیں۔ ان سے متعلق منصوبوں میں مسلمان مردوں (اور عورتوں) کو منہمک کروا کر ''انسانیت کی بھلائی'' کا ہر ہدف سر ہو گا، سوائے غلبۂ اسلام کے۔ کیوں؟ اس لیے کہ یہ مخصوص اصطلاحات اور سانچے جنھوں نے تخلیق کیے ہیں، انھی کے کام آتے ہیں اور جن مقاصد کے لیے ہماری طرف برآمد کیے ہیں، انھی کو یہ پورا کرتے ہیں۔ چنانچہ تعلیم (اُن والی)، صحت (تحدیدِ آبادی، یا چند مخصوص بیماریوں سے نجات کے لیے)، آلودگی (زیادہ تر اُنھی کی پھیلائی ہوئی)، 'انفارمیشن' (جاسوسی کرنے اور برائیاں پھیلانے کے لیے) اور غربت (جو معصیتِ الٰہی کی سزا بھی ہو سکتی ہے) انسان کے اصل مسائل قرار پائیں گے۔ لاکھوں، کروڑوں لوگ اصلاح سے محروم رہ جائیں، لوگ گناہ کمائیں، جہنم میں جائیں ___ یہ مسئلہ غیر اہم ہو گا تاہم ان کے لیے خوبصورت قبرستان، بہترین پارک، شاندار عمارتوں اور دیگر سہولیات وغیرہ کی فراہمی اہم تر ہو گی۔ فلاح کے طلب گاروں کی نگاہیں اور ہاتھ (سلسلہ در سلسلہ) جن کی طرف اٹھیں گے، وہ وہی ہوں گے جو اس تہذیب کے امام (اور نائبین) ہیں، کیونکہ ترقیات کی کنجیاں تو انھی کے پاس ہیں۔ (پر اسرار این جی اوز، آزاد خیال کارندوں، یہودی و نصرانی سرپرستوں کی صحبت کے منفی اثرات اس کے علاوہ ہیں) اور پھر اس سارے عمل کے نتیجے میں صفہ کا چبوترہ یا مدینے کی بستی تو دل و نگاہ کا مرکز بننے سے رہے۔ بلکہ اس کی جگہ کسی (اسلامی) آکسفورڈ اور کسی (مسلم) ڈنمارک کا تصور لے گا۔ ''ترقی دلانے'' کے اس عمل میں جو لوگ کسی بھی سطح پر شریک ہوں گے، خود ان میں دنیا پرستی اور حرص و ہوس کا پیدا ہونا ایک لازمی امر ہے۔ اور اگر (معجزاتی طور پر) ایسا نہ بھی ہوا تو بھی وہ ساری توانائیاں جو اعلیٰ و ارفع مقاصد کے لیے کھپنا تھیں، ان کا ضیاع تو یقینی ہے۔ اور کیا یہ بات سچ نہیں کہ جب دل و نگاہ میں دنیا بس جائے (چاہے لغیرہٖ سہی) تو جس چیز کا حرج یقینی ہے وہ آخرت کی تیاری اور اس کی طرف دعوت ہے:

﴿وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى﴾ (سورۃ طٰہٰ:۱۳۱)

''اور ہرگز آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھنا، دنیاوی زندگی کی ان آرائش کی ان چیزوں کی طرف جن سے ہم نے کفار کے مختلف گروہوں کو ان کی آزمائش کے لیے متمتّع کر رکھا ہے۔ اور آپ کے ربّ کا رزق بدرجہا بہتر ہے اور دیرپا ہے۔''

آپس میں ہیں بھائی بھائی؟!

مغرب کے لیے ان تصورات و اقدار کو فروغ دینا اس وقت تک ناممکن ہے جب تک کہ جمہوری دام کے ذریعے ان کی تنفیذ کے پہلو بہ پہلو ایک اور اہم ہدف حاصل نہ کر لیا جائے۔ اور وہ ہدف ہے مسلمانوں میں مطلق امن کے تصور کا فروغ۔ ظاہر ہے تصورِ ترقی و فلاح تبھی اپنے ''ثمرات'' دکھا سکتا ہے جب ''امن'' کو فروغ حاصل ہو گا، اور سب نفرتیں مٹا کر، عقائد و نظریات سے ماورا ہو کر مل بیٹھیں گے اور انسانوں کی ترقی کے لیے سوچیں گے۔ جب ساری دنیا اپنا گھر ہے اور مل کر اس کے گلی محلوں کو سجانا ہی پیشِ نظر ہے تو پھر یہ دوریاں کیسی؟ لہٰذا مطلق امن و مساوات کے خیال کو بھی مسلم عوام و خواص کے ذہنوں میں ایک مطلوب کے طور پر بٹھا دیا گیا ہے۔

عالمی سطح پر بھی امن کی ایک ایسی دنیا (عالمی گاؤں) جو امتِ مسلمہ کے ڈیڑھ ارب انسانوں کے سیلاب کے لیے بھی ساری کی ساری، محض ''دارِ دعوت'' ہو (اور یہ سیلاب '' غُثَاءٌ كَغُثَاءِ السَّيْلِ '' بن رہے)، جس میں بسنے والے سبھی انسان ''انسانیت'' کی بنیاد پر بھائی بھائی ہوں جو صرف ''مشترکہ مفادات'' کی خاطر جینے کا عزم رکھتے ہوں، جہاں سب برابر ہو جائیں: ﴿تَكُوْنُوْنَ سَوَآءً﴾ ___ یہ سب بھی ان کے نظریاتی اہداف ہیں۔ جب کہ قرآن کی پکار کو بھلایا جا رہا ہے:

﴿ اَفَنَجۡعَلُ الۡمُسۡلِمِيۡنَ كَالۡمُجۡرِمِيۡنَ○ مَا لَكُمۡ كَيۡفَ تَحۡكُمُوۡنَ○اَمۡ لَكُمۡ كِتٰبٌ فِيۡهِ تَدۡرُسُوۡنَ○﴾ (القلم:۳۵۔۳۷)

”کیا ہم مسلمانوں کو مجرمین کے برابر کر دیں گے؟ تمہیں کیا ہو گیا؟ کیسے فیصلے کر رہے ہو؟ کیا تمہارے پاس کوئی کتاب ہے جس میں (یہ) پڑھتے ہو؟“

مساواتِ انسانی کا یہ عالمگیر تصور جس کتاب سے لیا گیا ہے وہ نہ قرآن ہے نہ توراۃ اور نہ انجیل! بلکہ اسے ”یہودی پروٹوکولز“ سے اخذ کیا گیا ہے! حیرت ہے کہ وہ اس جدید عقیدے کو ہماری ہی زبانوں سے اگلوانے میں کامیاب ہو چکے ہیں۔

مغرب نے اپنے دانشوروں میں سے ایک طبقے کو، اس طرز پر مستقل ذہن سازی کے لیے اسلامیانِ امّت کے پیچھے لگا دیا ہے۔ ان کا ”قبضہ کرنے والا شعبہ“ قبضہ کرتا چلا جا رہا ہے جب کہ ”شعبۂ امن کے یہ سفیر“ مسلمانوں کو مذاکرات میں الجھا کر، قسمیں اٹھا اٹھا کر یہ یقین دلا رہے ہیں کہ ”ہمارے ساتھ اس جنت میں تم بھی ہمیشہ ہمیشہ امن کے ساتھ رہو گے، بلکہ بادشاہ بن کے رہو گے___ امن کا یہ بے خار پھل چکھ لو اور نفرت کی باتیں چھوڑ دو!“ یہ بتاتے ہیں کہ ”ہمیں ہمارے ”سیاست دانوں“ جیسا نہ سمجھو۔ ہم دنیا میں امن چاہتے ہیں، پوری انسانیت کو ایک سا دیکھنا چاہتے ہیں، ہمارے ساتھ مل بیٹھو اور جو کرنا ہے تو ہم سے شکوہ کرو، ہم تمہاری ہی آواز ہیں!“ یہ مغربی دانشور در اصل بین الاقوامی جمہوریت کی عالمی حزبِ اختلاف ہے، جو پوری دنیا کی مخالفِ مغرب آوازوں کو مظاہروں، سیمیناروں، کانفرنسوں، اعلامیوں کی شکل میں مجتمع کرتے ہیں اور پھر اس سارے غم و غصے کو ان ”جمہوری مطالبات“ پر مرتکز کر کے، اس کی ساری شدت کو تحلیل کر دیتے ہیں کہ: ”مغرب کے ”کچھ حکمران“ ایسے اور ایسے ہیں، یہ سب زیادتی ہو رہی ہے، تمام انسانوں کو مل بیٹھنا ہو گا، ہم سب مل کر فلاں فلاں ”عالمی قوانین“ کے تحت ظلم کے خلاف جدوجہد جاری رکھیں گے“___ اور بس!

پہلا فائدہ مغرب کو اس سے یہ ہوتا ہے کہ اس عالمگیر حزبِ اختلاف کی قیادت خود ان کے اپنے بندوں کے ہاتھ میں رہتی ہے۔ دوسرا یہ کہ مسلمانوں کا اشتعال، اطمینان کی تھپکی کھا کر آئندہ کچھ دنوں کے لیے ٹھنڈا ہو جاتا ہے۔ تیسرا اور اہم ترین فائدہ انھیں یہ ہوتا ہے کہ مسائل کا حل ”وحی کی روشنی“ میں نکلنے کے بجائے___ کافروں مسلمانوں کی ”مشترکہ تجاویز“ کی شکل میں سامنے آتا ہے۔ دو چار ممالک (بلکہ صرف ان کے چند علامتی رہنماؤں) کی مذمت کے ساتھ ساتھ___ فتنے کے خاتمے کے لیے جانیں دینے والے، جہاد کرنے والے غرباء کی کبھی کھلے اور کبھی چھپے مذمت بھی ہو جاتی ہے۔ ”انتہاء پسندی“ کو مزید شرمسار کیا جاتا ہے، ”اعتدال پسندی“ کی تکریم بڑھ جاتی ہے، حربی اقوام کی پالیسیاں وہیں رہتی ہیں، کفار سے امن و سلامتی کے پیمان باندھے جاتے ہیں جب کہ مسلمانوں کا خون___ پہلے کی طرح یا اس سے کچھ اور زیادہ بہہ جاتا ہے۔ اُحد کے ایک مشکل دن میں کفار کی جانب سے مسلمانوں کو ایسی ہی کوئی دعوتِ امن دی گئی تھی۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے اہلِ اسلام کو صاف صاف بتا دیا تھا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنۡ تُطِيۡعُوا الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا يَرُدُّوۡكُمۡ عَلٰٓى اَعۡقَابِكُمۡ فَتَنۡقَلِبُوۡا خٰسِرِيۡنَ○ بَلِ اللّٰهُ مَوۡلٰٮكُمۡ‌ وَهُوَ خَيۡرُ النّٰصِرِيۡنَ (سورۃ آلِ عمران:۱۴۹۔۱۵۰)

”اے ایمان والو! اگر تم کافروں کی باتیں مانو گے تو وہ تمھیں تمہاری ایڑیوں کے بل پلٹا دیں گے، (یعنی تمھیں مرتد بنا دیں گے) پھر تم نامراد ہو جاؤ گے۔ (یہ نہیں) بلکہ اللہ ہی تمہارا دوست ہے اور وہی سب سے بہتر مددگار ہے۔“

ماضی، حال اور مستقبل کے کفار کی نفسیات کو سمجھنے کے لیے ہمارے پاس سب سے پہلا ماخذ اللہ کی کتاب ہے، جو ہمیں تنبیہ کرتے ہوئے کہتی ہے:

فَلَا تُطِعِ الۡمُكَذِّبِيۡنَ○وَدُّوۡا لَوۡ تُدۡهِنُ فَيُدۡهِنُوۡنَ (سورۃ القلم:۸۔۹)

”پس تم جھٹلانے والوں کا کہنا نہ ماننا، وہ تو چاہتے ہیں کہ تم ذرا ڈھیلے پڑو تو وہ بھی ڈھیلے پڑ جائیں۔“

(باقی صفحہ نمبر 35 پر)

اے خاک نشینو اٹھ بیٹھو، وہ وقت قریب آ پہنچا ہے
جب تخت گرائے جائیں گے، جب تاج اچھالے جائیں گے
اب ٹوٹ گریں گی زنجیریں، اب زندانوں کی خیر نہیں
جو دریا جھوم کے اٹھے ہیں، تنکوں سے نہ ٹالے جائیں گے
کٹتے بھی چلو، بڑھتے بھی چلو، بازو بھی بہت ہیں، سر بھی بہت
چلتے بھی چلو، کہ اب ڈیرے منزل ہی پہ ڈالے جائیں گے

مسلمانوں کے ساتھ موالات، کفار کے ساتھ دشمنی اور مسلمانوں کے لیے راہِ عمل!

شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ

بقیۃ السلف، امامِ عزیمت، امیر المجاہدین، شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ نے بیسویں صدی کے آغاز میں جہاد و اقامتِ دین و اقامتِ خلافۃ علی منہاج النبوۃ کی عالمی تحریک المعروف 'تحریکِ ریشمی رومال' کو منظم کیا اور دس برس تک خونِ جگر سے اس کی آبیاری فرمائی لیکن دنیوی طور پر وہ تحریک بظاہر کامیاب نہ ہو سکی اور نتیجتاً حضرت شیخ الہند اُس وقت کے 'گوانتاناموبے' مالٹا کے جزیرے میں قید میں ڈال دیے گئے اور وہاں چار سال تک رہے۔ حضرت شیخ الہند کی ذیل میں شائع کی جا رہی تقریر میں 'الولاء والبراء' کا موضوع بھی ہے اور 'اہلِ ایمان کے لیے عمل کی راہ' کا اہم تر موضوع بھی، جس میں آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اہلِ ایمان کو تین کام کرنے کو کہا ہے: 'اول، اپنے مسلمان مظلوم بھائیوں کی نصرت و اعانت، دوم، مقامات مقدسہ کی حفاظت، سوم، خلیفۃ المسلمین کے اقتدار کی برقراری میں کوشش، خلافت اسلامیہ کے استحکام کی سعی کرنا'[تیسرے نقطے کو سقوطِ خلافت کے بعد اقامتِ خلافت بھی کہا جا سکتا ہے، بلکہ حق تو یہ ہے کہ اگر بوقتِ تقریر (۱۹۲۰ء میں) شیخ الہند خلافت کی موجودگی میں استحکامِ خلافت کی بات کر رہے ہیں تو سقوطِ خلافت کے بعد تو اقامتِ خلافت فی نفسہٖ خود فریضہ ٹھہرتا ہے]۔ آج بعض حضرات، شیخ الہند ہی کے بقول 'جو کسی خوف کی وجہ سے جو ان کے دلوں پر مسلط ہو گیا ہے'، دین کا عملی طور پر کچھ اور 'بیانیہ' اور 'تعبیر' پیش کرتے ہیں۔ ذیل میں شائع کی جانے والی حضرت شیخ الہند کی تقریر ایسے لوگوں اور ان کے پھیلائے شبہات کا بھی کافی وشافی رد کرتی ہے اور کمال تو یہ ہے کہ شیخ الہند نے یہ تقریر مالٹا کے جزیرے سے رہائی پانے کے بعد فرمائی ہے، گویا کہ قید و بند کی صعوبتیں آپ کا پایۂ استقلال بفضل اللہ ہلا نہ سکیں اور آپ اسی منہجِ سلفِ صالحین پر قائم رہے جس کے اتباع کی پاداش میں آپ قید کیے گئے تھے۔ تحدیثِ نعمت اور اہلِ حق کی نشاندہی کے طور پر یہ عرض کرنا بھی موزوں ہے کہ آج سے سو برس قبل حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً اقامتِ دین اور دین پر عمل کا جو 'منہج' بیان کر رہے ہیں یہی منہج آج عالمی تحریکِ جہاد کا بھی ہے، وہ عالمی تحریکِ جہاد جو ایک طرف دعوت و جہاد کے محاذ آج کے طاغوتِ اکبر امریکہ کے خلاف عالمی طور پر برپا کیے ہوئے ہے تو دوسری طرف اسی عالمی جہاد کا ایک رخ یمن و صومالیہ تا افغانستان و قبائل پاکستان میں اس عالمی طاغوت کے مقامی ٹوڈیوں اور غلاموں کے خلاف بھی جنگ آزما ہونا ہے، بالکل اسی طرح جیسے سو برس قبل عالمی طواغیت کی ٹھیکے داری برطانیہ کے پاس تھی تو عرب میں مقامی ٹوڈی و غلام شریفِ مکہ تھا اور حضرت شیخ الہند ان کے نافذ نظاموں کو غیر اسلامی قرار دیتے ہوئے ان کے خلاف جد و جہد کا وعظ و حکم فرما رہے تھے۔ بالکل آج بھی وہی صورتِ حال ہے، بلکہ صورتِ حال سو سالوں میں سو گنا بدتر ہو چکی ہے۔ آج عالمی ٹھیکے داری امریکہ کے پاس ہے تو مقامی طور پر کہیں ابنِ سلمان بیٹھا ہے تو کہیں ابنِ زاید، کہیں قطری تمیم، کہیں مصری سیسی، کہیں اسی شریفِ مکہ کی براہِ راست نسل کا اردن میں عبد اللہ اور کہیں للأسف 'سیّد' پرویز مشرف سے 'سیّد' عاصم منیر تک۔ یہ وہی جنگ ہے، بس چہرے مہرے بدلے ہیں۔ اور جس طرح جنگ وہی پرانی ہے، اسی طرح اس جنگ کے تقاضے بھی وہی پرانے ہیں۔ شیخ الہند کے مقام پر کبھی عبد اللہ عزام ہوتا ہے، کبھی ملا عمر و اختر منصور ہوتا ہے تو کبھی اسامہ بن لادن اور ایمن الظواہری۔ دیدۂ بینا سے شیخ الہند، نوّر اللہ مرقدہٗ، کی ذیل میں شائع کردہ تقریر پڑھیے اور دعوت و جہاد کے میدانوں میں اس طرح اتریے جیسا کہ اللہ نے شریعتِ محمدی (علی صاحبہا ألف صلاۃ وسلام) میں سالکینِ شریعت کے لیے فرض کیا ہے! (مدیر)

رہا یہ سوال کہ ہندوستان کے مسلمانوں کو بیرونِ ہند کے مسلمانوں کے ساتھ ایسا کون سا شدید تعلق ہے جس کی وجہ سے ان پر سات سمندر پار کے رہنے والوں کی جانی اور مالی امداد فرض ہو جائے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اسلام نے اپنے پیروؤں اور کلمہ گوؤں کے درمیان ایک ایسا رشتۂ اتحاد و اخوت قائم کیا ہے جو تمام قومی مصنوعی اتحادات سے بالاتر ہے اس میں قومیت اور لباس اور رنگت کا امتیاز نہیں صرف خدائے واحد پر ایمان لانا ایک مغربی شخص کو اقصائے مشرق میں رہنے والے کا بھائی بنا دیتا ہے اور ان بعدُ المشرقین کے رہنے والوں کے درمیان وہ تمام تعلقات قائم ہو جاتے ہیں جو ایک بھائی کو دوسرے بھائی کے ساتھ حاصل ہوتے ہیں۔

حضرت حق جل شانہٗ قرآن مجید میں ارشاد فرماتے ہیں:

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ (سورۃ الحجرات:۱۰)

یعنی ''تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں''۔

اور حضور ﷺ کا ارشاد ہے:

''إن حقاً على المؤمنين أن يتوجع بعضهم بعض كما يألم الجسد للرأس.'' (كنز العمال)

''مسلمانوں پر لازم ہے کہ ایک دوسرے کے لیے ایسے درد مند ہوں جیسے سر کے درد میں باقی اعضائے بدن دکھ پاتے ہیں۔''

دوسری جگہ ارشاد ہے کہ:

''المؤمنون كرجل واحد إن اشتكى عينه اشتكى كله وإن اشتكى راسهٗ اشتكى كلهٗ.'' (رواه أحمد)

''تمام مسلمان مثل ایک جسم ہیں اگر آنکھ میں درد ہو تو تمام بدن دکھ اٹھتا ہے اور سر میں درد ہو تو تمام بدن تکلیف پاتا ہے۔''

اسی طرح ایک مسلمان کے درد اور دکھ سے تمام مسلمانوں کو درد اور تکلیف پہنچنا ضروری ہے۔ خدائے تعالیٰ کے پاک فرمان اور رسول اللہ ﷺ کے مقدس ارشاد سے صاف ثابت ہو گیا کہ ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان کے درد سے اسی قدر صدمہ ہونا چاہیے جس قدر ایک عضو کی تکلیف سے دوسرے اعضاء کو تکلیف ہوتی ہے اور اس مثال سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ ایمان اسی وقت کامل ہو گا جب کہ ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان کی تکلیف سے ایسی ہی بے اختیاری اور اضطراری طور پر تکلیف پہنچے جس طرح ایک عضو کی تکلیف سے دوسرے اعضاء کی تکلیف بے اختیاری اور اضطراری ہوتی ہے۔ ایک اور حدیث میں ارشاد فرمایا ہے:

"المسلم أخو المسلم لايظلمه ولا يسلمهٗ" وفي رواية المسلم "ولا يظلمه ولا يخذله ولا ينصره".

"ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے نہ اس پر ظلم کرے نہ اسے دشمن کے پنجہ میں چھوڑدے" اور صحیح مسلم میں دوسری روایت ہے کہ "نہ اس پر ظلم کرے اور نہ اس کی نصرت ومدد سے منہ موڑے اور نہ اسے حقیر کرے"۔

ایک اور حدیث میں ارشاد فرمایا:

"مَا مِنِ امْرِئٍ يَخْذُلُ مُسْلِمًا فِي مَوْطِنٍ يُنْتَقَصُ فِيهِ مِنْ عِرْضِهِ، وَيُنْتَهَكُ فِيهِ مِنْ حُرْمَتِهِ إلا خَذَلَهُ اللَّهُ فِي مَوْطِنٍ يُحِبُّ فِيهِ نُصْرَتَهُ، وَمَا مِنِ امْرِئٍ يَنْصُرُ مُسْلِمًا فِي مَوْضِعٍ يُنْتَقَصُ فِيهِ مِنْ عِرْضِهِ، وَيُنْتَهَكُ فِيهِ مِنْ حُرْمَتِهِ إلا نَصَرَهُ اللَّهُ فِي مَوْطِنٍ يُحِبُّ فِيهِ نُصْرَتَهُ۔" (شرح السنة)

"جو مسلمان کسی دوسرے مسلمان کی ایسے موقع پر مدد نہ کرے جہاں اس کی بے عزتی کی جاتی ہو اور آبرو پامال ہوتی ہو تو خدا اس کی اس جگہ مدد نہیں کرے گا جہاں یہ خدا کی مدد چاہتا ہے اور جو مسلمان کسی مسلمان کی ایسی جگہ مدد کرے جہاں اس کی عزت خراب کی جاتی ہے اور بے آبرو ہورہی ہے تو خدا اس کی جگہ مدد کرے گا جہاں یہ اس کی مدد چاہتا ہے۔"

یہ خدائے برتر اور اس کے پاک رسول ﷺ کے صریح فرمان ہیں اور یہ مقدس مذہب اسلام کے جلیل القدر احکام ہیں، جن کی وجہ سے ہندوستان کے مسلمان اپنے سمندر پار کے دینی بھائیوں کی امداد واعانت کو اپنا دینی پاک فریضہ سمجھتے ہیں۔ اور اعتقاد رکھتے ہیں کہ اگر ہم نے اس دردناک مصیبت میں بھی ان کی بات نہ پوچھی، کانوں میں تیل ڈالے بیٹھے رہے اور ان کو دشمنوں کا تختۂ مشق بن جانے کے لیے چھوڑ دیا اور ان کی امداد واعانت میں امکانی کوشش نہ کی تو قیامت کے دن خدائے جلیل وجبار کے قہر سے چھٹکارا مشکل ہے۔

مسلمانانِ عالم بغیر کسی معاہدہ کے رشتۂ اخوت میں منسلک ہیں

اسلام سے پہلے قومی زندگی قائم رکھنے اور بنی نوع کی ہمدردی حاصل کرنے کے لیے اقوام عالم کے ہاں کیا طریقہ تھا؟ وہ ایک دوسرے کے ساتھ حِلف یعنی معاہدہ کرلیتے تھے اور دونوں معاہد قومیں ایک دوسرے کی مددگار ہوتی تھیں ایک دوسرے کی طرف سے دشمنوں سے لڑتی تھیں۔ معاہدے کی یہ رسم غیر مسلم اقوام میں آج تک جاری ہے، اسلام نے حلف یعنی 'معاہدۂ نصرت' کو مسلمانوں کے آپس میں غیر ضروری قرار دیا، مگر غیر ضروری قرار کا منشا یہ نہ تھا کہ مسلمانوں کو متفقہ قومی طاقت یا باہمی معاونت کی ضرورت نہیں بلکہ اس کی وجہ یہ تھی کہ مسلمانوں کو خود ان کے پاک مذہب نے باہمی نصرت واعانت کی ایسی مضبوط زنجیر میں جکڑ دیا ہے جو انسانی 'معاہدۂ نصرت' سے کہیں زیادہ مضبوط اور استوار ہے۔ جس وقت کسی شخص نے کلمہ کہہ لیا اسی وقت سے وہ مسلمانوں کا بھائی ہوگیا۔ خواہ وہ اقصائے مغرب کا رہنے والا ہو یا منتہائے مشرق کا گورا ہو یا کالا، کچھ تفاوت نہیں۔ بات یہ ہے کہ معاہدہ کرنے والے معاہدہ سے تین فائدے حاصل کرتے تھے، اول یہ کہ ایک معاہد دوسرے کے حملے سے محفوظ ہوجاتا تھا، دوسرے یہ کہ کسی تیسرے حملہ آور دشمن کے ساتھ مل کر لڑنے کا خطرہ نہیں رہتا تھا، تیسرے یہ کہ اگر یہ کسی دشمن پر حملہ کرے تو معاہد اس کی مدد کرے۔ یہ تینوں باتیں ہر مسلمان پر اسلام لاتے ہی فرض ہوجاتی ہیں۔

پہلی بات

مثلاً پہلی بات کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے حملے سے محفوظ ہوجائے اس کے متعلق ارشاد ہے:

"سباب المسلم فسق وقتاله كفر۔" (بخاری)

"مسلمان کو گالی دینا فسق اور اس پر حملہ کرنا کفر ہے۔"

دوسری حدیث میں فرمایا:

كل المسلم على المسلم حرام دمه وماله وعرضه۔ (مسندِ احمد)

"مسلمان کو دوسرے مسلمان کے جان ومال اور آبرو پر حملہ کرنا حرام ہے۔"

تیسری حدیث میں ارشاد ہے:

"الا لاترجعن بعدی كفاراً يضرب بعضكم رقاب بعض۔" (ترمذی)

"دیکھو میرے بعد کافروں کی طرح نہ ہوجانا کہ ایک دوسرے کی گردن مارو۔"

اور حق تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے:

وَمَن يَقْتُلْ مُؤْمِناً مُّتَعَمِّداً فَجَزَآؤُهُ جَهَنَّمُ خَالِداً فِيهَا وَغَضِبَ اللّهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهُ وَأَعَدَّ لَهُ عَذَاباً عَظِيماً○ (سورۃ النساء:۹۳)

”جو شخص کسی مسلمان کو قصداً قتل کر دے تو اس کا بدلہ جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس پر خدا کا غضب اور لعنت نازل ہو گی اور اس کے لیے خدا تعالیٰ نے بڑا عذاب مہیا کیا ہے۔“

دوسری بات

اور دوسری بات کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کی جانب سے یہ خوف نہ کرے کہ وہ میرے دشمن کے ساتھ ہو کر میرے اوپر حملہ کرے گا اس کے متعلق ارشاد ہے:

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِن دُونِ الْمُؤْمِنِينَ (سورۃ آلِ عمران:۲۸)

”مسلمان کافروں کو اپنا دوست مسلمانوں کے خلاف نہ بنائیں کہ کفار کی طرف ہو کر مسلمانوں سے لڑیں۔“

تفسیر ابن جریر میں اسی آیت کی تفسیر میں لکھا ہے۔

”ومعنی ذالک لاتتخذوا ایها المؤمنون الكفار ظهراً وانصارا توالونهم على دينهم وتظاهرونهم على المسلمين۔“ (ابن جریر)

”معنی اس آیت کے یہ ہیں کہ اے مسلمانو! کفار کو اپنا مدد گار اور حمایتی نہ بناؤ کہ ان کافروں سے تم ان کے دین میں دوستی کرو اور ان کی مسلمانوں کے خلاف مدد کرو۔“

تیسری بات

تیسری بات کہ اگر مسلمان کسی دشمن اسلام پر حملہ کرے تو تمام مسلمان اس کی مدد کریں اس کے متعلق حضور ﷺ کا صاف و صریح ارشاد موجود ہے کہ

”المؤمنون ید علی من سواهم۔“ (ابوداؤد)

”تمام مسلمان دشمنان اسلام کے مقابلہ میں ایک ہی ہاتھ ہیں۔“

یعنی دشمنان اسلام کے مقابلہ میں تمام مسلمانوں کو اس طرح متفقہ طاقت سے کام لینا چاہیے کہ گویا ان سب کی حرکت ایک ہاتھ کی حرکت ہے۔ پس جبکہ مسلمانوں کے لیے رسمی معاہدے کی تمام ذمہ داریاں صرف اسلام لانے سے حاصل ہو جاتی ہیں تو مسلمان کو مسلمان سے معاہدہ کرنے کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہی۔ رہا مسلمانوں کا کسی دوسری قوم سے معاہدہ کرنا اور جب تک کوئی دوسرا فریق بدعہدی نہ کرے اس پر قائم رہنا، یہ علیحدہ چیز ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ آج کل دنیا کی وہ قومیں جو اپنے رسمی معاہدوں کو واجب الاحترام سمجھتی ہیں آیا ان کو یہ حق ہے کہ وہ مسلمانوں کو اس آسمانی معاہدے اور مذہبی حِلف سے روک دیں یا یہ کہہ سکیں کہ ہندوستان کے مسلمانوں کو ٹرکی[۲] یا عراق یا شام کے مسلمانوں سے کیا واسطہ یہ خواہ مخواہ کیوں اس کے لیے چیخ و پکار کرتے ہیں؟ ہم تمام ایسے لوگوں سے بآنگ دہل کہے دیتے ہیں کہ مسلمانوں میں باہمی نصرت و معاونت کا معاہدہ انسانی معاہدہ نہیں ہے بلکہ خدائے قدوس کے قائم کیے ہوئے معاہدے تمہیں مجبور کرتے ہیں کہ امریکہ والے آکر یورپ میں تمہاری مدد کریں اور ان کی یہ مدد تمہارے آئین و انصاف کے خلاف نہ سمجھی جائے تو مسلمانوں کو ان کا خدا ان کا رسول ﷺ ان کا پاک مذہب حکم کرتا ہے کہ وہ اپنے دینی بھائیوں کی مدد کریں خواہ وہ کہیں کے رہنے والے ہوں۔ کسی انسانی قانون اور طاقت کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ مسلمانوں کو ان کے مذہبی فرائض سے روکے یا ان کی جائز مذہبی جدوجہد کو غیر آئینی قرار دے۔

مسلمانوں کی بے چینی کے اسباب

یہاں یہ سوال پیدا ہو گا کہ وہ کون سے واقعات ہیں کہ جنہوں نے مسلمانوں کو اس قدر بے چین و مضطرب کر دیا ہے اور کیا اسباب ہیں کہ جن کی وجہ سے بیرون ہند کے رہنے والے بھائیوں سے ہمدردی اور اعانت فرض ہو گئی ہے۔ اس کا جواب دینے اور سننے کے لیے پتھر کا دل اور فولاد کا کلیجہ درکار ہے۔ اور اس کی تفصیل کے لیے بہت زیادہ وقت کی ضرورت ہے اس لیے اول اپنے ضعف کی وجہ سے دوسرے اس لیے بھی کہ بہت سے واقعات اور مظالم اخباروں اور تقریروں کے ذریعے سے عالم آشکارا ہو چکے ہیں میں صرف چند جملوں پر اختصار کرتا ہوں۔

معزز حاضرین!

دنیائے اسلام میں گزشتہ چند صدیوں سے سلطان ٹرکی کی واحد سلطنت اسلامی شوکت کی ضامن تھی اور حرمین محترمین، بیت المقدس، عراق وغیرہ کے تمام اماکن مقدسہ و مقامات محترمہ کی حفاظت کی کفیل تھی، جمہور اہل اسلام کے اتفاق سے سلطان ٹرکی خلیفۃ المسلمین مانے جاتے تھے اور خلافت کے فرائض نہایت خوبی سے انجام دیتے تھے ان کا عروج و ترقی اور ان کی سلطنت کی وسعت جابر و غاصب مسیحی سلطنتوں کی آنکھ میں کانٹے کی طرح کھٹکتی تھی اور وہ ہمیشہ اسی طرح فکر میں لگی رہتی تھی کہ خلیفۃ المسلمین کا اقتدار گھٹایا جاوے اور مستقر خلافت پر قبضہ کر کے یورپ سے اسلام کا نام و نشان مٹا دیا جاوے۔ اگرچہ سلطان ٹرکی پر ان مسیحی

[۲] حضرت شیخ الہند نوّر اللہ مرقدہٗ نے اس تقریر میں 'ترکی' جسے آج کل 'ترکیہ' کہا جاتا ہے کے لیے 'ٹرکی' ہی استعمال کیا ہے۔

بھیڑیوں کے درمیان بالکل بتیس دانتوں میں ایک زبان کی مثل صادق تھی مگر خلیفۃ المسلمین کی اسلام کے لیے جانبازانہ مقاومت ان غاصبوں کی متعصبانہ خواہشیں پوری نہ ہونے دیتی تھی۔ تاہم ان دشمنان اسلام کے دندان غریب ٹرکی کے بدن میں سے گوشت کے لوتھڑے نوچتے رہے اور ۱۸۷۷ء سے تو اس لوٹ کھسوٹ کا متواتر ایک سلسلہ قائم ہوگیا۔ مصر جیسازرخیز علاقہ جزیرہ قبرص، طرابلس، سالونیکا، یونان، بلغاریہ، سربیا، البانیاوغیرہ ٹرکی علاقے یکے بعد دیگرے ان ظالموں کی جوع الذئب کی بھینٹ چڑھ گئے اور یہ ان بڑے بڑے لقموں کو ایسا ہضم کر گئے کہ ڈکار تک نہ لی۔ یہاں تک کہ جنگ عظیم چھڑ گئی۔ جس کا واحد سبب طمع ملک گیری تھا کچھ ایسے اسباب پیدا ہوگئے کہ ٹرکی کو بھی شریک جنگ ہونا پڑا۔ اور شریک بھی اس فریق میں جو برطانیہ سے برسرپیکار تھا۔ اس وقت تمام عالم کے مسلمان جس مصیبت میں مبتلا ہوئے اور بالخصوص برطانوی حکومت میں رہنے والے مسلمانوں کو جو مشکلات پیش آئیں اس کو خدائے علیم وحکیم ہی بہتر جانتا ہے۔ برطانوی مدبرین نے اپنی مسلمان رعایا کی تسلی کے لیے وقتاً فوقتاً چند اعلان شائع کئے جن میں مسلمانوں کو اطمینان دلایا کہ ان کے مقامات مقدسہ پر کوئی آنچ نہ آئے گی۔ اور مستقر خلافت پر کوئی معاندانہ قبضہ نہ کیا جائے گا۔ اگرچہ مسلمانوں کا ان وعدوں پر یقین کر کے مطمئن ہو جانا ایک سخت غلطی تھی جس کا تلخ ترین مزہ آج ان کے روحانی ذائقے کو تلخ بنا رہا ہے۔ لیکن واقعہ یوں ہے کہ مسلمان اس وعدے پر مطمئن ہوگئے اور سلطنت برطانوی کی جانی ومالی امداد کر کے شاندار فتح حاصل ہونے کے باعث بنے شاطرین برطانیہ نے جیسے ہی ہوا کا رخ اپنے موافق دیکھا فوراً عیاری کے داؤ چلنے لگے اور تمام دنیا کی مہذیب قوموں کی آنکھوں میں خاک ڈال کر تمام وعدے نسیاً منسیاً کر دیے۔

مقامات مقدسہ پر قبضہ کر لیا، مستقر خلافت یعنی قسطنطنیہ کو فوجی قبضہ میں دبوچ لیا، سمرنا پر یونانیوں کو قبضہ دلا دیا، عرب کو ترغیب اور لالچ دے کر خلیفۃ المسلمین سے باغی بنا دیا، ٹرکی فوجوں سے ہتھیار رکھوا لیے اور اس غریب کو زمانہ التوا میں بے دست وپا کر کے نہایت ذلت آمیز شرائط صلح پر دستخط کرنے کے لیے مجبور کیا شرائط صلح میں خاص طور پر اقتدار خلافت کو زائل کرنے والی شرطیں لگائی گئیں۔ اور تمام دیگر مسلمان رعایا کا خلیفۃ المسلمین سے مذہبی سرپرستی کا تعلق منقطع کر دیا گیا۔ ولی عہد ٹرکی کو حراست میں کر لیا اور اسی قسم کے ہزاروں غیر منصفانہ سلوک کیے گئے ان لڑائیوں میں شام، عراق، عرب، سمرنا، ٹرکی کے مسلمانوں پر مصیبت کے پہاڑ توڑے گئے، لاکھوں مسلمان قتل کیے گئے لاکھوں عورتیں بیوہ اور بچے یتیم ہوئے، ہزاروں کلمہ گو خانہ ویران ہو کر وطن سے بھاگ نکلے اور آج غیر ملکوں میں سڑکوں اور میدانوں پر بے یارومددگار پڑے ہوئے ہیں سینکڑوں کے بدن پر کپڑا اور جان بچانے کے لیے قوت لایموت بھی میسر نہیں۔ سمرنا میں ہزاروں بے گناہ قتل کر دیے گئے، عورتوں کی عصمت دری کی گئی۔ یہ ہیں وہ روح فرسا اور جاں سوز واقعات جنہوں نے تمام عالم کے مسلمانوں کو بے چین کر دیا ہے اور جس کے دل میں ذرا سا بھی ایمان باقی ہے وہ سیماب وار بے قرار ہے اور اپنا شرعی اخلاقی اور قانونی حق سمجھتا ہے کہ اپنے مظلوم بھائیوں کی نصرت واعانت کے لیے اٹھ کھڑا ہو اور جس طرح ممکن ہو اپنے بھائیوں کو دشمن کے نرغے سے نکالے اور ان کے پنجۂ ظلم سے نجات دلائے۔

اخوت ایمانی کی ایک عالم گیر لہر اٹھی اور طرفۃ العین میں مشرق سے مغرب تک اور جنوب سے شمال تک دوڑ گئی سوتے ہوؤں کو بیدار کر دیا بیداروں کو اٹھا کر کھڑا اور کھڑے ہوؤں کو بے محابا دوڑا دیا۔ حجرہ نشین زاہد، کتاب کے کیڑے طالب علم، مدرسوں میں درس دینے والے برق تقریر عالم، دکانوں میں بیٹھنے والے تاجر، اسباب ڈھونڈنے والے مزدور، سب ایک صف میں آکر کھڑے ہوگئے۔

مسلمانوں کے فرائض مقامات مقدسہ کے احترام اور خلافت اسلامیہ کے استحکام کے لیے سعی کرنا

اس کے بعد دوسرا فریضہ حمایت مذہب اور اماکن مقدسہ کا احترام باقی رکھنے کے متعلق ہے جو مسلمانوں پر ان کے پاک مذہب نے عائد کیا ہے حضور ﷺ کی وہ آخری وصیت جو دنیا سے تشریف لے جاتے وقت مسلمانوں کو فرمائی تھی وہ یہ تھی

”اخرجو المشركين من جزيرة العرب“

”مشرکین کو جزیرہ عرب سے نکال دو“

اور دوسری روایت میں ہے کہ

”اخرجو اليهود والنصارىٰ من جزيرة العرب“

”یہود اور نصاریٰ کو جزیرہ عرب سے نکال دو“

ان احکام میں تمام مسلمان مخاطب ہیں عرب وعجم کی کوئی تفریق نہیں، شامی یا ٹرکی یا ہندی کا کوئی امتیاز نہیں۔ ان احکام کی وجہ یہ ہے کہ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ اسلام کے اصلی سرچشمے ہیں، حجاز کی مقدس سرزمین پہلی جگہ ہے کہ جہاں سے توحید ربانی کا آفتاب طلوع ہوا اور اس کے ذروں کو روشن کر کے ہر ذرے کو دنیا کے مختلف حصوں کے لیے ایک ایک آفتاب بنا دیا۔ اس پاک اور مقدس سرزمین پر اسلام کے حقیقی جاں نثاروں اور خدائے پاک کی توحید پر جان قربان کرنے والوں کے خون کے محترم قطرے گرے ہیں اور انہوں نے نہایت جلیل القدر قربانیوں کے بعد ان مقامات کو کفر وشرک کی نجاست سے پاک کیا ہے۔ پس اس لیے کہ جزیرۂ عرب اسلام کا اصلی سرچشمہ ہے، آفتاب توحید کا مطلع ہے، اسلامی شوکت کا مرکز اور تجلیات الٰہی کا مظہر ہے، اس میں خدا کے سب سے زیادہ مقدس اور محبوب رسول ﷺ کی آرام گاہ ہے، اس میں دنیا کا سب سے پہلا توحید کا عبادت خانہ ہے، اس کے ریگستان کے ذرے صحابہ کے

خون سے سیراب کیے گئے ہیں، اس میں اسلام کے جدِ اعلیٰ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی یادگاریں ہیں۔ ضروری ہے کہ کسی غیر طاقت اور دشمن اسلام سلطنت کے قبضے اور تسلط سے پاک رہے۔ کیا تین خدا ماننے والوں، کیا مادی قوت کے پرستاروں، کیا دنیا کی تمام سرزمین کو اپنی جاگیر سمجھنے والوں سے یہ توقع کی جاسکتی ہے کہ ان کے تسلط اور قبضے کے بعد رسول پاک ﷺ کی روضہ مطہرہ کا احترام اور بیت الحرام کی حرمت باقی رہے گی اور دشمنان توحید اس کی تقدیس و تعلیم کو اپنے نقطۂ خیال سے ضروری سمجھیں گے؟ رعایا کے مذہبی جذبات سے خوف کھا کر اور عام ہیجان کے خطرے سے دفعتاً کوئی ایسی بات نہ کریں جس سے عالم اسلامی میں ایک دم طوفان برپا ہو جائے تو یہ اور بات ہے لیکن کوئی تجربہ کار جسے یورپین طاقتوں کی اس مذہبی عصبیت کا تجربہ ہے جس کی وجہ سے برطانیہ کے ذمہ دارارا کین، فتح بیت المقدس کو شاندار صلیبی فتح قرار دیتے ہیں اور سالونیکا پر یونانیوں کے قبضے کے وقت یہ کہہ کر خوشی مناتے ہیں کہ یورپ میں عیسائی مذہب کے داخل ہونے کا پہلا دروازہ پھر عیسائیوں کے پاس آگیا۔ مسلمان ایک منٹ کے لیے مطمئن نہیں ہو سکتا کہ ان دوست نما اعدائے اسلام کے تسلط کے بعد بھی مقاماتِ مقدسہ کی حقیقی حرمت باقی رہ سکتی ہے۔ بہت سے ظاہر بین مسلمان بھی اس دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں کہ انگریزی تسلط کے بعد حج جاری رہے گا بلکہ آرام و آسائش کے سامان زیادہ ہو جائیں گے۔ میں ان حضرات سے صرف اسی قدر عرض کرتا ہوں کہ آپ نے ایک ظاہری سفر کو حقیقی حج سمجھ لیا ہے اور ظاہری سفر کے آرام و آسائش کو حضور قلب اور اخلاص و حلاوت ایمانی کی جگہ دے دی ہے اور پھر ظاہری آرام و آسائش کا بھی آپ کو تجربہ ہو جائے گا، ابھی ذرا ٹھہر جایئے اور یہ سنہرا طوفان جو خود غرضی اور عیاری کے ساتھ عرب کی سطح پر محیط ہو گیا تھا ذرا کھل جانے دیجیے پھر آپ کو آرام و آسائش کا بھی پتہ چل جائے گا۔

یہاں پر یہ کہا جاتا ہے کہ حجاز پر انگریزی قبضہ نہیں ہے بلکہ شریف مکہ کی حکومت ہے میں عرض کروں گا کہ شریف مکہ کی حکومت کی حقیقت بھی واقف کار نظروں سے پوشیدہ نہیں ہے۔ بھلا وہ شریف جس نے اپنے قدیمی ولی نعمت اور واجب الاحترام آقا اور مفروض الطاعۃ خلیفۃ المسلمین سے ایک مسیحی طاقت کی ترغیب اور راطبہ فریبی کی وجہ سے بغاوت کی ہو، وہ شریف جو انگلستان کا وظیفہ خوار ہو، وہ شریف جو مسیحی سرداروں کی تصویر کو سینہ سے لگاتا ہو، وہ شریف جو خدا کے مقدس جائے امن سے مسلمانوں کو گرفتار کر کے کفار کے حوالے کر دے، کیا اس کی حکومت صحیح معنوں میں اسلامی حکومت ہو سکتی ہے اور اس کا نام نہاد اقتدار اسلامی اقتدار کہلاسکتا ہے؟ حاشا وکلا۔ الغرض بیت المقدس، حجاز کی مقدس سرزمین، عراق، عرب یہ سب مسلمانوں کے اماکن مقدسہ ہیں، مستقر خلافت یعنی قسطنطنیہ اور ایڈریانوپل قدیم اسلامی یادگاریں ہیں۔ ان تمام مقامات کو اسلامی شوکت و وقار کا مرکز اور خلافت اسلامیہ کا محور ہونے کی وجہ سے مذہبی احکام کے بموجب غیر مسلم اثر سے پاک وصاف رکھنا مسلمانوں کا مذہبی فریضہ ہے یہاں تک اس کا بیان تھا کہ اس وقت مسلمانوں کے مذہبی فرائض کیا ہیں گزشتہ بیان سے معلوم ہو گیا کہ وہ فرائض یہ ہیں:

۱. اپنے مسلمان مظلوم بھائیوں کی نصرت و اعانت
۲. مقامات مقدسہ کی حفاظت
۳. خلیفۃ المسلمین کے اقتدار کی برقراری میں کوشش، خلافت اسلامیہ کے استحکام کی سعی کرنا۔

مسلمانوں کے ادائے فرائض کی صورت

اب سوال یہ ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں کے لیے ان فرائض کے ادا کرنے کی کیا سبیل ہے؟ میں پہلے یہ گزارش کرنا چاہتا ہوں کہ جہاں تک مجھے معلوم ہے نہ صرف ہندوستان بلکہ اقصائے عالم میں کوئی ایک مسلمان بھی ایسا نہ ہو گا جو ان فرائض کی واقعیت سے منکر ہو بلکہ اس میں تردد اور شبہہ رکھنے والا بھی غالباً کوئی متنفس نہ نکلے۔ یہی وجہ ہے کہ ہندوستان کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک ایک تلاطم برپا ہے۔ ہر شخص بے چین اور مضطرب ہے۔ خلافت کمیٹیوں کی کثرت اور عام قومی مظاہروں اور جلسوں کی نوعیت اس کی بیّن دلیل ہے۔ مگر بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو کسی خوف کی وجہ سے جو ان کے دلوں پر مسلط ہو گیا ہے اس فریضے کے عائد ہونے میں طرح طرح کے شبہات نکالتے ہیں یا کسی دنیوی طمع اور لالچ اور اپنی سنہری روپہلی مصلحتوں کے باعث حیلے حوالے تراشتے ہیں۔

مسلمانوں کا اولین فرض ہے کہ وہ دشمن اسلام کو دشمن کے مرتبہ میں رکھیں اور ایسے تعلقات جو میل جول اور دوستی اور محبت پیدا کرنیوالے ہیں ایک دم چھوڑ دیں اس اخلاقی جنگ کا نام ترکِ موالات ہے جس کے متعلق قرآن پاک میں صریح احکام موجود ہیں۔ حق تعالیٰ نے سورۃ ممتحنہ میں ارشاد فرمایا:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ

”ایمان والو! میرے اور اپنے دشمن کو دوست اور مددگار نہ بناؤ۔“

اس آیت میں حضرت حق تعالیٰ نے مسلمانوں کو دشمنان خدا اور دشمنان اہل اسلام کے ساتھ موالات کرنے سے منع فرمایا ہے اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ جس وقت نبی کریم ﷺ نے غزوہ فتح مکہ کا ارادہ فرمایا اور اس کا سامان ہونے لگا تو حاطب بن ابی بلتعہ صحابی نے مشرکین عرب کو ایک خفیہ اطلاع کا خط لکھا جس میں انکو متنبہ کیا گیا تھا کہ رسول خدا ﷺ تمہارے اوپر حملہ کی تیاریاں کر رہے ہیں تم اپنا بھلا برا سوچ لو۔ چونکہ قریش کے ساتھ ان کا کوئی نسبتی تعلق نہ تھا اس لیے انہوں نے چاہا کہ میں ان کے ساتھ یہ احسان کر دوں اور اس کے بدلے میں وہ میرے اہل و عیال اور جائیداد وغیرہ کی جو مکہ میں ہے حفاظت کریں۔ حضور ﷺ کو

وحی سے اطلاع ہو گئی اور راستہ میں سے وہ خط پکڑا گیا اس پر حق تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ اس میں کئی باتیں خاص توجہ کے لائق ہیں اول یہ کہ اس میں حضرت حق تعالیٰ نے عَدُوِّی وَعَدُوَّکُمْ فرمایا ہے جس میں صاف طور پر سمجھا جاتا ہے کہ دشمنان خدا اور دشمنان اہل اسلام سے ترک موالات کا حکم دینے کی علت ان کی عداوت اور دشمنی ہے۔ تو جہاں کہیں عداوت اور دشمنی موجود ہو گی وہاں ترک موالات کا حکم اسی طرح عائد ہو گا جس طرح آیت شریفہ کے نزول کے واقعہ میں ہوا تھا۔ دوسرے یہ کہ حاطبؓ بن ابی بلتعہ نے کفار مکہ کی محبت یا قلبی میلان یا ان کے کفر سے راضی ہونے کی وجہ سے یہ کام نہ کیا تھا بلکہ محض ایک دنیوی مصلحت کی وجہ سے کیا تھا اور مصلحت بھی ایسی کہ ان کے اہل و عیال کی حفاظت کی اور کوئی سبیل نہ تھی کیونکہ وہ دشمنوں کے تسلط کے مقام میں تھے گویا ان کا یہ خبر دینا دشمنوں کی ایک خدمت (محافظت جائیداد اور اہل و عیال) کا معاوضہ تھا باوجود اس کے حضرت حق تعالیٰ نے اس کو موالات سے تعبیر فرمایا۔ اور ممانعت کا حکم بھیجا۔

تیسرے یہ کہ حاطب رضی اللہ عنہ کا یہ فعل یعنی خبر دینا کفار مکہ کی کوئی مادی مدد کرنا نہ تھا بلکہ صرف ان کو ان کے برے انجام سے خبردار کرنا اور اپنی نجات کا طریقہ سوچ لینے کے لیے ہلاکت کا وقت سر پر آنے سے پہلے موقعہ بہم پہنچانا تھا۔ مگر صرف اتنی بات کو بھی حق تعالیٰ نے موالات ممنوعہ میں داخل فرما کر موالات کی ممانعت کا حکم نازل فرما دیا۔ حاطب رضی اللہ عنہ کے اس خفیہ خط کے یہ الفاظ اس مضمون پر پوری روشنی ڈالتے ہیں:

> ”ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یریدکم فخذوا حذرکم۔“(خازن)

> ”رسول اللہ ﷺ تمہارے اوپر حملہ کا ارادہ فرما رہے ہیں تو تم اپنا بچاؤ اختیار کر لو۔“

اور جب حضور ﷺ نے ان سے دریافت کیا کہ کیوں حاطب یہ کیا حرکت کی تھی؟ تو انہوں نے جواب دیا:

> ”مافعلته کفراً ولا ارتداد عن دینی ولا رضا بالکفر بعد الاسلام۔“

> ”حضور ﷺ میں نے یہ کام کفر کی وجہ سے یا اسلام سے پھر جانے کے باعث یا اسلام لانے کے بعد کفر کے ساتھ راضی ہونے کے سبب سے نہیں کیا۔“

> ”کان اهلی بین ظهرانیهم فخشیت علی اهلی فاردت ان اتخذنی عندهم یداً وقد علمت ان اللہ تعالیٰ ینزل بهم باسهٔ وان کتابی لا یغنی عنهم شیئاً۔“ (خازن)

> ”میرے اہل و عیال کفار مکہ کے نرغہ میں تھے، مجھے ان کی جان کا خوف تھا تو میں نے چاہا کہ ان کے ساتھ ایک احسان کر دوں اور بیشک میں جانتا تھا کہ خدا تعالیٰ ان کافروں پر اپنا عذاب نازل کرے گا اور میرے خط سے انہیں کوئی فائدہ نہ پہنچے گا۔“

چوتھے یہ کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے حاطب رضی اللہ عنہ کے اس فعل کو نکث بیعت اور مظاہرت سے تعبیر فرمایا۔

> لکنه قد نکث وظاهرا اعدائک علیک۔ (ابن جریر طبری)

> ”یا رسول اللہ ﷺ اس (حاطب رضی اللہ عنہ) نے اسلام کی بیعت توڑ دی اور آپ ﷺ کے خلاف آپ کے دشمنوں کی مدد کی“

اس کے بعد حضرت حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔

> اِنَّمَا يَنۡهٰٮكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيۡنَ قَاتَلُوۡكُمۡ فِى الدِّيۡنِ وَاَخۡرَجُوۡكُمۡ مِّنۡ دِيَارِكُمۡ وَظٰهَرُوۡا عَلٰٓى اِخۡرَاجِكُمۡ اَنۡ تَوَلَّوۡهُمۡ‌ ۚ وَمَنۡ يَّتَوَلَّهُمۡ فَاُولٰٓـئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوۡنَ(الممتحنه)

> ”حق تعالیٰ تم کو ایسے لوگوں کی موالات سے منع کرتا ہے جو تم سے مذہبی لڑائی لڑے اور (جنہوں نے) تم کو تمہارے گھروں سے نکالا اور نکالنے والوں کے مددگار ہوئے اور جو لوگ ان سے موالات کریں گے وہ ظالم ہیں۔“

جن کافروں میں یہ تین چیزیں پائی جائیں ان کی موالات کو یہ آیت حرام قرار دیتی ہے (مگر یہ مطلب نہیں ہے کہ جن کافروں نے یہ کام کیے ہوں ان کے ساتھ مدت العمر موالات حرام ہے اس لیے ان کاموں کے کرنے والے جب مسلمان ہو جائیں تو ان کی گزشتہ کارروائیاں اسلام لاتے ہی کالعدم ہو جاتی ہیں یا ان سے مسلمان صلح کر لیں تو صلح کی شرائط کی تکمیل ضروری ہوتی ہے جیسے کفار مکہ سے صلح حدیبیہ کی شرائط کے ماتحت حضور ﷺ نے ان مسلمانوں کو واپس کر دیا جو کفار مکہ ان کی قید سے کسی طرح نکل کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے):

اول: مسلمانوں سے دینی لڑائی۔

دوم: مسلمانوں کو گھروں سے نکالنا اور خانہ ویران کرنا۔

سوم: نکالنے والوں کی مدد کرنا۔

پہلی بات: مسلمانوں سے دینی لڑائی

پہلی بات کہ برطانیہ کی مسلمانوں سے مذہبی لڑائی تھی یا نہیں برطانیہ کے وزیر اعظم کے ان الفاظ سے جو جنرل ایلن بی کو فتح بیت المقدس کی مبارکباد دیتے وقت کہے گئے تھے اور اس فتح کو شاندار صلیبی فتح قرار دیا گیا تھا، صاف ظاہر ہے اور ٹرکی کے ساتھ التواء جنگ اور صلح کے شرائط پر نظر ڈالنے سے موٹی نظر والے کو بھی حقیقت حال نظر آ جاتی ہے۔ تھریس پر یونانیوں کو قبضہ دلانا، قسطنطنیہ پر قبضہ کر لینا، اپنے صریح وصاف وعدوں کی خلاف ورزی کرنا، سمرنا میں یونانیوں کے مظالم کو نہ روکنا، یہ تمام چیزیں ایسی ہیں کہ انکے بعد کسی کو اس بات میں شبہ باقی نہ رہ سکتا کہ ترکوں کے ساتھ صرف ان کے مسلمان ہونے کی وجہ سے یہ تمام ناانصافیاں روا رکھی گئی ہیں۔

دوسری و تیسری بات: مسلمانوں کو گھروں سے نکالنا

قسطنطنیہ اور اس کے اطراف سے ہزاروں محبان وطن نکل بھاگے، خود ولی عہد سلطنت نے اسلامی حمیت کی وجہ سے کئی مرتبہ نکلنے کا ارادہ کیا۔ مگر ان کو سخت حراست میں کر دیا گیا۔ یونانیوں کے مظالم سے ہزاروں مسلمان سمرنا سے گھر بار چھوڑ کر بھاگے قسطنطنیہ سے بہت سے معززین اور مقتدر افراد کو جلاوطن کر کے مالٹا وغیرہ میں بھیج دیا گیا یہ تمام واقعات ہیں جن سے اخراج من الدیار اور مظاہرت علی الاخراج میں کوئی شبہ باقی نہیں رہتا۔ مالٹا میں ٹرکی کے بہت سے مقتدر افراد میری موجودگی کے زمانے میں نظر بند تھے۔

پس جبکہ یہ تینوں باتیں سلطنت برطانیہ کے ذمہ دار وزراء کی طرف سے واقع ہو گئیں تو اب بھی کسی مسلمان کو برطانیہ کے ساتھ موالات کے حرام ہونے میں کوئی شبہ ہو سکتا ہے۔ رہا یہ شبہہ کہ موالات اور چیز ہے اور معاملہ اور چیز ہے۔ آیت موالات کو منع کرتی ہے نہ کہ معاملات کو۔ تو میں کہوں گا کہ ہاں موالات کے مفہوم کے لحاظ سے فرق ضرور ہے لیکن موالات کے مفہوم میں قربت اور نزدیکی پیدا کرنے والے تعلقات اور باہمی نصرت و معاونت کے تمام ارتباطات لغوی معنی کے لحاظ سے داخل ہیں پس تمام ایسے معاملات جن کی وجہ سے دشمن کے ساتھ میل جول، ربط و اتحاد بڑھے ایسے معاملات جو ان کی معاندانہ طاقت کو بڑھائیں ایسے تعلقات (فوجی ملازمت وغیرہ) جو مسلمانوں کی ہلاکت اور شوکت اسلامیہ کے مٹانے میں دخل رکھتے ہوں ایسے روابط جن کی وجہ سے انہیں موقع ملے کہ مسلمانوں کی رضامندی پر استدلال کر سکیں۔ ایسے مراسم جن سے ان کے ساتھ محبت والفت کا اظہار ہوتا ہو۔ براہ راست یا بالواسطہ موالات ممنوعہ محرمہ میں داخل ہیں حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کے واقعہ کو بغور دیکھا جائے۔ اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی ایمانی عینک سے مشاہدہ کیا جائے تو پھر کوئی شبہہ واقع نہیں ہو سکتا۔ اس کی تفصیل کا یہ وقت نہیں ہے اس لیے صرف اس قدر پر اکتفا کرتا ہوں۔

دوسرا شبہہ یہ کیا جاتا ہے کہ مسلمان ترک موالات سے تکلیف اور نقصان اٹھائیں گے اس کے جواب میں بھی مختصراً یہ واقعہ ذکر کر دینا کافی سمجھتا ہوں کہ جس وقت یہود بنو قینقاع سے مسلمانوں کی لڑائی ہوئی تو عبادہ بن صامت انصاری رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

> قال عبادة ان لی اولیآء من الیهود کثیر عددهم شدیدة شوکتهم وانی ابراء الی الله والی رسوله من ولایتهم وحلفهم ولامولی لی الاالله ورسوله وقال عبدالله ابن ابی لکنی لا ابراء من ولاءِ یهود انا رجل لا بدلی منهم (ابن جریر وخازن)

”حضور ﷺ میری یہود کی ایسی جماعت سے موالات تھی جن کی تعداد بہت ہے اور طاقت زبردست ہے آج میں ان کی موالات سے دست برداری کرتا ہوں اور اب خدا اور رسول ﷺ کے سوا میرا کوئی مولا نہیں۔ اس پر عبداللہ بن ابی (منافق) بولا میں تو یہود کی موالات سے دست برداری نہیں کر سکتا۔ کیونکہ میری تو ان کے بغیر گزر مشکل ہے۔“

اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْیَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰۤی اَوْلِیَآءَ

”ایمان والو! یہود اور نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ اور ان سے موالات نہ رکھو۔“

اور منافقین کا یہ قول کہ ہمیں تکالیف اور مصیبتیں پہنچنے کا خوف ہے، جواز موالات کے لیے کافی نہ ہوا اور ان کو موالات کی اجازت نہ دی گئی۔ بلکہ ایسے لوگوں کے بارے میں حضرت حق تعالیٰ نے فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فرمایا ہے اور ان کے اس قول کا کہ ہمیں تکلیفیں اور مصیبتیں پہنچنے کا خوف ہے یہ جواب دیا کہ عنقریب حق تعالیٰ اپنی طرف سے مسلمانوں کی فتح یا اور کوئی مہتمم بالشان امر ظاہر کرے گا۔ جس سے یہ تمام ڈرنے والے اپنے نفسانی منصوبوں پر نادم ہو جائیں گے۔

آج بھی ایک میدان عمل آپ کے سامنے ہے ابتلاء وامتحان کی کڑی منزل درپیش ہے مگر آپ دور نہ جائیں صرف اپنے آقائے نامدار خاتم النبیین کے حالات پر غور کریں۔ آپ ﷺ کو مشرکین عرب نے اس قدر سخت تکلیفیں پہنچائیں کہ الامان والحفیظ۔ مگر آپ ﷺ تمام جان گزار تکلیفوں کو نہایت استقامت کے ساتھ برداشت فرماتے رہے اور اپنے فرضِ تبلیغ کو جاری رکھا۔ یہاں تک کہ کفار مکہ نے آپ کے قتل کا منصوبہ باندھ کر آپ ﷺ کے مکان کا محاصرہ کر لیا۔ اس وقت آپ ﷺ خدا تعالیٰ کے حکم سے مکان چھوڑ کر تشریف لے گئے۔ اور تین دن غار ثور میں رہ کر مدینہ منورہ چلے گئے۔ وہ زمانہ مسلمانوں کے لیے سخت ابتلاء و آزمائش کا زمانہ تھا مسلمانوں کی تعداد نہایت قلیل اور مالی حالت نہایت تنگی کی تھی۔ مگر ان کے ایمان پختہ

اور قلب مطمئن تھے۔ ان کی صداقت و استقامت کی برکت تھی کہ کفار کے تمام منصوبے خاک میں مل گئے۔ اور خوار و ذلیل ہو کر مغلوب ہوئے اور خدا کا نور تمام دنیا میں پھیل گیا۔

مسلمانوں کی کامیابی یقینی ہے

میری عرض اس بیان سے صرف یہ ہے کہ آج اگر مسلمانوں کے ایمان پختہ ہو جائیں اور خدا تعالیٰ کے وعدہ نصرت وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ پر ان کو پورا بھروسہ ہو جائے اور تکالیف کی برداشت میں ذرا صبر و استقامت سے کام لیں تو ان کی کامیابی یقینی ہے۔ کیونکہ آج دنیا میں مسلمانوں کی تعداد چالیس کروڑ ہے جس میں سے صرف ہندوستان میں ساڑھے سات کروڑ آباد ہیں۔ اگر یہ سب متفقہ طور پر اسلامی خدمت کیلیے صبر و استقامت کی ڈھال لے کر کھڑے ہو جائیں تو کیا کوئی طاقت ہے جو توحید کی بجلی پر غالب آ جائے۔ دشمنان خدا ہمیشہ اسلام اور مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے مٹا دینے کی کوشش کرتے رہے ہیں۔ لیکن خدا تعالیٰ کی نصرت اور توفیق سے مومنین کی قوت ایمانی اور استقامت ہمیشہ ان کی کوششوں کے سامنے سد سکندری ثابت ہوئی ہے۔ اسلام خدا کا نور ہے جو ان کور چشموں کی معاندانہ پھونک سے کبھی نہیں بجھ سکتا۔

فرزندان توحید! آج تمہارے ایمان اور اخلاص کا امتحان لیا جا رہا ہے خدا تعالیٰ دیکھ رہا ہے کہ کون اس کے جلال و جبروت کے سامنے سر جھکاتا ہے اور کون ہے جو دنیا کی ناپائیدار ہستیوں کے خوف سے خدا کی امانت میں خیانت کرتا ہے۔ اگر تم کو میدان محشر میں خدا کے سامنے پیش ہونا ہے، اگر تم کو رسول پاک ﷺ کی شفاعت کی آرزو ہے، تو اس کے پاک دین کی حفاظت کرو، اس کے مقدس احکامات کی اطاعت کرو، اس کی امانتِ توحید کو برباد نہ ہونے دو اور اس کی دی ہوئی عزت کو حقیقی عزت سمجھو۔ اسلام صرف عبادات کا نام نہیں ہے بلکہ وہ تمام مذہبی تمدنی، اخلاقی، سیاسی ضرورتوں کے متعلق ایک کامل و مکمل نظام رکھتا ہے جو لوگ زمانہ موجودہ کی کشمکش میں حصہ لینے سے کنارہ کشی کرتے ہیں اور صرف حجرہ میں بیٹھ رہنے کو اسلامی فرائض کی ادائیگی کے لیے کافی سمجھتے ہیں۔ وہ اسلام کے پاک و صاف دامن پر ایک بدنما دھبہ لگاتے ہیں ان کے فرائض صرف نماز روزہ پر منحصر نہیں۔ بلکہ اس کے ساتھ ہی اسلام کی عزت برقرار رکھنے اور اسلامی شوکت کی حفاظت کرنے کی ذمہ داری بھی ان پر عائد ہوتی ہے۔

علماء کا فرض

جماعتِ علماء جو حقیقتاً مسلمانوں کے مذہبی قائد ہیں، ان کا فرض ہے کہ اس وقت موقع کی نزاکت اور اہمیت کو نظر انداز نہ کریں آپس کے نزاع اور اختلاف میں پڑ کر اصل مقصود کو خراب نہ کریں ورنہ مسلمانوں کی خرابی اور بربادی کی تمام تر ذمہ داری انہیں پر عائد ہو گی۔ علمی تدقیقات کے لیے آپ کے واسطے بہت سے میدان کھلے ہوئے ہیں۔ عبادات و ریاضت کے لیے بہت سی راتیں آپ کو بلا شرکت غیرے حاصل ہیں۔ مگر جو کام جبل احد اور میدان بدر میں ہوا وہ مسجد نبوی جیسی مقدس جگہ کے مناسب نہ تھا۔

برطانیہ اور مذہبی آزادی

معزز حاضرین! برطانیہ کا یہ دعویٰ کہ وہ کسی کے مذہبی امور میں مداخلت نہیں کرتا آپ ہمیشہ سنتے آئے ہیں، مگر میں پوچھتا ہوں کہ کیا ہندوستان کے مسلمان اپنے مذہبی امور میں آزادی کے ساتھ عمل کر سکتے ہیں؟ کیا سلطنت کا زبردست پنجہ ان کا گلا گھوٹنے کے لیے ہر وقت تیار نہیں ہے؟ آج مولوی ظفر علی خاں اور مولوی لقاء اللہ، صوفی اقبال احمد، مولوی محمد فاخر اور اسی طرح دوسرے فرزندان ہند کس جرم میں قید خانوں میں بند ہیں؟ کیا انہوں نے مذہبی احکام کی تبلیغ کے سوا اور کوئی گناہ کیا تھا۔ کیا مسلمانوں کے مذہبی احکام کے فتوے ضبط نہیں ہوئے کیا مسلمانوں کی ہزاروں خواتین کو اپنے نکاح و طلاق کے مقدمات میں غیر مسلم عدالتوں کے سامنے جا کر اسلامی احکام کے خلاف فیصلے کرانے پر مجبور نہیں کیا؟ شفعہ و قبضہ مخالفانہ وغیرہ کے قوانین شریعت اسلامیہ کے موافق ہیں؟ یہ تمام چیزیں ہیں جن کی پوری نگہداشت جمعیۃ العلماء کے اہم فرائض میں سے ہے۔

اسی طرح مذہبی تعلیم کے لیے مفید نظام قائم کرنا اور تمام اسلامی درسگاہوں کو ایک سلسلہ میں منسلک کرنا بھی علماء کے ضروری فرائض میں داخل ہے۔ درسگاہوں کو ایک سلسلے میں منسلک کرنا بھی علماء کے ضروری فرائض میں داخل ہے۔ اسلامی اوقاف کا وسیع و عریض سلسلہ بھی ایک خاص نظم کا محتاج ہے۔ غرض کہ بہت سی اسلامی ضروریات ہیں جو علماء کے ایک مرکز پر جمع نہ ہونے کی وجہ سے منتشر حالت میں ہیں۔ قبل اس کے کہ میں اپنے بیان کو ختم کروں آپ حضرات سے ایک التجا کرتا ہوں وہ یہ کہ ہر حال میں خدائے قدوس پر بھروسہ رکھیں اور اپنی تدبیر کو تدبیر ہی کے مرتبہ میں سمجھیں اسلامی احکام کی تعمیل کریں اور مذہبی فرائض ادا کرنے کا مضبوط اور مستحکم عہد باندھ لیں۔ خدا کی رحمت نیک بندوں کے ساتھ رہتی ہے اور اس کا رحم ضعیفوں اور خدا پر بھروسہ رکھنے والوں کی مدد کرتا ہے۔

دعا

اے زندہ اور قدوس خدا، اے ارحم الراحمین، اے شہنشاہ رب العالمین ہمارے گناہوں سے درگزر فرما اور ہمارے ضعف و ناتوانی پر رحم کر، ہمیں اعمال صالحہ کی توفیق دے اور اپنے دین کی خدمت کے لیے ہمارے دل مضبوط کر دے، ہماری کلائیوں میں طاقت عنایت فرما، ہمارے اور اپنے دشمنوں کو ہلاک کر، حق کو فتح اور باطل کو شکست دے، آمین یا ارحم الراحمین!

(جمعیۃ العلماء کے دوسرے سالانہ جلسے (۱۹ تا ۲۱ نومبر ۱۹۲۰ء) میں وفات سے ایک سال قبل صدارتی خطاب)

’’مسلم صہیونیت‘‘ایک نیا ابھرتا ہوا فتنہ!

رضی الدین سیّد

قارئین کے لیے ’’عیسائی صہیونیت‘‘ یا ’’کرسچن زائنزم‘‘ کی اصطلاح وقت کی تبدیلی کے ساتھ اب نئی نہ رہی ہو گی۔ کم از کم امریکہ میں تو یہ بہت تیزی کے ساتھ پھیل ہی چکی ہے۔ یہ ایک جدید پھیلتا ہوا نظریہ ہے جس پر خود معروف امریکی مصنفہ گریس ہال سیل، اپنی کتاب ’’فورسنگ گاڈس ہینڈس‘‘ (’’خوفناک جدید صلیبی جنگ‘‘) میں بہت عرصے قبل ہی حیران کن تفصیلی انکشافات کر چکی ہیں۔ اس نے بتایا ہے کہ آج کے دور میں کل کے ’’یہودیوں کے خون کے پیاسے عیسائی‘‘ اب آگے بڑھ کر ان سے بھی زیادہ یہود دوست ہو گئے ہیں اور پورا فلسطینی علاقہ یہودیوں کو دینے کے حق میں مسلسل عالمی دباؤ ڈال رہے ہیں جو چوطرفہ بھی ہے۔ ایک طرف وہ اپنے امریکی عیسائیوں کو متاثر کر رہے ہیں تو دوسری طرف کانگریس، سینیٹ، امریکی صدور اور مسلم حکومتوں تک کو دباؤ میں لا رہے ہیں۔ مصنفہ کے کیے گئے انکشافات وہ ہیں جن سے ہماری تمام مسلم حکومتوں کے کان بہت زیادہ کھڑے ہونے چاہییں۔ لیکن افسوس کہ کسی بھی مسلم حکمران طبقے کو مطالعے اور غور و فکر سے دلچسپی ہی نہیں ہے۔ دنیا کے بدلتے ہوئے سنگین حالات اور مسلمانوں کے خلاف تابڑ توڑ مسلط کی جانے والی جنگوں کی اصل وجوہات دریافت کرنے سے وہ بالکل ہی انجان بنے بیٹھے ہیں۔

امریکہ میں مسلمانوں کا ایک جدید تحقیقی ادارہ بنام ’’اسلاموفوبیا اسٹڈیز سینٹر‘‘ کے نام سے برکلے، کیلی فورنیا میں کام کر رہا ہے۔ دنیا بھر کے مسلمانوں کو وہ اپنی تحقیقات سے مسلسل چوکنّا اور آگاہ کر رہا ہے کہ غیر مسلم عیسائی و یہودی قوتیں مسلمانوں کے خلاف عرصۂ دراز سے بہت دورس، بہت تیز اور بہت گہری سازشوں میں مصروفِ عمل ہیں۔ اس لیے ہر سمت اور ہر حکومت سے انہیں بہت محتاط و چوکنّا رہنا ہو گا۔ کیونکہ ان کا ناپاک ارادہ یہی ہے کہ مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے یکسر مٹا دیا جائے۔ ادارے نے بہت دلائل کے ساتھ واضح کیا ہے کہ انہی گہری سازشوں کے باعث بڑھتی ہوئی عیسائی صہیونیت کے ساتھ اب ایک نئی صہیونیت مزید اُبھر کے سامنے آ رہی ہے جس کا نام حیرت انگیز طور پر ان قوتوں نے ’’مسلم صہیونیت‘‘ رکھا ہے۔ اس کا آغاز فی الحال مشرقِ وسطیٰ سے ہوا ہے جب تمام مسلم عرب خطے، ماسوائے ایک دو کے، خونی و سیاسی یہودیوں کے آگے گھٹنے ٹیک چکے ہیں۔ اسرائیل کے ساتھ سفارتی تعلقات قائم کرنے کے ساتھ انہوں نے اسی دیگر سہولیات بھی عطا کی ہیں۔ افسوس ناک طور پر اس نئے دائرے میں شامل ہونے کے لیے پاکستان بھی وقتاً فوقتاً پر پُرزے نکالتا رہتا ہے جس کے لیے فیلرس (fillers) چھوڑے جاتے ہیں تاکہ رائے عامہ کی ذہن سازی کی جا سکے۔ مسلمان اور صہیونیت کے ہمدرد؟ سنتے ہی بہت عجیب سا لگتا ہے، لیکن حقیقت یہی ہے۔ ہمارے سامنے یہ صہیونیت مسلسل مصروفِ عمل ہے۔ صہیونیت کے پھیلاؤ کی خاطر یہودیوں کے ساتھ مسلمان بھی اب ان کا ساتھ دیں گے، ہزاروں برس سے موجود مسلم فلسطینیوں کو قتل کریں گے، اور قبلۂ اول بیت المقدس کو شہید کر کے ان کے ہزار سال قبل مسمار شدہ ہیکل کی تعمیر میں مدد دیں گے[1]۔

مذکورہ تحقیقاتی ادارے نے بتایا ہے کہ جنگِ عظیم اول کے بعد جب خلافت عثمانیہ کی بندر بانٹ ہو رہی تھی، تو یروشلم کو برطانیہ کے زیر انتظام دے دیا گیا تھا۔ بے تحاشہ بمباری ہو رہی تھی اور شہر کے مقدس مقامات کا تحفظ مشکل ہوتا جا رہا تھا۔ شہر کا چارج لینے والا برطانوی کمانڈر جنرل ’’ایڈمنڈ ایلن بی‘‘ یروشلم شہر میں پیدل داخل ہوا اور برسرِ عام اعلان کیا کہ ’’آج جا کر صلیبی جنگوں کا خاتمہ ہوا ہے‘‘۔ اس دور کے وزیر اعظم برطانیہ ’’لائیڈ جارج‘‘ نے یہی بات دہرائی کہ ’’آج کے دن برطانوی شہریوں کے لیے یروشلم کی فتح، کرسمس کا ایک بڑا تحفہ ہے‘‘۔ واضح رہے کہ یہ ۱۶/ اور ۱۷ دسمبر ۱۹۱۷ء کی بات ہے۔ دوسری طرف ایک اور برطانوی اخبار نے سلطان صلاح الدین ایوبی کے دشمن رچرڈ شیر دل کی تصویر لگائی، جو صہیون کی پہاڑی سے نیچے یروشلم شہر کو جھانک رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ ’’میرا خواب آج پورا ہو گیا‘‘۔ ادھر برطانوی فوج نے بھی انہی الفاظ کے ایک خفیہ میمو کا اجرا کیا تھا۔ لیکن بعد میں اس سے یہ الفاظ حذف کر دیے گئے تھے، کیونکہ برطانوی افواج میں ایک بڑی تعداد مسلم سپاہیوں اور افسران کی بھی خدمات انجام دے رہی تھی اور برطانیہ کو خدشہ ہوا کہ کہیں ان الفاظ سے فوج میں بے چینی نہ پیدا ہو جائے۔ دوسری طرف گورنر مکہ شریف ہاشمی کو بھی برطانیہ ترکوں کے خلاف جنگ کے لیے مالی امداد دے رہا تھا۔ چنانچہ اسے اس کی جانب سے بھی عدم تعاون کے خطرے کا ادراک ہوا۔ انہی دنوں برطانوی وزارتِ اطلاعات نے یہ بھی انکشاف کیا تھا کہ جن دو کمانڈروں نے ترکی کے اس ’’سرینڈر‘‘ میں حصہ لیا تھا، وہ دراصل سابقہ ’’نائٹس‘‘ (knights) کی اولاد میں سے ہیں۔ یاد رہے کہ سابقہ دور میں صلیبی شعلے بھڑکانے میں نائیٹس سب سے آگے آگے تھے۔

یاد رہے کہ یہ فتح سیکولر سے زیادہ مذہبی تھی۔ (اسلام کے خلاف مغرب کی جتنی بھی جنگیں لڑی جاتی رہی ہیں یا اب لڑی جا رہی ہیں، ان کے بارے میں کبھی خوش فہمی میں نہیں رہنا چاہیے کہ وہ لامذہبی تھیں یا اب وہ مذہبی جذبوں سے تائب ہو چکے ہیں)۔ سو سارا یورپ یروشلم کی

[1] یہودیوں کے زعم کے مطابق ’ہیکل‘ جسے وہ ہیکل سلیمانی بھی کہتے ہیں، حالانکہ سیّدنا سلیمان علیہ و علیٰ نبینا صلاۃ وسلام نے ہیکل نے مسجد ہی بنوائی تھی۔ (ادارہ)

اس فتح سے خوش تھا اور یہودیوں کو مکمل تعاون دے رہا تھا، تاکہ وہ یہاں ٹیمپل یا صومعہ بناسکیں۔ عیسائیوں کا منشا یہ تھا کہ نیا ٹیمپل بنے تب ہی ان کے نبی عیسیٰ کی جلد آمد ممکن ہو[1]۔ برطانوی حکومت نے بھی ۱۹۱۷ء میں کنعان سرحدیں بائبل کی روشنی میں طے کر دی تھیں۔

عرب ممالک میں اسرائیل کی قربتیں بہت آگے بڑھ گئی ہیں۔ سفارت خانے کھل گئے ہیں، اسرائیلی جہاز ان کے ہاں اترنے لگے ہیں، یہودیوں کے "کوشر" ریسٹورنٹس کھل گئے ہیں، سنیما اور اسٹیج کنسرٹس رواج پاگئے ہیں۔ ایک سعودی عرب ہی باقی رہ گیا ہے جو حرمین شریفین کی موجودگی کے باعث بہت کھل کر آگے بڑھنے سے رُکتا ہے[2]۔ ورنہ عملاً تو وہ بھی اسرائیل کو قبول کر چکا ہے۔ یہ وہ حکومتیں ہیں جو اَب سے پچھتر سال پیچھے تک اسرائیل کو مسلسل غاصب اور جارح قرار دیتی تھیں۔ ان کے آبائی حکمرانوں کی تقریریں اسرائیل کے خلاف آج بھی موجود ہیں۔ مصر نے تمام عرب ممالک کی مخالفت کے باوجود ۱۹۷۷ء میں جب اسرائیل کو تسلیم کیا تھا تو عرب ممالک میں اتنی غیرت تھی کہ سب نے مل کر مصر کا بائیکاٹ کیا تھا اور وہ عرصۂ دراز تک عرب دنیا سے کٹا رہا تھا۔ یہی عرب ممالک تھے جہاں یاسر عرفات کی تنظیم اور حماس کے قائدین بھی اپنے دفاتر رکھا کرتے تھے۔ لیکن فضا اب الٹ کر یکسر اسرائیلیوں کے حق میں چلی گئی ہے۔ اسرائیل اب ان کا دوست قرار پایا ہے، جبکہ مزاحمتی تحریک حماس مجرم ٹھہری ہے۔ یہی عرب مسلم ممالک اب یہودیوں کی خاطر "مسلم صہیونیت" کو بڑھ چڑھ کر فروغ دیں گے، ویسے ہی جیسے پروٹسٹنٹ عیسائی فادرس، بڑھ چڑھ کر اپنے پیروکاروں کو اسرائیل اور مسمار شدہ ہیکل کی تعمیرِ نو کی خاطر مہم چلانے اور مالی تعاون کرنے پر اپنے چینلوں سے اکساتے رہتے اور امریکی حکومت کو اسرائیل کا مسلسل ساتھ دینے کے خطبے اور ہدایات دیتے رہتے ہیں۔ کمال اتاترک کی مانند مسلم دنیا کو یہ ایک اور بڑا دھچکا ہے۔

☆☆☆☆☆

بقیہ: میں ایک فوجی ہوں

نجانے مجھے کیا ہو گیا تھا۔ یہ سعید کی باتیں تھیں یا صبح جو کچھ مسجد میں دیکھا تھا۔ لیکن اس وقت مجھے کسی کی ضرورت تھی، جو مجھے بتاتا کہ میں صحیح ہوں، میں نے جو کچھ کیا، درست کیا۔ پچھلے ڈیڑھ ہفتے کی شدید ترین ڈیوٹی جس مقصد کی خاطر دی تھی، وہ مقصد درست تھا۔ میں نے زمین پر پڑی اپنی بندوق اٹھا کر کندھے سے لٹکائی۔ سر پر رکھی ٹوپی درست کی۔ سینے پر سجے بیجوں پر ہاتھ پھیر کر انہیں صاف کیا۔ پھر کونے میں پڑے اپنے کٹ بیگ میں سے چھوٹا سا آئینہ نکال کر اپنا عکس دیکھنے لگا۔ آئینے میں جھلکتے چہرے کی شیو حسبِ معمول بے عیب تھی۔ مگر چہرہ دھوپ میں رہ رہ کر اپنی پچھلی تازگی کھو چکا تھا اور سیاہ پڑ رہا تھا۔ آنکھوں سے بھی عجیب سی وحشت جھلک رہی تھی۔ 'میں ایک......فوجی ہوں'، میں بڑبڑایا۔

'تُو ایک قصائی ہے۔ تُو میرا پتر نہیں...... تُو قصائی بن گیا ہے افضل!'، اباجی کی نظریں مجھے ملامت کر رہی تھیں۔ مگر میں انہیں کیسے سمجھاتا، اس سال میرا ویاہ ہونا تھا۔ گھر کے لیے ایک کولر خریدنا تھا کہ گرمی بہت بڑھ گئی تھی، اورر اگر گنجائش نکلتی، تو ایک مجّ اور......

ہماری بٹالین کو واپس اپنے یونٹ جانے کا آرڈر مل گیا تھا۔ میں اپنے جوانوں کو فوجی ٹرک پر سوار کروا کر ٹرک کی اگلی سیٹ پر آبیٹھا۔ میں اگلے آرڈر کی طرف روانہ ہو چکا تھا۔

☆☆☆☆☆

علی الجهاد ما بقينا ابدًا!

مجرموں اور دشمنوں کے خلاف ہماری جنگ ایک یا دو دن کی جنگ نہیں۔ یہ جنگ تو باطل گمراہیوں کے خلاف عقیدۂ توحید کی جنگ ہے، اور سبلِ شیاطین کے خلاف سبیلِ ہُدیٰ کی جنگ ہے، اور 'طاغوت کی راہ میں لڑنے والوں' کے خلاف 'راہ خدا میں لڑنے والوں' کی جنگ ہے۔ پس یہ جنگ تو پوری زندگی پر محیط جنگ ہے۔

نحن الذين بايعوا محمدًا
على الجهاد ما بقينا ابدًا

ہمیں وہ ہیں کہ ہم نے کی ہے یہ بیعت محمدؐ سے
جہاد اب عمر بھر ہر حال میں کرتے رہیں گے ہم

شیخ مصطفیٰ ابو یزید شہید رحمہ اللہ

[1] سیّدنا مسیح عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام جو دراصل اہلِ اسلام و ایمان کے سچے نبی ہیں اور آپؑ اس شرک اور نسبت سے بری ہیں جو عیسائی ان کی طرف کرتے ہیں۔ (ادارہ)

[2] گو کہ سعودی عرب فحاشی و عریانی میں بہت آگے نکل گیا ہے، بس حمایتِ یہود سرکاری پالیسی کے طور پر 'اعلانیہ' نہیں ہو رہی۔ (ادارہ)

لال قلعے سے لال قلعے تک

مولانا ڈاکٹر عبید الرحمٰن المرابط

غلبۂ کفر کے تحت شریعت کا نفاذ!

کوئی کہہ سکتا ہے کہ مندرجہ بالا کئی مثالوں میں قانون سازی کا اتنا تعلق نہیں تھا جتنا قانون کے نفاذ کا تھا۔ اگرچہ ہم یہ اشکال بھی پیش کرتے آئے ہیں کہ اول تو قوانین ہی مطابق شریعت نہیں تھے۔ لیکن اگر دنیا کے بہترین قانون کو نافذ کرنے کے بجائے اسے توڑنے کی مبینہ کوشش ہو تو پھر کیوں مقتدرہ طاقتوں کو محض قانون لکھنے کے سبب ان خلاف ورزیوں پر معاف کیا جائے اور یہ نہ کہا جائے کہ اصل میں انہوں نے قانون لکھا ہی نہیں۔ ایسے کلمے کا کیا فائدہ اور کیا وقعت جس کے مطابق عمل کرنے کا نہ ارادہ ہو اور نہ عمل ثابت ہو۔ لیکن چلیں یہاں ہم قانون سازی کی صریح مخالفتوں کا بھی ذکر کر لیتے ہیں تا کہ اندلس میں اہل دجن کو در پیش مشکلات میں بر صغیر کے مسلمان اپنی مشکلات کو دیکھ سکیں۔ اور اندلس کے مسلمانوں کے انجام سے اپنے آپ کو بچانے کی ابھی سے کوشش شروع کر دیں۔

مکمل شریعت پر عمل درآمد کرنے میں پہلی رکاوٹ یہ بن گئی کہ شرعی قوانین کا دائرہ عائلی قوانین جیسے زندگی کے چند شعبوں تک محدود کر دیا گیا جیسے کہ موجودہ کفریہ ریاستیں ہی نہیں بلکہ اکثر مسلم قوانین کا حال ہے۔ چنانچہ مغربی روایت بتاتی ہے کہ:

> ”......۱۳ویں صدی میں مُدَجّن کی عدالتوں میں فوجداری مقدمات کو شاہی وکیل کی نگرانی میں دے دیا گیا۔“

پھر ۱۳۲۹ میں الفونسو چہارم نے عیسائی ججوں کو حکم دیا کہ وہ:

> ”......اپنا عدالتی اختیار استعمال کرتے ہوئے مسلمان قاضی کے مشورے سے سزائیں دیں۔“

مزید یہ کہ شرعی قانون کو پھر اگر شرعی اور ملکی قوانین میں تعارض ہوتا تو ملکی قوانین کو فوقیت دی جاتی۔ چنانچہ اراغون کے بادشاہ جیم دوم Jaime II نے:

> ”حکم صادر کیا کہ مسلمانوں کی جانب سے عیسائیوں کے خلاف کسی بھی قسم کے جرم کی صورت میں مسلمانوں کو اس قانون کے مطابق سزا دی جائے جس کی سزا سخت ترین ہو۔ تا کہ اُن عیسائی شکایتوں کا موقعہ ہی نہ آئے کہ شریعت کے مطابق فیصلہ کرانے سے مسلمانوں کو انتہائی نرم سزا دی جاتی ہے...... البتہ نظر یہ آتا ہے کہ فرنانڈو کے دور میں تمام مسلمانوں کو جن پر عیسائیوں کے خلاف جرم کا الزام تھا عیسائی قانون کے مطابق سزا دی جاتی رہی۔“

مزید بر آں شرعی عدالت فیصلہ دے بھی دیتی لیکن اس کے پیچھے قوت نافذہ نہ ہونے کی وجہ سے مسلمان خود شرعی عدالت کے بجائے ملکی عدالت کی طرف رجوع کرتے تھے۔

> ”مُدَجّن اپنے ہم مذہب افراد کے خلاف اکثر عیسائی عدالتوں میں جایا کرتے تھے تا کہ ضدی قرض دار اور دور دراز رہنے والوں کے خلاف شاہی انتظامیہ کو حرکت میں لا سکیں۔ اگرچہ قاضی کے فیصلے وکیل کی تائید کے بغیر بھی کچھ نہ کچھ وزن رکھتے تھے لیکن شاہی عدالت ہی فعال اور با اثر تھی۔“

بالفاظِ دیگر مُدَجّن خود کفار کے قانون کو بظاہر 'کار گر' ہونے کے سبب بہتر سمجھتے تھے۔ صرف یہی نہیں بلکہ شرعی فیصلے صادر ہو بھی جاتے تو اس وقت تک بے وقعت رہتے تھے جب تک کافر جج ان کی تائید نہ کر دیں۔

پھر مدجنوں کو ملکی عدالت سے مانوس کرنے کے لیے انصاف کی کچھ ظاہری شکلیں اپنائی گئیں اگرچہ فیصلے عیسائی قانون کے مطابق ہی ہوتے تھے:

> ”عدالتوں میں مسلمانوں کی نمائندگی عیسائی وکیل کیا کرتے تھے۔ یہ وکیل بسا اوقات مسلمان کے لیے حمایتی کونسل کا کردار بھی ادا کرتے تھے۔ وکیل اپنے مسلم موکلین کے مقدمات میں لاپرواہی اس لیے نہیں برتتے تھے کیونکہ پیشے میں کوتاہی کا نتیجہ موکل کے کھو جانے میں نکلتا تھا جو کوئی نہیں پسند کرتا۔
>
> مسلمانوں کو عیسائیوں کے خلاف الزامات لگانے پر کوئی قدغن نہیں تھی۔ چنانچہ جب (ایک مدجن خاتون) 'آسا کرسٹلی' اپنے بیٹے کے قتل کے مقدمہ میں مدعی علیہ (صلیبی جنگی سردار) گیسپر ڈی مونسورین اور اس کے محافظین پر الزام لگانے عدالت میں حاضر نہ ہو سکی تو وائسرائے نے خاتون کی دلجوئی کے لیے ایک سرکاری افسر کو خود الجماعہ بھیجا تا کہ وہ دعوی تحریر کرے۔“

نیز مسلمانوں کو غیر شرعی عدالتوں سے مانوس کرنے کے لیے چند مذہبی رسومات کو برقرار رکھا گیا چنانچہ مسلمان ملکی عدالتوں میں:

”قرآن پر قسم اٹھاتے تھے۔ عدالتی کارروائی کے ریکارڈ میں مسلمانوں کے بارے میں اکثر یہ درج ملتا ہے کہ 'وہ مشرق کی سمت اپنے خدا اور محمد کے قبلے کی طرف ہو کر مڑ گئے اور وہ الفاظ دہرائے جو مور عموماً قسم اٹھاتے ہوئے دہراتے ہیں'......“

معاملہ صرف ملکی بمقابلہ شرعی قوانین کے نفاذ کا نہ رہا بلکہ رفتہ رفتہ ایسے مدجن فقیہ پیدا ہو گئے جو ملکی قوانین سے ہم آہنگی کی خاطر نئی فقہ ایجاد کرنے لگے اور پہلا ہدف اقتصادی احکام بنے۔ چنانچہ مغربی روایت میں آتا ہے:

”اقتصادی قوانین کے معاملے میں شریعت سب سے زیادہ لچکدار اور مسلم قانون دان سب سے زیادہ مخترع پائے گئے۔“

میں 'مخترع' کے لفظ پر زور دوں گا کیونکہ اس وقت بھی علماء ایسے حیلوں میں لگے رہے جیسے کہ ہمیں آج کل اسلامی بینکاری کے معاملے میں درپیش ہیں۔

قانونی جنسی بے راہ روی

میری کوئی ارادہ نہیں تھی کہ جنسی تعلقات سے متعلق قوانین کو علیحدہ سے ذکر کروں۔ لیکن اندلس کی تاریخ پڑھنے کے بعد کوئی بھی شخص اس پہلو کو ذکر کیے بغیر نہیں رہ سکتا کیونکہ یہ مسلمانوں کو مدجن بنانے کا اور دین سے پھیرنے کا ایک اہم ذریعہ تھا۔ اور اتفاقاً گزشتہ دو سال سے دنیا بھر میں جنسی آزادی کی تحریک زور و شور سے جاری ہے۔ نو عمری میں جب قرآن کی آیات پڑھتے تھے کہ شیطان نے حضرت آدم اور حوا علیہا السلام کو جب ورغلایا تو مقصد انہیں بے لباس کرنا تھا۔ اس وقت نافہمی کی بنا پر کچھ تعجب ہوتا تھا کہ بھلا یہ کیوں۔ اور کیوں اللہ تعالیٰ نے شیطان کی چالوں سے خبردار کرتے ہوئے بتایا کہ وہ تو انسانوں میں فحش اور منکرات کو پھیلانا چاہتا ہے۔ لیکن اندلس کی تاریخ اور حال کے جائزہ کے بعد یہ کوئی تعجب نہیں رہتا۔ کہ انسانیت کو تباہ کرنے کا یہ شیطان کا اولین اور کامیاب ترین حربہ رہا ہے۔ اس لیے سمجھ میں آتا ہے کہ شریعت میں پردے اور جنسی تعلقات میں احتیاط کو اتنی اہمیت کیوں دی گئی ہے۔ جبکہ ہر باطل نظام میں اس کا الٹ ہے۔ یہ جاننے کے لیے کہ امت مسلمہ پر باطل کی حکمرانی کا یہ پہلو کوئی نیا نہیں آیئے دیکھتے ہیں کہ ہسپانیہ کے کافر حکمرانوں نے قانون کے ذریعے کیسے مسلم مدجن معاشرے میں فحاشی کے راستے کھولے۔

اراغون اور بلنسیہ کے حکمران ایسے قوانین نافذ کرتے تھے جس سے مسلمانوں کے اخلاق تباہ ہوں اور عیسائیوں کو آزادی ملے کہ مسلمان خواتین کے ساتھ جو چاہیں کرتے پھریں۔ ملکی قانون کے مطابق اگر مسلمان مرد عیسائی خاتون کے ساتھ زنا کرتا تو دونوں کو زندہ جلا کر قتل کر دیا جاتا۔ لیکن اگر عیسائی مرد مسلم خاتون کے ساتھ زنا کرتا تو عیسائی مرد پر کسی قسم کی کوئی سزا نہ تھی جبکہ مسلم خاتون پر شرعی سزا نافذ کی جاتی۔ لیکن یہ سزا بھی تقریباً ہمیشہ شاہی حکمرانوں کی طرف سے تبدیل ہو جاتی اور شرعی سزا کے بجائے خاتون کو حکم دیا جاتا کہ وہ شاہی کوٹھے میں طوائف کے طور پہ کام کرے۔ ایسا ٹیڑھا انصاف دیکھ کر انسان انگشت بدنداں رہ جائے یا شرم سے ڈوب مرے!! باعزت موت کے بجائے اس خاتون کو ایسی زندگی دی جاتی ہے جس میں عمر بھر رسوائی اور بے عزتی لکھی تھی۔ اور یہ سب تاکہ عیسائی معززین کی ہوس پوری کی جا سکے۔ چنانچہ مغربی مؤرخ ذکر کرتے ہیں کہ:

”مسلم خاتون کے ساتھ زنا کرنے والے عیسائی مرد کو کوئی سزا نہیں دی جاتی تھی۔ لیکن مسلمان خاتون کو سزا کے طور پہ تقریباً ہمیشہ غلام بنا کر بیچ دیا جاتا تھا۔ خلاصہ یہ کہ معاشرے کے کمزور افراد، یعنی کہ مسلمان مرد اور خواتین کو ان تعلقات کی سزا دی جاتی تھی جو کہ معاشرے کے طاقتور افراد، یعنی کہ عیسائی مرد قانوناً ان سے قائم کرتے۔ مسلمان خواتین کو عیسائی خواتین کی نسبت کم سزا دینے سے معلوم ہوتا ہے کہ عیسائی مرد یہ نہیں چاہتے تھے کہ اپنی تفریح پر خود پابندی لگا دیں۔“

شریعت کو بے اثر اور بے وقعت بنا کر اس کے بدلے شاہی فرامین نافذ کرنے کی وجہ سے بھیانک قانونی نتائج برآمد ہوئے جن میں سے واضح ترین مسلمان خواتین کا یہ رویہ تھا کہ وہ سنگساری سے بچنے کے لیے شاہی کوٹھوں (قحبہ خانوں) میں غلامی اور طائفہ بازی کو ترجیح دینے لگیں:

”۱۴ویں صدی کی دستاویزات میں تمام مذکورہ خواتین نے (شرعی سزا کے بجائے) غلامی کو ترجیح دی۔ چنانچہ مسلمان کنیزوں کی تجارت بہت بڑھ گئی۔ یہاں تک کہ بادشاہ کی ملکیت میں اتنی خواتین آ گئیں کہ اب اس کے مصاحبین میں دوڑ لگ گئی کہ وہ عیسائی مرد کے ساتھ زنا کرنے والی مسلمان خواتین پر اپنا حق جمائیں۔ پھر اضافی کنیزوں کو بادشاہ یا تو فروخت کر کے اپنے خزانے بھرتا۔ اور یا اپنے اہلکاروں کو بطور تحفہ پیش کرتا۔ کنیزیں اتنی زیادہ ہو گئیں کہ بادشاہ کو ان کے بجائے ان سے حاصل شدہ رقم کی حرص ہوتی تھی۔ خاتون جتنی کم عمر ہوتی اتنی قیمت زیادہ لگتی تھی۔“

بعض مصنفین کے مطابق:

”بلنسیہ کے سرکاری ریکارڈ میں طوائفوں کی اکثریت مسلمان تھی......“

ان واقعات سے خود واضح ہوتا ہے کہ مسلمان خواتین کے ساتھ زبردستی زنا کتنا عام ہو چکا تھا:

”مُدَجّن خاتون کے ساتھ زبردستی زنا کرنا کوئی غیر معمولی بات نہ تھی۔ لیکن اس معاملے کا سب سے بھیانک پہلو غلامی کے قانون کا غلط استعمال تھا۔ بادشاہ کے دربار میں کسی معزز کو وہ مسلمان خاتون بطور غلام ملتی تھی جسے اس نے خود ہی قانون توڑنے پر آمادہ کیا ہوتا تھا۔ گویا یہ دوہرا استحصال تھا۔ ۱۳۵۶ء میں پیٹر نے اپنے اختیار میں ان تمام مسلم خواتین کے 'حقوق'، جنہیں عیسائیوں کے ساتھ زنا کرتے پایا گیا روضہ نامی عیسائی ڈیرے کو دے دیے۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ وہ ان خواتین کو اپنی ذاتی خدمت کے لیے یا بیچنے کی خاطر بطور غلام رکھ سکتے تھے۔ بادشاہ نے اراغون کے اعلیٰ وکیل کو ہدایت دی تھی کہ اس فیصلہ کا احترام کیا جائے۔ لیکن اگلے سال ہی اسے اپنے ہی عطیے کے قانون میں تھوڑی سی تبدیلی لانی پڑی اور خاص طور پہ ذکر کرنا پڑا کہ راہبوں کو وہ خواتین بطور غلام نہیں دی جاسکتیں جن پر انہی راہبوں کے ساتھ زنا کا الزام ہو۔

مُدَجّن خواتین کا یہ جنسی استحصال، اپنے ہولناک نتائج سمیت، اس حقیقت کی بنا پر زیادہ افسوسناک معلوم ہوتا ہے کہ اراغون کے بادشاہ کے تابع علاقوں میں طوائفیں بے تحاشا تھیں۔ دونوں مسلمان اور عیسائی۔ ۱۴ویں صدی کے اراغونی بادشاہوں نے طوائف بازی کو پورے اراغون، قطلونیہ اور بلنسیہ میں اجازت دے رکھی تھی۔ یہاں تک کہ اس کام کے لیے مخصوص محلے یا گھر مقرر کیے گئے تھے۔ طوائف کو زندگی کا ایک عام حصہ تصور کیا جاتا تھا یہاں تک کہ جنگ کے دوران کرائے کے سپاہیوں کی جانب سے طوائفوں کی رہائش گاہوں کو کافی تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اور خصوصاً یہ کہ ایسی خواتین کو مسلمانوں کے گھروں میں رکھا جاتا تھا......“

یہاں تک کہ مسلمان مردوں کے ساتھ بھی یہی رویہ اختیار کیا گیا:

”مزید برآں مسلمانوں کے خلاف کوئی بھی الزام لگا سکتا تھا بشمول ان عیسائی خواتین کے جو اپنی رضا سے ان کے ساتھ زنا کرتی تھیں۔ جبکہ الزام لگانے والوں کو جو اسی جرم میں شریک ہوتے تھے مکمل تحفظ حاصل تھا۔“

تاریخی دستاویزات میں صرف قوانین ہی نہیں ذکر کیے گئے بلکہ مختلف مقدمات کی تفاصیل بھی درج ہیں۔ مثلاً ۲۳ جون ۱۴۹۱ کو مسلمان خاتون مریم کو بلنسیہ کی عدالت میں پیش کیا گیا۔ عدالت کے ریکارڈ کے مطابق مریم سے کی گئی تحقیق کا خلاصہ کچھ یوں ہے:

”مریم اپنے شوہر محمد جاہوپی سے تنگ تھی۔ اسے مہر بھی نقد کے بجائے اس وقت رواج کے مطابق کاغذ پر لکھے ہوئے اقرار نامے کی صورت میں دیا گیا۔ اس کی والدہ نے اسے واپس اپنے شوہر کے پاس جانے کا کہا لیکن وہ ایک مسلم دلال کے ساتھ بلنسیہ بھاگ نکلی جس نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ وہ اس سے شادی کرلے گا۔ لیکن بلنسیہ آنے کے بعد اس شخص نے ڈرایا کہ اگر یہاں حکومت کو معلوم ہوا تو مسلمانوں کے ساتھ بدسلوکی میں مشہور ایک بڑا جاگیر دار لارڈ کارڈینال کے اہلکار اسے باندی بنادیں گے اس لیے بہتر ہے کہ اسے ایک دوسرے معزز سردار ڈان الٹوبیلو کے ہاتھ فروخت کر دیا جائے جو شفیق انسان ہے تاکہ وہ لارڈ کارڈینال کے ظلم سے محفوظ رہے۔ پھر دلال نے مریم کو یقین دلایا کہ اسے بیس پاونڈ کے بدلے ڈان الٹوبیلو کے ہاتھ فروخت کر دیا گیا ہے جو اسے قحبہ خانے میں رکھے گا۔ اس نے یہ سب بامر مجبوری قبول کیا۔ بعد میں ڈان الٹوبیلو سے معلوم ہوا کہ اس نے تیس پاونڈ ادا کیے تھے۔ اسے بلنسیہ کے موریریا (مسلم محلے) کے قحبہ خانے میں رکھا گیا جہاں اسے کام کرتے ہوئے ابھی دو دن ہوئے تھے۔ وہ جو بھی کماتی ڈان الٹوبیلو کو دیتی جس نے وعدہ کیا تھا کہ وہ اس کی جان خلاصی کے لیے جمع کرتا رہے گا۔ مریم نے اقرار کیا کہ وہ اپنے اس اعتراف پر قائم ہے اور اپنی خواہش بھی ظاہر کی کہ وہ اپنے پرانے شوہر کے بجائے اپنی والدہ کے گھر جانا چاہتی ہے۔ عدالت نے فیصلہ دیا کہ مریم کو اختیار ہے وہ چاہے تو والدین یا اپنے سابقہ شوہر کے گھر چلی جائے اور چاہے تو قانونی طور پر طوائف بن جائے!!“

آپ عدالت کے اس قضیے سے خود اندازہ لگا سکتے ہیں کہ مدجنین کا غیر اسلامی قوانین کے تحت زندگی گزرانے سے ان کے معاشرے میں کتنی تنزلی واقع ہوگئی کہ مسلم علاقوں میں بھی قحبہ خانے عام ہوگئے۔ جبکہ پورے ملک میں طوائفوں کی اکثریت مسلمان خواتین بن گئیں۔

کل کا اندلس آج کا برصغیر

اندلس کی عیسائی حکومت کی طرف سے مسلمانوں کو ہدف بنانے کے لیے ایسے قوانین کی تو سمجھ میں آتی ہے۔ لیکن پاکستان جیسی کہنے کو 'اسلامی ریاست' میں اپنے ہی مسلمانوں کو اخلاق باختہ کرنے کی سمجھ کیسے آسکتی ہے۔ لیکن حقیقت یہی ہے۔ پاکستان کے مزعومہ 'اسلامی' قوانین کا جائزہ لے کر مسلم اکثریتی سیکولر بنگلہ دیش اور ہندو اکثریت ہندو پرست بھارت کی حالت کا اندازہ لگانا مشکل نہیں ہوگا۔

پاکستان بننے کے تقریباً ڈیڑھ سال بعد مارچ ۱۹۴۹ میں ایک قانون ساز اسمبلی نے قرار داد مقاصد کو منظور کیا جس کے بل بوتے پر لوگ کہتے ہیں کہ پاکستانی ریاست نے کلمہ پڑھ لیا۔ گویا پہلے ڈیڑھ سال کے لیے وہ کافر تھی اور سربراہ ریاست برطانیہ کا عیسائی بادشاہ جارج ششم ہی رہا! لیکن ذرا رکیے۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ۱۹۴۹ میں 'کلمہ' پڑھنے سے شرعی احکام نافذ ہو گئے کیونکہ پہلا آئین تو مارچ ۱۹۵۶ میں بنا تھا اور جارج ششم کے مرنے کے بعد ۱۹۵۶ تک الزبتھ دوم پاکستان کی ملکہ رہی۔ اس سے پہلے تک قرار داد مقاصد منظور ہونے کے باوجود 'گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵' کا قانون ہی لاگو تھا۔ گویا کوئی کہہ سکتا ہے کہ کلمہ پڑھنے کے بعد ۷ سال بعد اس نے اس پر عمل کرنا قبول کیا!! تو آیا کلمہ پڑھنے کے ساتھ شریعت پر عمل سے انکار کے بعد بھی شخص مسلمان رہتا ہے؟ لیکن دو سال بعد ہی اس آئین کو فوجی انقلاب کے ساتھ منسوخ کر دیا گیا!! تو آیا ریاست پھر سے مرتد ہو گئی تھی؟ پھر جا کر ۱۹۶۲ میں دوبارہ قرار داد مقاصد سمیت ایک نیا آئین مرتب کیا گیا۔ گویا تین سال بعد دوبارہ مسلمان ہو گئی۔ لیکن سال سات بعد ۱۹۶۹ میں اسے دوبارہ منسوخ کر دیا گیا۔ تو پھر سے مرتد ہو گئی؟ بالآخر ۱۴ اگست ۱۹۷۳ میں وہ آئین عملاً نافذ ہوا جس کی بنا پر کہہ سکتے ہیں کہ کافی حد تک پھر سے ریاست مسلمان ہو گئی۔ لیکن ۱۹۷۷ میں فوجی انقلاب کے ساتھ پھر سے آئین کو معطل کر دیا گیا اور ۸ سال بعد اسے بحال کیا گیا۔ اسی طرح ۱۹۹۹ میں فوجی انقلاب میں اسے دوبارہ معطل کر کے ۳ سال بعد بحال کیا گیا!! اب سمجھ نہیں آتی کہ ریاست نے کتنی دفعہ مسلمان ہونا ہے اور کتنی دفعہ مرتد؟ اور اس ملک کو کیسے اسلامی کہہ سکتے ہیں جہاں ایک شخص آ کر کبھی کلمہ پڑھ لیتا ہے کبھی انکار کر دیتا ہے۔ کبھی معطل کر دیتا ہے۔

لیکن عجیب بات یہ ہے کہ کلمہ پڑھنے کے باوجود ۳۰ سال بعد تک ریاست نے زنا پر وہ حد لاگو کرنے سے انکار کیا تھا جو اللہ تعالی نے مقرر کی تھی۔ اور اس کے بجائے برطانیہ سے وراثت میں ملی تعزیرات ہند ۱۸۹۸ ہی نافذ رہی جس کے مطابق حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب کے بقول ہمارے ''ملک میں زنا بالرضا جائز تھا''!! ۳۰ سال تک ریاست نے زنا کو جائز کر رکھا تھا لیکن اس کے اسلام پر کوئی فرق نہیں آیا؟! پھر ۳۰ سال بعد ۱۹۷۹ میں حدود آرڈیننس نافذ ہونے کے بعد ریاست نے اقرار کیا کہ ہاں کلمہ کے اقرار کے بعد اب وہ شرعی حدود بھی تسلیم کرتی ہے۔ لیکن ستم ظریفی یہ کہ ۲۶ سال حدود کے مزعومہ نفاذ کے بعد ۲۰۰۶ میں 'تحفظ حقوق نسواں بل' کی آڑ میں ریاست دوبارہ ان سے مکر گئی!! معلوم نہیں کہ اس مسلمان کا کیا حکم ہو گا جس نے اپنی ۶۷ سالہ زندگی میں صرف ۲۶ سال کے لیے شرعی حدود کو تسلیم کیا ہو؟ اور خدشہ یہ ہو کہ وہ اسی انکار پر مر ہی نہ جائے۔ ظاہر ہے ہم زنا کے ارتکاب کی بات نہیں کر رہے بلکہ زنا کے حد کی انکار کی بات ہو رہی ہے۔

اب دیکھیے حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب کی نظر میں تحفظ حقوق نسواں بل سے ریاست نے شریعت کی کون کون سی سنگین مخالفتوں کا اقرار کیا ہے:

- ''زنا بالجبر کی جو سزا قرآن و سنت نے مقرر فرمائی ہے اور جسے اصطلاح میں حد کہتے ہیں اسے اس بل میں مکمل طور ختم کر دیا گیا ہے، اس کی رو سے زنا بالجبر کے کسی مجرم کو کسی بھی حالت میں شرعی سزا نہیں دی جا سکتی، بلکہ ہر حالت میں تعزیری سزا دی جائے گی'' اور یہ ''واضح طور پر قرآن و سنت کے احکام کی خلاف ورزی ہے''۔
- حدود آرڈیننس میں ''جس جرم کو 'زنا موجب تعزیر' کہا گیا تھا اسے اب 'فحاشی' lewdness کا نام دے کر اس کی سزا کم کر دی گئی ہے اور اس کے ثبوت کو مشکل تر بنا دیا گیا ہے۔'' اور ''اسے نا قابل دست اندازیٔ پولیس قرار دے کر یہ ضروری قرار دے دیا گیا ہے کہ کوئی شخص چار گواہوں کو ساتھ لے کر عدالت میں شکایت درج کرائے..... اس طرح زنا قابل حد ثابت کرنے کے لیے طریق کار کو مزید دشوار بنا دیا گیا ہے''۔ ''زنا بالرضا موجب حد' اور 'فحاشی' کو نا قابل دست اندازیٔ پولیس قرار دے کر ان جرائم کو جو مختلف تحفظات دیے گئے ہیں وہ ان جرائم کو عملاً نا قابل سزا بنا دینے کے مترادف ہے''۔
- قاری محمد حنیف جالندھری روزنامہ اسلام میں شائع شدہ اپنے مقالے بعنوان 'تحفظ نسواں بل یا نظریات کا تصادم' میں اضافہ فرماتے ہیں: ''شریعت میں حد کے قیام کی شرط بلوغ ہے اور اس کا دار و مدار بلوغ پر ہے نہ کہ عمر پر، جبکہ بل میں بلوغ کی بجائے ۱۶ سال کی عمر کو مدار بنایا گیا ہے۔ یہ خلاف شریعت ہے''۔

اس سب کا حاصل کیا؟ قاری محمد حنیف جالندھری کے بقول: ''نوجوان جوڑوں کو بغیر نکاح اکٹھے رہنے کا جواز مل جائے گا۔ ان کے آپس میں تعلقات پر انتظامیہ کوئی اقدام نہیں کر سکے گی۔ حتی کہ اگر کوئی دوسرا فرد اس کی نشان دہی کرے تو الٹا اسی کو قذف کی سزا بھگتنا پڑے گی''۔ گویا جیسے عیسائی بادشاہوں کی خواہش تھی کہ اندلس کے مسلمان بے راہ رو ہو کر ان کی جنسی خواہشات پوری کریں یہاں نام نہاد 'مسلم' حکمرانوں اور مقتدر طبقے کی خواہش ہے کہ وہ کمزور اور بے چارے عوام کے ساتھ ایسا کریں۔ اس کی تائید مفتی تقی عثمانی صاحب صرف جنسی قوانین کے حوالے سے نہیں بلکہ ریاست کے پورے نظام کے حوالے سے ایسے کرتے ہیں: ''صرف حدود قوانین ہی نہیں بلکہ ملک کے پورے نظام کو با اثر اور طاقتور طبقات کے مفادات کے تحفظ کے لیے کھلا چھوڑ دیا گیا ہے۔ قوانین کا استعمال کمزوروں کے حقوق کے تحفظ کے لیے نہیں بلکہ انہیں مزید پریشان اور زیر دست رکھنے کے لیے کیا جاتا ہے''!! اس کے بعد کیسے کہہ سکتے ہیں کہ ریاست نے محض گناہ کا ارتکاب کیا ہے نیت اس کی اچھی ہے اور اب بھی وہ کلمہ پر قائم ہے؟

یہ دیکھنے کے لیے کہ ہمارے معاشرے میں محض ایک دو شرعی احکام کا نقض کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ مکمل شریعت کا ہی انکار ہے آیئے مفتی صاحب کے چند مزید اقوال کو دیکھتے ہیں:

- مکمل شریعت نافذ نہیں ہے: مفتی صاحب فرماتے ہیں: ”حدود کے قوانین اسلامی تعلیمات او راحکام کا ایک چھوٹا سا حصہ ہیں یہ کل اسلام نہیں ہیں۔ ان قوانین کا نفاذ معاشرے کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے کا ایک مرحلہ تھا منزل نہیں تھی“۔ لیکن یہ مرحلہ بھی واپس کر دیا گیا۔ نیز فرماتے ہیں کہ حدود کے قوانین کے علاوہ ”تعزیرات پاکستان کو شرعی عدالت کے دائرۂ کار سے باہر رکھا گیا ہے جس کی وجہ سے وہ ان میں پائی جانے والی خامیوں کے تدارک کے لیے کوئی تجویز نہیں دے سکتی تھی“۔ دیکھا جائے تو ہسپانوی قانون میں مدجنوں کو پاکستان سے زیادہ شریعت پر عمل در آمد کی آزادی تھی۔ کہ وہاں شریعت میں حدود اور تعزیرات سمیت فقہ کا اکثر حصہ شامل تھا۔ لیکن پاکستان میں حدود شرعی عدالت کے دائرے میں ہیں جبکہ تعزیرات، تعزیرات ہند کے برطانوی قانون سے ماخوذ ہیں۔ اور انہیں شرعی عدالت کی دسترس سے دور رکھا گیا۔ ہسپانیہ میں تو اتنی رعایت دی گئی تھی کہ جج مسلمان قاضی سے مشورہ کرے گا۔ جبکہ پاکستان میں قاضی کے لیے جج کو مشورہ دینا بھی ممنوع ٹھہرا ہے۔ گویا آج آئین میں حدود آرڈیننس کا نام دیکھ کر یہ نہ سمجھا جائے کہ پاکستان کی تاریخ میں کبھی مکمل شریعت بھی نافذ رہی ہے۔
- نافذ شدہ شرعی قوانین بھی شریعت کے مطابق نہیں: پھر حدود آرڈیننس بھی مکمل شریعت کے مطابق نہ تھا اور نہ ہی شریعت کے مدعا کو پورا کرتا تھا۔ چنانچہ حضرت مفتی صاحب فرماتے ہیں: ”کئی جج صاحبان نے حدود آرڈیننس کے بارے میں یہ تبصرہ کیا کہ اس میں فرار elopement کو جرم قرار نہیں دیا گیا۔ اس لیے یہ از خود فرار ہونے والی لڑکیوں کے حق میں ضرورت سے زیادہ نرم ہے، جس کے نتیجے میں عموماً سزائیں مرد کو ہی ہوتی ہیں اور عورت بچ نکلتی ہے۔“ مزید فرماتے ہیں کہ حدود آرڈیننس میں مذکورہ ”’زنا موجب تعزیر‘ کوئی چیز نہیں ہوتی۔ قرآن و سنت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ زنا یا تو موجب حد ہے یا پھر وہ زنا نہیں......“
- تعارض کی صورت میں غیر شرعی قوانین کو ترجیح حاصل ہے: صرف یہی نہیں بلکہ شرعی اور غیر شرعی قانون میں تعارض کی صورت میں غیر شرعی قانون کو ترجیح حاصل ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: ”شروع کے سالوں میں ایسے متعدد کیس ہوئے ہیں جن میں عورتوں کو واقعۃً مشکلات کا سامنا کرنا پڑا لیکن ان کی وجہ حدود آرڈیننس کا کوئی نقص نہیں تھا بلکہ اس کی اصل وجہ مسلم فیملی لاز آرڈیننس کی ایک خلاف شرع دفع تھی“۔ گویا کہ ترجیح غیر شرعی مسلم فیملی لاز آرڈیننس کو دی جا رہی تھی۔ لیکن تحفظ نسواں بل میں علانیہ حدود آرڈیننس کی مندرجہ دفعات یکسر ختم کر دی گئیں جیسے کہ: ”اگر کسی دوسرے قانون اور حدود آرڈیننس میں کہیں کوئی تضاد ہو تو حدود آرڈیننس کے احکام قابل پابندی ہوں گے“۔ اور یہ کہ ”اس آرڈیننس کی تشریح اور اطلاق میں اسلام کے وہ احکام جو قرآن کریم اور سنت نے متعین فرمائے ہیں بہر صورت مؤثر ہوں گے چاہے رائج الوقت کسی قانون میں کچھ بھی درج ہو“۔ اور اس طرح انسان کے مرتب شدہ قوانین اللہ کی شریعت سے بالاتر ہو گئے۔
- حدود اللہ کو منسوخ کرنا حکومت کے ہاتھ میں: تحفظ نسواں بل میں علانیہ لکھ دیا گیا ہے کہ: ”کوئی عدالت کسی کو حد کی سزا دے تو حکومت کو ہر وقت یہ اختیار ہے حاصل ہے کہ کہ وہ اس سزا میں تبدیل یا تخفیف کر سکے۔ یہ ترمیم قرآن و سنت کے واضح ارشادات کے خلاف ہے“۔ سوچیے یہ کیسی ’مسلم‘ ریاست ہے جو اقرار کرتی ہے کہ انسان شریعت لغو کر سکتا ہے؟!
- محض عملی گناہ نہیں بلکہ غیر اللہ کی شریعت کی دلی چاہت ہے: پھر جب تحفظ حقوق نسواں بل کے ذریعے حدود آرڈیننس کو ناکارہ بنا دیا تو مسئلہ یہ نہیں تھا کہ ملک میں چند افراد نے زنا کا عملاً ارتکاب کیا تھا بلکہ مسئلہ یہ تھا کہ یہ افراد الٰہی شریعت پر انگریزی قانون کو دل سے ترجیح دے رہے تھے۔ جیسے کہ مفتی صاحب فرماتے ہیں: ”جو حضرات پرانے اینگلو سیکسن قانون کو بحال رکھنا مناسب سمجھتے تھے یعنی زنا بالرضا کو قانونی جرم قرار نہیں دینا چاہتے تھے ان کے لیے کھلے بندوں یہ کہنا تو اس ملک میں مشکل تھا کہ رضامندی سے زنا کرنے کی اجازت ہونی چاہیے۔ لیکن انہوں نے اس مطالبے کو عورت کے ساتھ ناانصافی کے خاتمے کا عنوان دے کر اعتراض کیا“، اور پھر انہوں نے اپنی دلی چاہت کو صرف اپنے حد تک ہی نہیں محدود کیا بلکہ تمام مسلمانوں پر قانوناً نافذ کر دیا! قاری حنیف جالندھری حکمرانوں کی نیت کے بارے میں کہتے ہیں: ”نسواں بل کی منظوری در اصل پاکستان کے اندر سیکولرازم یعنی لادینیت کے نفاذ کی طرف پہلا قدم ہے۔ اس کے بعد بتدریج امتناع قادیانیت، ناموس رسالت اور پاکستانی آئین میں موجود دیگر اسلامی دفعات میں حذف و ترامیم کی باری آئے گی“۔ تعجب ہے کہ اس کے بعد بھی بعض علماء کے بقول ’ریاست‘ اپنے اسلام پر قائم ہے؟!

اور جیسے قاری حنیف صاحب نے کہا حقیقت میں اس سے بڑھ کر ہو گیا کہ جس فحاشی اور زنا کا راستہ ۲۰۰۶ میں تحفظ حقوق نسواں کے نام سے کھولا گیا وہ اتنی بڑھ گئی کہ ایک دہائی کا عرصہ گزرا نہیں تھا کہ ۲۰۱۸ میں ٹرانس جینڈر (تحفظ حقوق) کے نام سے وہ ایکٹ نافذ ہوا جس کے ذریعے ریاست نے شریعت میں حرام ’ہم جنس پرستی‘ کو بھی حلال قرار دیا!! اور ہمیشہ کی طرح کفریہ قوانین قابل قبول بنانے کے لیے ناموں سے کھیلا گیا۔ پہلے خواتین کے تحفظ کے نام پر اور اب خواجہ سراؤں کے تحفظ کے نام پر۔ اور ’مخنث‘ کی شرعی اصطلاح کے بجائے ’ٹرانس جینڈر‘

کی مغربی اصطلاح استعمال کی گئی جس سے بر بنائے خلقت پیدائشی 'مخنث' ہی مراد نہیں بلکہ عورتوں کے انداز اپنانے والے 'مخنث' مرد اور مردوں کے انداز اپنانے والی 'مترجلہ' عورت کو بھی حقوق دے دیے گئے۔ حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے 'مخنث' بننے والے مرد اور 'مترجلہ' عورت پر لعنت بھیجی ہے۔

شریعت میں 'مخنث' اور 'خنثیٰ' اسے کہتے ہیں جسے بر بنائے خلقت نہ واضح طور پہ مرد قرار دیا جا سکے اور نہ واضح طور پر عورت۔ ان میں سے جس فرد کی شباہت مردوں سے ہو تو اسے مخنث اور جس کی عورتوں سے ہو اسے خنثیٰ قرار دیا جاتا ہے۔ یہ وہ خلقت ہے جو من جانب اللہ یعنی پیدائشی ہو۔ لیکن ٹرانس جینڈر کی حالیہ اصطلاح اس سے بہت مختلف ہے۔ 'جینڈر' تو صنف یا جنس کو کہتے ہیں اور 'ٹرانس' سے مراد تبدیل شدہ، آر پار اور ہمہ شمول ہوتا ہے۔ ۱۹۶۵ میں جب امریکی ماہر نفسیات نے یہ اصطلاح استعمال کی تو اس سے مراد وہ نفسیاتی مریض تھے جو مرد ہوتے ہوئے زنانہ پن کا شکار تھے یا عورت ہوتے ہوئے مردانہ پن کا۔ جن کے لیے مخنث مرد اور مترجلہ عورت کی اصطلاح شریعت میں آئی ہے اور ان پر لعنت بھیجی گئی ہے۔ لیکن شیطان نے اپنے بچاریوں کو سجھایا کہ یہ نفسیاتی مرض، بد اخلاقی یا شیطانی خناس نہیں بلکہ ایک 'معصوم' فطری طبیعت ہے جو بعض مرد اور خواتین میں پائی جاتی ہے اور اس کے سبب ان کے ساتھ امتیازی سلوک نہیں روا رکھا جا سکتا!!

ابھی تمام کافر ممالک میں ٹرانس جینڈر افراد کے تمام حقوق نہیں تسلیم کیے گئے تھے کہ برصغیر کی 'اسلامی' مملکت پاکستان کو ان کی فکر پڑ گئی اور عالمی عدالت برائے انصاف کے مطابق پاکستان ان چند پہلے ممالک میں ہے جہاں ایسے قوانین تسلیم کیے گئے ہوں۔ خواجہ سراؤں کے خلاف معاشرے میں پائی جانے والی فرسودہ روایات اور ان روایات کی وجہ سے ان کے ساتھ ہونے والی زیادتی کو بہانہ بنایا گیا اور اس بہانے سے ہر قسم کی ہم جنس پرستی کے سامنے دروازے کھول دیے گئے۔ درحقیقت یہ فرسودہ روایات برصغیر کے مسلمانوں میں ہندوؤں سے آئی ہیں کیونکہ ہندومت کی پرانی کتابوں میں خواجہ سراؤں کو 'ہیجڑا' کہا جاتا تھا اور انہیں ایک مخصوص طبقہ بنا کر ان کا پیشہ ناچ گانا اور فحاشی بنا دیا گیا تھا۔ بدقسمتی سے یہ ثقافت برصغیر کے مسلم معاشروں میں بھی سرایت کر گئی۔ اور خواجہ سراؤں کو لازما بدکار سمجھا جانے لگا۔ حالانکہ برصغیر میں پائے جانے والا ہیجڑا کلچر باقی عالم اسلام میں نہیں ملتا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ جب میں بچپن میں عمرے کے لیے گیا اور مکہ کے حرم شریف میں ایسے مرد دیکھے جن کی داڑھیاں نہیں تھی، سر پر سرخ ٹوپیاں اور تن پر سفید لباس تھا۔ اور امام حرم کے لیے خدمت پر مامور تھے۔ میں نے تعجب سے والدین سے پوچھا کہ ان کی داڑھیاں کیوں نہیں ہیں تو انہوں نے میری عمر کا لحاظ کرتے ہوئے کنایۃً کہا کہ بیٹا یہ شادیاں نہیں کر سکتے۔ لیکن پاکستان بننے کے بعد بھی ہم سرکاری سرپرستی میں ہندوؤں کے ہیجڑا کلچر کو فروغ دیتے رہے۔

اس حوالے سے اس ایکٹ کے چند نمایاں نکات درج کرتے ہیں جن پر حکم لگانے کے لیے ہمیں کسی استدلال کی ضرورت نہیں کیونکہ ہر مسلمان بہتر جانتا ہے اور باتیں بھی ایسی ہیں جن کے ذکر سے شرم آتی ہے:

- ہر شخص کو جینڈر expression یعنی 'صنفی اظہار' کی آزادی ہے۔ جس سے مراد یہ کہ "کوئی فرد اپنی جنس کا خود تعین کر کے اس کو کیسے ظاہر کرتا ہے یا دوسرے لوگ اس کو کیسے سمجھتے ہیں"۔
- ہر شخص کو جینڈر identity یعنی 'صنفی شناخت' کی بھی آزادی ہے۔ جس سے مراد "ایک فرد اپنے انتہائی داخلی احساس کی بنیاد پر اپنی انفرادی جنس کو مرد، عورت، دونوں، یا ان میں سے کوئی بھی نہ متعین کرنے کا فیصلہ کرے چاہے یہ اس کی پیدائشی جنس سے مطابقت رکھے یا نہ رکھے"۔
- لہٰذا ٹرانس جینڈر فرد وہ ہے جو:
    - "مخنث (خسرہ) ہو، جس کے پیدائشی جنسی اعضاء میں یہ واضح نہ ہو کہ وہ مرد ہے یا عورت۔
    - جس کے پیدائش کے وقت تو خصیے تھے لیکن بعد میں کاٹ دیے گئے۔
    - ٹرانس جینڈر مرد، یا ٹرانس جینڈر عورت، یا کوئی ایسا فرد جس کا صنفی اظہار (جینڈر ایکسپریشن) یا صنفی شناخت سماجی اور ثقافتی توقعات کی بنیاد پر اس جنس سے مختلف ہو جو اس کی پیدائش کے وقت متعین کی گئی تھی۔"

ایکٹ میں ذکر شدہ ان تعریفات کے مطابق دیکھیے کہ ایکٹ میں ان کے لیے حقوق کیا ہیں:

- ۱۸ سال سے بڑا کوئی بھی مرد اپنے آپ کو از خود عورت اور عورت اپنے آپ کو مرد قرار دے سکتی ہے۔
- ۱۸ سال سے کم عمر فرد بھی ڈاکٹر کی رائے کے بعد ایسا کر سکتا ہے۔
- از خود اپنی جنس متعین کرنے کے بعد اسے حق حاصل ہے کہ:
    - شناختی کارڈ اور دیگر دستاویزات میں اپنا نام اور جنس محض اپنے کہنے سے تبدیل کر دے۔
    - جنس بدلنے کے بعد وراثت میں اپنے نئے جنس کے مطابق حق حاصل کرے۔
    - اپنے آپ کو خواتین قرار دینے والے مرد ان تمام حقوق، مراعات اور سہولیات کے حقدار ہیں جو خواتین کو حاصل ہیں، مثلاً: خواتین کے کے لیے مخصوص تعلیمی اداروں، پارک، غسل خانوں، پولنگ

سٹیشن وغیرہ میں داخلہ اور استفادہ۔ بشمول خواتین کے لیے مخصوص نشستوں کے لیے نامزد ہونا۔

- اور اس کے برعکس مرد بننے والی تمام خواتین کے ساتھ وہ برتاؤ کیا جائے گا جو مرد کے ساتھ ہوتا ہے۔

اگرچہ ایکٹ میں یہ ذکر نہیں ہے لیکن اس سب کا منطقی نتیجہ یہ ہے کہ مرد اپنے آپ کو خاتون قرار دے کر مرد سے شادی کر سکے گا۔ اور اسی طرح خاتون اپنے آپ کو مرد قرار دے کر خاتون سے شادی کر سکے گی!! یعنی کہ ہم جنس پرستی کی کھلی چھٹی۔ میرے خیال میں اس ایکٹ پر مزید تبصرہ کرنے کی مزید ضرورت نہیں۔

محترم قارئین واپس اپنے مضمون کی طرف لوٹتے ہیں۔ یہاں اتنی تفصیل میں اس لیے نہیں گئے تھے کہ پاکستانی ریاست کی حیثیت متعین کریں۔ لیکن چونکہ آج کل یہ موضوع دوبارہ چھڑا اس لیے کچھ ذکر کر دیا۔ اصل میں تو موضوع یہ تھا کہ دیکھا جائے کہ شریعت کے بجائے غیر شرعی قوانین کے نفاذ سے مسلمان معاشرے میں بگاڑ کیسے آتا ہے یہاں تک کہ اندلس میں اسلام کا نام ونشان مٹ گیا۔ اور اگر برصغیر میں بھی شریعت کے بجائے مسلمان غیر شرعی قوانین کے تحت رہیں تو اب تک ان کی اندلس سے مشابہ حالت کیسی بنتی جا رہی ہے۔ پھر خصوصاً جنسی تعلقات سے متعلق قوانین پر کچھ زیادہ تفصیل اس لیے ذکر ہوئی کہ اول تو انسانوں کو بہکانے کا شیطان کا یہ پہلا اور کامیاب ترین حربہ ہے۔ اور دوسری بات یہ کہ آج کل دنیا بھر میں جنسی بے راہ روی کا دور دورہ ہے۔ لیکن مقصد صرف اس پہلو کی قانون سازی پر روشنی ڈالنا نہ تھی بلکہ اسے مثال کے طور پر پیش کرنا تھا جس سے باقی پہلوؤں کا اندازہ خود لگا سکتے ہیں۔ مقاصد شریعت پانچ ہیں: حفظ دین، عقل، جان، مال اور عزت۔ گویا عزت کی حفاظت شریعت کا پانچواں حصہ ہے۔ اور اس میں گراوٹ سے باقی چار حصوں میں گراوٹ کا اندازہ خود لگا سکتے ہیں۔

معاہدۂ غرناطہ کا انجام

سابقہ جائزہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جہاں عیسائیوں نے مکمل یا جزوی طور پر شرعی قوانین کو ختم کیا وہیں باقی ماندہ ادھورے قوانین نافذ کرنے میں بھی بدنیتی سے کام لیا۔ قوانین پر عمل درآمد کرنے میں حکام کی بدنیتی مسلمانوں پر ڈھکی چھپی نہیں تھی کیونکہ دو صدیوں سے ان کا یہی چلن رہا تھا۔ مملکت غرناطہ کے مسلمان بخوبی واقف تھے کہ

قشتالہ، بلنسیہ، اراغون اور دیگر ہسپانوی علاقوں میں ان کے اہل دجن بھائیوں کے ساتھ کیا سلوک برتا گیا۔ یہاں تک کہ مذاکرات کے وقت غرناطہ کے امیر ابو عبد اللہ الصغیر کو شک تھا کہ عیسائی معاہدے کی پاسداری نہیں کریں گے۔ اسی لیے مذاکرات کے آغاز میں الصغیر نے پاپائے روم کی توثیق طلب کی تھی جیسے کہ امام مَقَّری نے بھی نقل کیا ہے۔ لیکن جیسے مذاکرات آگے بڑھتے گئے اور تمام معاملات عیسائیوں کے ہاتھ میں جاتے رہے اسے یہ امید بھی نہ رہی کہ پاپائے روم کی تصدیق سے کوئی فائدہ ہوگا۔ اور اسی لیے غدار امیر عبد اللہ الصغیر اپنے عوام کو اہل دجن بنا کر خود اپنے خاندان سمیت سمندر پار ہجرت کر گیا۔

خطرے کا یہ احساس محض عمائدین کو ہی نہ تھا بلکہ غرناطہ کے عوام کو بھی یقین کی حد تک حکمرانوں کی صداقت پر شک تھا۔ دوسری طرف عیسائی حکمرانوں کو بھی عوام کی طرف سے بغاوت کا ڈر تھا۔ اس لیے بھرے دربار میں بڑی تعداد میں مسلمان اور عیسائی معززین کے سامنے دستخط کرنے کے باوجود اگلے دن بادشاہ فرڈیننڈ اور ملکہ ایزابیلا نے زور و شور سے خدا کی قسمیں اٹھا کر اعلان کیا کہ:

> ”تمام مسلمانوں کو اپنی زمینوں پر کام کرنے کی مکمل آزادی ہو گی......وہ اپنی مذہبی عبادات کو جاری رکھ سکیں گے۔ مساجد برقرار رہیں گی۔ اور جو مناسب سمجھے وہ اپنی جائیداد بیچ کر مغرب اسلامی جا سکتے ہیں۔“

جیسے ہسپانیہ کے سابقہ مدجنوں کے ساتھ عیسائیوں کا برتاؤ رہا کہ معاہدہ کرنے کے باوجود اس پر عمل درآمد تو کجا اس کی صریح مخالفت کرتے رہے اس طرح بالآخر معاہدۂ غرناطہ کے ساتھ بھی ہونا تھا۔ اگرچہ اس میں زیادہ وقت اس لیے لگ گیا کہ ہسپانوی بادشاہ غرناطہ میں بغاوت برپا ہونے سے ڈرتے تھے کیونکہ عیسائی فتوحات کے نتیجے میں وہاں پورے ہسپانیہ سے مسلمان سمٹ آئے تھے۔ لیکن غرناطہ کے متعصب صدر اسقف خمنیس کا صبر ختم ہوتا جا رہا تھا اس لیے اس نے مسلمانوں کو ان کے مقررہ انجام تک پہنچانے کے لیے حیلے بہانے کرتا گیا۔ یہاں تک کہ ۱۴۹۹ میں اس کے ملازم نے شاہی منتظم الگوازل کے ساتھ مل کر ایک نو مسلم عیسائی کی بیٹی کو گرفتار کیا:

> ”وہ اسے (غرناطہ شہر کے ایک اہم دروازے) باب البنود سے کھینچتے ہوئے لے جا رہے تھے......جبکہ وہ چیختے چلاتے کہہ رہی تھی کہ اسے زبردستی بپتسمہ کے لیے لے جایا جا رہا ہے......چنانچہ ایک ہجوم جمع ہوا اور شاہی منتظم کو برا بھلا کہنے لگا جس سے عوام اس کی ظلم کی وجہ سے ویسے ہی نفرت کرتے تھے۔ اس شخص نے متکبرانہ انداز میں جواب دیا جس سے عوام کے جذبات بھڑک اٹھے اور اس شور و غل میں سڑک پر پڑی اینٹ سے اسے قتل کر دیا گیا۔“

غرناطی مدجن خمنیس پر معاہدۂ غرناطہ کی خلاف ورزی کا الزام لگا رہے تھے لیکن عیسائی حکومت کی کیا مجال تھی کہ وہ اپنے پادری پر ہاتھ ڈالتی۔ چنانچہ مسلمانوں نے چالیس افراد کی شوریٰ منتخب کر کے علاقہ کا نظم وضبط سنبھالتے ہوئے خمنیس کے گھر کا محاصرہ کر لیا۔ اس طرح مدجنوں اور خمنیس کے محافظین کے درمیان لڑائی شروع ہو گئی جو کئی دن تک جاری رہی۔

یہاں تک کہ غرناطہ کے گورنر ٹنڈیلا کو خمنیس کی مدد کے لیے آنا پڑا۔ دس دن تک غرناطہ کے سابقہ صدر اسقف، موجودہ صدر اسقف اور گورنر ٹنڈیلا مسلمانوں کے ساتھ مذاکرات کرتے رہے۔ مسلمان یہ دلیل پیش کرتے رہے کہ:

"انہوں نے مقامی حاکم کے خلاف بغاوت نہیں کی بلکہ شاہی قانون کے تحفظ کے لیے جنگ کی ہے۔ کیونکہ یہ اہلکار معاہدے کی خلاف ورزی کر کے بے چینی پھیلا رہے تھے۔ اگر معاہدے پر عمل کیا جائے تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

صدر اسقف اور گورنر طویل مذاکرات کے بعد یہ کہتے ہوئے جنگ بندی کرانے میں کامیاب ہو گئے کہ مسلمانوں کو ان کے کیے پر معاف کر دیا جائے گا اور مستقبل میں معاہدے کی پاسداری کی جائے گی لیکن گورنر کے قاتلوں کا محاکمہ بھی ضروری ہے۔ چنانچہ مسلمانوں کے قاضی نے "......وعدہ کیا کہ جن افراد نے الگوازل کو قتل کیا ہے انہیں عدالت کے سامنے پیش کیا جائے گا۔" اس طرح مسلمانوں نے اپنے ہتھیار رکھ دیے جبکہ عدالت نے الگوازل کے قاتلین میں سے چار کو پھانسی پر لٹکا کر باقی کو رہا کر دیا۔

لیکن جلد ہی واضح ہوا کہ مذاکرات وقتی طور پہ امن قائم کرنے اور دوبارہ نظم و نسق سنبھالنے کا ایک حیلہ تھا۔ ہسپانیہ کا کوئی ارادہ نہیں تھا کہ وہ اپنے وعدوں کی پاسداری کرے گا۔ اس حرکت سے خمنیس کو وہ بہانہ مل گیا جس سے غرناطہ کے نہ صرف نومسلم عیسائیوں کو بلکہ پیدائشی مسلمانوں کو بھی تفتیشی عدالت کے دائرے میں لا سکے۔ خمنیس ہسپانوی حکام کو باور کراتا رہا کہ مسلمانوں کا یہ احتجاج بغاوت تھی۔ حقیقت میں یہ دلیل ہسپانیہ کی تمام شورشوں کو کچلنے کے لیے استعمال کی گئی۔ (بلکہ آج تک برصغیر بھر میں حقوق کے مطالبے اور حکمرانوں کی تمام زیادتیوں کے مقابلے میں اسی دلیل کے بنا پر عوام کے خلاف قوت کا استعمال اور فوجی آپریشن کیے جاتے رہے ہیں۔ چاہے وہ بنگلہ دیش میں اسلامی شعائر کے تحفظ کے لیے حفاظتِ اسلام کا احتجاج ہو۔ بھارت میں بابری مسجد کے انہدام کے خلاف احتجاج ہو۔ یا پاکستان میں جامعہ حفصہ کا بے حیائی کے خلاف احتجاج ہو)۔ خمنیس نے یہ دعوی بھی کیا کہ ایسی حرکت سے مسلمانوں کی طرف سے معاہدے کی خلاف ورزی ہوئی ہے۔ اس لیے اب معاہدہ ٹوٹ چکا ہے اور انہیں دو میں سے ایک چیز کا فیصلہ کرنا ہو گا۔ یا عیسائی بن جائیں اور یا ہسپانیہ سے نکل جائیں۔ بصورت دیگر سخت سزاؤں کے لیے تیار ہو جائیں۔ اور یوں ملکہ ایزابیلا اور بادشاہ فرڈینینڈ نے خمنیس کی رائے سے اتفاق کرتے ہوئے اہل غرناطہ کی جبری تبدیلیٔ مذہب شروع کر دی!!

معاصر مراکشی مصنف محمد الطالب السلمی اپنے آباء و اجداد کے تذکرے پر لکھی جانے والی کتاب 'ریاض الورد' میں تبصرہ کرتے ہیں:

"طاغوت نے مشروط اطاعت کی شقوں کو ایک ایک کر کے توڑنا شروع کر دیا یہاں تک کہ پورا معاہدہ ہی توڑ ڈالا۔ مسلمانوں کی کوئی حرمت باقی نہ رہی۔ انہیں تحقیر و تذلیل کا نشانہ بنایا جانے لگا۔ ان پر بھاری جرمانے عائد کیے گیے اور اذانوں تک سے محروم کر دیا گیا۔ انہیں حکم دیا گیا کہ وہ غرناطہ شہر چھوڑ کر اطراف کے قصبوں اور دیہاتوں میں چلے جائیں۔ پھر سال ۹۰۴ھ (۱۴۹۹ء) میں طاغوت نے عیسائی بننے یا موت کے درمیان کسی ایک انتخاب کا اختیار دیا اور انہیں اس انتخاب کے لیے صرف ایک مہینے کی مہلت دی!!"

محترم قارئین!

یوں صدیوں سے شریعت الٰہی کے معاملے میں مداہنت اختیار کرنے اور کفریہ قوانین کے تحت جینے کے نتیجے میں اندلس کے مسلمان واقعی 'مدجن' بن گئے۔ میں یہاں ان ابطال کی حق تلفی نہیں کرنا چاہتا جنہوں نے زوال کے اس پورے دور میں جہاد اور قربانی کی اعلیٰ مثالیں قائم کیں۔ لیکن من حیث المجموع معاشرے میں جب کفریہ قوانین کے تحت رہتے ہوئے حس ختم ہو گئی تو مسلمانوں میں اتنی سکت باقی نہ رہی کہ حق کا ساتھ دیں۔ یوں معاہدہ ٹوٹ جانے کے تقریباً ایک صدی بعد ۱۶۱۴ میں ہسپانوی بادشاہ نے اندلس سے اسلام کو مکمل ختم کرنے میں کامیابی کا اعلان کر دیا۔

ہم نے تاریخ اندلس عبرت کے لیے پیش کی وگرنہ قرآن کریم کی آیتیں تو مسلمان ہر روز تلاوت کرتے ہیں۔ اللہ تعالی کا سورۃ المائدۃ میں فرمان ہے:

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ ۭ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ۭ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ۭ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ○ وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْۢ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ ۭ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ اَنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّصِيْبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ ۭ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ ○ اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ ۭ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ○

"اور (اے محمد ﷺ) ہم نے تم پر حق پر مشتمل کتاب نازل کی ہے جو اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور ان کی نگہبان ہے۔ لہٰذا ان لوگوں کے درمیان اسی حکم کے مطابق فیصلہ کرو جو اللہ نے نازل کیا ہے، اور جو حق بات تمہارے پاس آگئی ہے اسے چھوڑ کر ان کی خواہشات کے

پیچھے نہ چلو۔ تم میں سے ہر ایک (امت) کے لیے ہم نے ایک (الگ) شریعت اور طریقہ مقرر کیا ہے۔ اور اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک امت بنا دیتا، لیکن (الگ شریعتیں اس لیے دیں) تاکہ جو کچھ اس نے تمہیں دیا ہے اس میں تمہیں آزمائے۔ لہٰذا نیکیوں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو۔ اللہ ہی طرف تم سب کو لوٹ کر جانا ہے۔ اس وقت وہ تمہیں وہ باتیں بتائے گا جن میں تم اختلاف کیا کرتے تھے۔ اور (ہم حکم دیتے ہیں) کہ تم ان لوگوں کے درمیان اسی حکم کے مطابق فیصلہ کرو جو اللہ نے نازل کیا ہے اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کرو، اور ان کی اس بات سے بچ کر رہو کہ وہ تمہیں فتنے میں ڈال کر کسی ایسے حکم سے ہٹا دیں جو اللہ نے تم پر نازل کیا ہو۔ اس پر اگر وہ منہ موڑیں تو جان رکھو کہ اللہ نے ان کے بعض گناہوں کی وجہ سے ان کو مصیبت میں مبتلا کرنے کا ارادہ کر رکھا ہے۔ اور ان لوگوں میں سے بہت سے فاسق ہیں۔ بھلا کیا یہ جاہلیت کا فیصلہ حاصل کرنا چاہتے ہیں؟ حالانکہ جو لوگ یقین رکھتے ہوں ان کے لیے اللہ سے اچھا فیصلہ کرنے والا کون ہو سکتا ہے؟"

اور سورۃ النساء میں فرمان ہے:

اَلَمۡ تَرَ اِلَى الَّذِيۡنَ يَزۡعُمُوۡنَ اَنَّهُمۡ اٰمَنُوۡا بِمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَيۡكَ وَمَاۤ اُنۡزِلَ مِنۡ قَبۡلِكَ يُرِيۡدُوۡنَ اَنۡ يَّتَحَاكَمُوۡۤا اِلَى الطَّاغُوۡتِ وَقَدۡ اُمِرُوۡۤا اَنۡ يَّكۡفُرُوۡا بِهٖ ؕ وَيُرِيۡدُ الشَّيۡطٰنُ اَنۡ يُّضِلَّهُمۡ ضَلٰلًاۢ بَعِيۡدًا ○ وَاِذَا قِيۡلَ لَهُمۡ تَعَالَوۡا اِلٰى مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوۡلِ رَاَيۡتَ الۡمُنٰفِقِيۡنَ يَصُدُّوۡنَ عَنۡكَ صُدُوۡدًا ○ فَكَيۡفَ اِذَاۤ اَصَابَتۡهُمۡ مُّصِيۡبَةٌ ۢ بِمَا قَدَّمَتۡ اَيۡدِيۡهِمۡ ثُمَّ جَآءُوۡكَ يَحۡلِفُوۡنَ ۖ بِاللّٰهِ اِنۡ اَرَدۡنَاۤ اِلَّاۤ اِحۡسَانًا وَّتَوۡفِيۡقًا ○ اُولٰٓٮِٕكَ الَّذِيۡنَ يَعۡلَمُ اللّٰهُ مَا فِىۡ قُلُوۡبِهِمۡ ۚ فَاَعۡرِضۡ عَنۡهُمۡ وَعِظۡهُمۡ وَقُلۡ لَّهُمۡ فِىۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ قَوۡلًاۢ بَلِيۡغًا ○ وَمَاۤ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذۡنِ اللّٰهِ ؕ وَلَوۡ اَنَّهُمۡ اِذۡ ظَّلَمُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ جَآءُوۡكَ فَاسۡتَغۡفَرُوا اللّٰهَ وَاسۡتَغۡفَرَ لَهُمُ الرَّسُوۡلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيۡمًا ○ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوۡكَ فِيۡمَا شَجَرَ بَيۡنَهُمۡ ثُمَّ لَا يَجِدُوۡا فِىۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيۡتَ وَيُسَلِّمُوۡا تَسۡلِيۡمًا ○

"(اے پیغمبر) کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو دعویٰ یہ کرتے ہیں کہ وہ اس کلام پر بھی ایمان لے آئے ہیں جو تم پر نازل کیا گیا ہے اور اس پر بھی جو تم سے پہلے نازل کیا گیا تھا، (لیکن) ان کی حالت یہ ہے کہ وہ اپنا مقصد فیصلے کے لیے طاغوت کے پاس لے جانا چاہتے ہیں؟ حالانکہ ان کو حکم یہ گیا تھا کہ وہ اس کا کھل کر انکار کریں۔ اور شیطان چاہتا ہے کہ انہیں بھٹکا کر پرلے درجے کی گمراہی میں مبتلا کر دے۔ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ اس حکم کی طرف جو اللہ نے اتارا ہے اور آؤ رسول کی طرف، تو تم ان منافقوں کو دیکھو گے کہ وہ تم سے پوری طرح منہ موڑ بیٹھتے ہیں۔ پھر اس وقت ان کا کیا حال بنتا ہے جب خود اپنے ہاتھوں کے کرتوت کی وجہ سے ان پر کوئی مصیبت آپڑتی ہے؟ اس وقت یہ آپ کے پاس اللہ کی قسمیں کھاتے ہوئے آتے ہیں کہ ہمارا مقصد بھلائی کرنے اور ملاپ کرا دینے کے سوا کچھ نہ تھا۔ یہ وہ ہیں کہ اللہ ان کے دلوں کی ساری باتیں خوب جانتا ہے۔ لہٰذا تم انہیں نظر انداز کر دو، انہیں نصیحت کرو، اور ان سے خود ان کے بارے میں ایسی بات کہتے رہو جو دل میں اتر جانے والی ہو۔ اور ہم نے کوئی رسول اس کے سوا کسی اور مقصد کے لیے نہیں بھیجا کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے۔ اور جب ان لوگوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا، اگر یہ اس وقت تمہارے پاس آکر اللہ سے مغفرت مانگتے اور رسول بھی ان کے لیے مغفرت کی دعا کرتے تو یہ اللہ کو بہت معاف کرنے والا، بڑا مہربان پاتے۔ نہیں، (اے پیغمبر) تمہارے پروردگار کی قسم! یہ لوگ اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک یہ اپنے باہمی جھگڑوں میں تمہیں فیصل نہ بنائیں، پھر تم جو کچھ فیصلہ کرو اس کے بارے میں اپنے دلوں میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں، اور اس کے آگے مکمل طور پر سر تسلیم خم کر دیں۔"

☆☆☆☆☆

ہمیں یقین ہے کہ فتح ہمیشہ حق کی ہوتی ہے!

"جہاد کا راستہ دراصل تکالیف اور کانٹوں پہ سفر کرنے کے مترادف ہے، جیسا کہ قاعدہ کلیہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مہربانی بقدرِ قربانی ہوتی ہے کہ جتنی ایک بندے کی قربانی ہو اتنی اللہ کی مہربانی بھی ہوتی ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ ہمیشہ فتح حق کی ہوتی ہے، باطل اس کے سامنے نہیں ٹھہر سکتا۔ ہر روز کوئی نہ کوئی واقعہ ایسا ہوتا ہے جو محیر العقول ہو اور اللہ کی مدد و نصرت کی واضح نشاندہی کرتا ہو۔ مجاہدین کا مسلسل دشمن کے خلاف ہمت و استقامت کے ساتھ دفاع کرنا، ان کے توپ، جیٹ بمبار جہازوں اور ہیوی گنوں سے مقابلہ کرنا یہ سب سے بڑی دلیل ہے اللہ کی فتح و نصرت کی!"

مولانا مفتی ولی الرحمٰن شہید رحمۃ اللہ علیہ

جمہوریت کا جال

جمہوری نظام میں شرکت کی جھوٹی امیدوں کا پردہ چاک کرتی ہوئی تحریر

محمد ابراہیم لَڈوِک

محمد ابراہیم لَڈوِک (زید مجدہ) ایک نو مسلم عالمِ دین ہیں جنھوں نے عالَمِ عرب کی کئی جامعات میں علمِ دین حاصل کیا۔ موصوف نے کفر کے نظام اور اس کی چالوں کو خود اسی کفری معاشرے اور نظام میں رہتے ہوئے دیکھا اور اسے باطل جانا، ثم ایمان سے مشرف ہوئے اور علمِ دین حاصل کیا اور حق کو علی وجہ البصیرۃ جانا، سمجھا اور قبول کیا، پھر اسی حق کے داعی بن گئے اور عالَمِ کفر سے نبرد آزما مجاہدین کے حامی اور بھرپور دفاع کرنے والے بھی بن گئے (نحسبه كذلك والله حسيبه ولا نزكي على الله أحدا)۔ انھی کے الفاظ میں: 'میرا نام محمد ابراہیم لَڈوِک ہے (پیدائشی طور پر الیگزانڈر نیکولئی لڈوک)۔ میں امریکہ میں پیدا ہوا اور میں نے علومِ تاریخ، تنقیدی ادب، علمِ تہذیب، تقابلِ ادیان، فلسفۂ سیاست، فلسفۂ بعد از نو آبادیاتی نظام، اقتصادیات، اور سیاسی اقتصادیات امریکہ اور جرمنی میں پڑھے۔ یہ علوم پڑھنے کے دوران میں نے ان اقتصادی اور معاشرتی مسائل پر تحقیق کی جو دنیا کو متاثر کیے ہوئے ہیں اور اسی دوران اس نتیجے پر پہنچا کہ اسلام ایک سیاسی اور اقتصادی نظام ہے جو حقیقتاً اور بہترین انداز سے ان مسائل کا حل لیے ہوئے ہے اور یوں میں رمضان ۱۴۳۳ھ میں مسلمان ہو گیا'، اللہ پاک ہمیں اور ہمارے بھائی محمد ابراہیم لڈوک کو استقامت علی الحق عطا فرمائے، آمین۔ جدید سرمایہ دارانہ نظام، سیکولرازم، جمہوریت، اقامتِ دین و خلافت کی اہمیت و فرضیت اور دیگر موضوعات پر آپ کی تحریرات لائقِ استفادہ ہیں۔ مجلہ 'نوائے غزوۂ ہند' شیخ محمد ابراہیم لَڈوِک (حفظہ اللہ) کی انگریزی تالیف 'The Democracy Trap' کا اردو ترجمہ بطورِ مستعار مضمون پیش کر رہا ہے۔ (ادارہ)

جمہوریت کا جواز

جمہوریت کے حوالے سے ہمیں آج جو سنگین ترین مسئلہ درپیش ہے وہ بعض مسلمانوں کی یہ رائے ہے کہ ضرورت و ناگزیریت کے باعث جمہوریت کا استعمال جائز ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ متبادل ذرائع دستیاب نہ ہونا، اور یہ احتمال کہ جمہوریت میں عدم شرکت اس میں شرکت کرنے سے زیادہ نقصان دہ اور بدتر نتائج کی حامل ہو سکتی ہے، اس کا جواز فراہم کرتے ہیں۔

یہ جواز بعض اوقات نفع و نقصان یا ''مصلحہ و مفسدہ'' کے عنوان تلے پیش کیا جاتا ہے، جس کا جواب عموماً یہی ہوتا ہے کہ شرک سے بڑھ کر مفسدہ کیا ہو سکتا ہے؟ مگر جواباً یہ دلیل دی جا سکتی ہے کہ جمہوری نظام میں شرکت کے ذریعے خلافِ شرع قوانین کو ختم اور تبدیل کر کے اور ایسے قوانین بنا کر جو شریعت کے ساتھ ہم آہنگ ہوں، معاشرے میں شرک کو کم کیا جا سکتا ہے۔ یوں علمی و نظری اعتبار سے ایک ایسا عمل جو کہ براہِ راست غیر اللہ کی عبادت میں مشغول ہونے اور اس کی حمایت کرنے پر مشتمل ہے، اس عمل کا نقصان اور مفسدہ ہلکا نظر آتا ہے۔

اس نقطۂ نظر کے رد میں عموماً یہ جوابی دلیل دی جاتی ہے کہ ''(دو برائیوں میں سے) کمتر برائی کے انتخاب'' کی اجازت صرف اس صورت میں ہے جب کوئی متبادل موجود نہ ہو۔ اب بھی جواباً یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس صورت میں جمہوریت میں حصہ نہ لینا دونوں میں سے بڑی برائی ہے، کیونکہ ہمارے پاس اسلامی نظامِ حکومت کو قائم کرنے کی قوت موجود ہی نہیں ہے۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اکثر صورتوں میں، جمہوریت میں شرکت ہرگز کمتر برائی نہیں ہے اور یہ کہ ایسے کئی قابلِ عمل راستے موجود ہیں جن کے ذریعے نفاذِ اسلام کے لیے درکار مطلوبہ قوت حاصل کی جا سکتی ہے، لیکن اکثر لوگ ان راستوں کی سختی اور مشکلات کے سبب ان کی طرف بڑھنے سے کتراتے ہیں۔

کفر اور اسلام ایک دوسرے کی ضد ہیں اور ان کا یہ باہمی تضاد نہایت بنیادی سطح سے ہی شروع ہو جاتا ہے، لہٰذا ایک ایسا نظام جو کفر پر مبنی ہو، کبھی بھی ایسے اقدامات کو قانونی جواز نہیں بخشے گا جو اسلام کے قیام کا باعث بن سکیں۔ اس کا مطلب ہے کہ اسلام کے نفاذ کے لیے اپنائے گئے مؤثر ترین طریقوں کو بھی اللہ کے یہ دشمن جو پوری دنیا کے قانونی نظام کو کنٹرول کرتے ہیں، غیر قانونی بنا دیں گے۔ ایسے طریقوں کی پیروی کرنے کا مطلب خود کو اس موجودہ عالمی نظام میں شرکت سے باہر کر دینا ہے۔ لیکن یہ جاننا اہم ہے کہ موجودہ عالمی نظام اپنی طاقت انھی لوگوں سے حاصل کرتا ہے جو اس میں شرکت کرتے ہیں۔ ہر شخص جو خود کو اس نظام سے الگ کرتا ہے، وہ اس کو کمزور کرتا چلا جاتا ہے۔ اور ہر وہ شخص جو اس میں شمولیت اختیار کرتا ہے، وہ اس کی تقویت کا باعث بنتا ہے، چاہے اس میں شمولیت سے ان کا ارادہ اس کے ذریعے اسلام کو نافذ کرنا ہی کیوں نہ ہو۔

یہ جاننا اہم ہے کہ موجودہ عالمی نظام اپنی طاقت انھی لوگوں سے حاصل کرتا ہے جو اس میں شرکت کرتے ہیں۔ ہر شخص جو خود کو اس نظام سے الگ کرتا ہے، وہ اس کو کمزور کرتا چلا جاتا ہے۔ اور ہر وہ شخص جو اس میں شمولیت اختیار کرتا ہے، وہ اس کی تقویت کا باعث بنتا ہے، چاہے اس میں شمولیت سے ان کا ارادہ اس کے ذریعے اسلام کو نافذ کرنا ہی کیوں نہ ہو!

مسلمان جب جمہوریت میں حصہ لیتے ہیں تو اس سے اسلامی نظام کے قیام میں تعطل پیدا ہوتا ہے، اولاً کفر پر مبنی سیاسی نظام میں شمولیت کے ذریعے اسے تقویت دینے کے سبب اور ثانیاً وسائل کو ان دینی تحریکوں سے دور کر کے، جو حقیقی معنوں میں باطل قوتوں کے لیے خطرہ ہیں۔

ایک بار اس نظریے کو اپنا لینے کے بعد کہ ”ایک بڑے اور بہتر مقصد کے حصول کی خاطر“(جس کا تعین بھی ہم اپنی محدود عقلوں کی بنیاد پر خود ہی کرتے ہیں) کفر و حرام کا ارتکاب واستعمال کیا جاسکتا ہے، ہم خود پر پہلے سے بڑے اور شدید تر کفر و حرام افعال کا دروازہ کھول دیتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم پہلے اپنے لیے ایک نہایت اعلیٰ و ارفع مقصد کا تعین کرتے ہیں (یعنی قیامِ شریعت) اور پھر اس مقصد کے حصول کی خاطر جس بھی حرام کا ارتکاب کرنا پڑے، اس کی شدت و بڑائی کو اس عظیم ترین مقصد کے پیمانے میں تولتے ہیں، جس کے سامنے وہ ہیچ نظر آتا ہے۔

تاہم ماضی کے تجربات سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ راہِ عمل اچھے نتائج و ثمرات نہیں لاتی۔ جمہوریت کو استعمال کرنے کی مسلمانوں کی ہر کوشش کا انجام تشدد پر ہوا ہے، کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ کفار محض انہی حکومتوں کو چلنے دیتے ہیں جو ان کے مفادات کا تحفظ کرتی ہوں۔ حقیقت میں وہ خود بھی ”عوامی خواہشات“ کے احترام کے اپنے ہی ایجاد کردہ نعروں پر یقین نہیں رکھتے، اور وہ جمہوری راستے سے منتخب ہونے والے قائدین جو ان کے مفادات کا تحفظ نہ کرتے ہوں، کو بھی گرانے اور برطرف کرنے کی ایک طویل اور ثابت شدہ تاریخ رکھتے ہیں۔[۸]

جس کا مطلب ہے کہ جمہوری نظام میں مراعات حاصل کرنے کے لیے کی گئی لمبی چوڑی محنت اور سرمایہ کاری، لمحوں میں چھن سکتی ہے، اور اس کا مطلب یہ ہے کہ دلائل اور حجتوں کا وہ پورا کھاتا جو جمہوری نظام میں شرکت کرنے اور اس کی متعدد برائیوں اور قباحتوں میں مبتلا ہونے کو جواز بخشنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے، اس کی حیثیت نرم ترین معیار کے مطابق بھی مشکوک ہے۔

مطلب یہ کہ جمہوری نظام میں مراعات حاصل کرنے کے لیے جو مختلف صورتوں میں سرمایہ درکار ہے وہ لمحہ بھر میں چھن سکتا ہے۔ یعنی جمہوری نظام میں شرکت کی مختلف قباحتوں کو جواز دینے کیلیے جو اندازے لگائے گئے تھے وہ سرے سے مشکوک ہی ہیں۔

عَنْ أَبِي الْحَوْرَاءِ السَّعْدِيِّ قَالَ قُلْتُ لِلْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا مَا حَفِظْتَ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ حَفِظْتُ مِنْهُ دَعْ مَا يَرِيبُكَ إِلَى مَا لَا يَرِيبُكَ (سنن النسائی ۵۷۱۱)

حضرت ابوالحوراء سعدی سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ میں نے حضرت حسن بن علیؓ سے کہا کہ آپ نے رسول اللہ ﷺ سے کوئی فرمان یاد رکھا ہے؟ انہوں نے کہا کہ میں نے آپ کا یہ فرمان یاد رکھا ہے: ”مشکوک اور مشتبہ چیز کو چھوڑ کر وہ اختیار کرو جو مشتبہ نہ ہو“۔

سیاست

سیاسی اداروں کو عادات کے بہت بڑے مجموعے کے طور پر سمجھا جاسکتا ہے۔ انسان عادات کی مخلوق ہے...... جتنا زیادہ ہم ایک عمل کو دہراتے ہیں، اتنا ہی وہ ہماری پختہ عادت بنتا جاتا ہے۔ جو اعمال تسلسل کے ساتھ انجام دیے جائیں وہ کبھی کبھار کیے جانے والوں کاموں کی نسبت زیادہ اثر رکھتے ہیں۔ نبی ﷺ کا فرمان ہے:

سَدِّدُوا وَقَارِبُوا، وَاعْلَمُوا أَنْ لَنْ يُدْخِلَ أَحَدَكُمْ عَمَلُهُ الجَنَّةَ، وَأَنَّ أَحَبَّ الأَعْمَالِ إِلَى اللَّهِ أَدْوَمُهَا وَإِنْ قَلَّ (صحیح البخاری ٦٤٦٤)

”درستی کا قصد کرو، افراط تفریط کے درمیان اعتدال کرو اور یقین کرو کہ تم میں سے کسی کو اس کا عمل جنت میں داخل نہیں کرے گا۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں زیادہ پسندیدہ عمل وہ ہے جو ہمیشہ کیا جائے خواہ وہ کم ہو۔“

کسی بھی مذہب کا سب سے اہم جزو اس کی رسومات ہوتی ہیں۔ اسلام کی اہم رسومات میں نماز، حج، زکاۃ کی ادائیگی، جہاد، عقیقہ، ولیمہ وجنازہ وغیرہ شامل ہیں۔ جتنا ان کو دہرایا جائے گا، اتنا ہی یہ معاشرے اور افراد کی زندگیوں میں راسخ ہوتے چلے جائیں گے۔

اسی طرح جمہوریت کی رسومات میں شہریت کی تقسیم، انتخابات، عوام کی ذہن سازی، احتجاجی جلسے اور پارلیمانی اجلاس وغیرہ آجاتے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کو تکرار سے نافذ کیا جاتا ہے اور مسلسل دہرانے سے ان کو قوی اور مزید پختہ کیا جاتا ہے۔ اس پختہ کرنے کے عمل کا ایک سماجی پہلو بھی ہے کہ جتنا لوگ دوسروں کو یہ کام کرتا ہوا دیکھیں گے اتنا ہی وہ خود بھی یہی سب کرنے کی طرف مائل ہوتے چلے جائیں گے۔

جمہوریت کا ایک مسلمہ اصول یہ ہے کہ انتخابات کی قانونی حیثیت کا تعین اس بات سے کیا جاتا ہے کہ آبادی کی کتنی تعداد نے انتخابی عمل میں حصہ لیا۔ مثال کے طور پر اگر رائے دہندگان کی تعداد بیس فیصد سے کم ہو، تو ایسے انتخابات کو لوگوں کی خواہشات کی صحیح ترجمانی تصور نہیں کیا جاتا اور منتخب ہونے والے نمائندوں کی قانونی حیثیت بھی ادنیٰ و کمتر سمجھی جاتی ہے۔

اس اعتبار سے انتخابات ایک طرح کے معاہدے کی صورت پیش کرتے ہیں...... آپ کے نمائندے کی فتح کی صورت میں ہم اس کے اختیار و اقتدار کا احترام کریں گے اور اگر ہمارا نمائندہ جیتا تو آپ کو اس کے اختیار کو تسلیم کرنا ہوگا۔ پارلیمانی انتخابات میں چونکہ بالعموم

---

[۸] شیخ محمد ابراہیم لڈوک کی اس بات کی ایک بیّن دلیل و مثال مصر میں ’عرب بہار‘ کے بعد ’الاخوان المسلمون‘ کا ’جمہوریت‘ کے ذریعے اقتدار میں آنا اور پھر تشدد کے ذریعے اقتدار سے الگ کر دیا جانا ہے۔ (مدیر)

مختلف امیدواروں کا ایک مجموعہ ہوتا ہے، لہٰذا ان کی قانونی حیثیت کے استحکام اور مضبوطی کا دار و مدار لوگوں کی انتخابی عمل میں شمولیت کی تعداد پر ہوتا ہے۔

یوں اگر آپ کسی نام نہاد دینی امیدوار کو بھی ووٹ دیتے ہیں تو اس کا نتیجہ بآسانی ایسے امیدواروں کی جیت اور ان کی مدد و نصرت کی صورت میں نکل سکتا جو ہے جو اسلام سے کھلم کھلا عداوت رکھتے ہوں۔

جمہوری نظام میں شرکت کرنے سے ممکن ہے کہ ایک مسلم سیاست دان اور اس کے ووٹر سیاسی نظام کے عین قلب میں کچھ اثر و رسوخ حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں، ممکن ہے کہ وہ کسی حد تک اس پر اثر انداز ہونے کے بھی قابل ہو جائیں، لیکن اس سارے عمل سے وہ مجموعی طور پر جمہوری نظام کی ساکھ کو ہی مضبوط کریں گے۔ اپنے تئیں ان کا خیال ہو گا کہ وہ اسلامی ایجنڈے کو آگے بڑھا رہے ہیں، جبکہ در حقیقت وہ جمہوریت کے غلبے کو تقویت دے رہے ہیں، اور اس کے نتیجے میں مسلمانوں پر مغرب کو!

فتح محض علاقوں کی تسخیر کا نام نہیں، بلکہ نظریات و اقدار کے ساتھ لوگوں کے ذہنوں کو مسخر کرنا بھی فتح کی ایک قسم ہے۔ جمہوری عمل میں ایک مسلمان اگر سیاسی نظام میں آٹھ درجوں تک گھسنے میں کامیاب ہو جاتا ہے تو اس دوران یہ نظام خود اس کے اندر دس درجوں تک راسخ ہو جاتا ہے، اور پھر اس کے ذریعے اس کے ووٹر حلقے میں بھی۔ یوں مجموعی طور پر کفار اس سلطنت کی معاشرتی و نفسیاتی زمین پر زیادہ علاقہ فتح کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔

یہ تمثیل میدانِ جنگ میں جابجا نظر آتی ہے-جب کسی چال کے چلنے کا بظاہر نتیجہ کسی علاقے کو دشمن کے ہاتھ کھو دینا ہوتا ہے، لیکن در حقیقت اس نقصان کو برداشت کرنے سے کسی ایسے علاقے کی فتح کا امکان ہو جو حکمت عملی کے اعتبار سے زیادہ اہمیت کا حامل ہو۔ ایک تبادلہ ہوتا نظر آتا ہے جس میں فریقین اپنے اپنے طور پر زیادہ ثمرات اکٹھے کرنے کی کوشش میں ہوتے ہیں۔

اس طرز پر جمہوریت کے ذریعے اثر و رسوخ حاصل کرنے کی کوشش کو بعض جدت پسند مسلمان یوں بیان کرتے ہیں کہ "ہم اسلام کو جدید نہیں کر رہے، بلکہ ہم جدیدیت کو اسلامائز کر رہے ہیں"۔ جبکہ در حقیقت یہ ایک دورویہ سڑک ہے...... وہ جدیدیت کو اسلامائز کرنے کی کوشش کر رہے ہیں لیکن اس کوشش میں وہ اسلام کا ایک جدید نمونہ تیار کر رہے ہیں، اور اس کا نقصان نفع سے زیادہ ہے۔ مختصراً، آپ کو نظام پر جتنی دسترس حاصل ہوتی ہے اس کے مقابلے میں نظام کو آپ پر کہیں زیادہ دسترس حاصل ہو گی۔

یہ سوال کہ ہم یہ کیسے جانتے ہیں کہ نفع کے مقابلے میں نقصان زیادہ ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جمہوریت اپنی فطرت کے اعتبار سے ہمیشہ اکثریت کو فائدہ پہنچاتی ہے، جبکہ مسلمان ہمیشہ اقلیت ہی رہے ہیں۔ حتیٰ کہ اس کا اطلاق مسلم اکثریتی علاقوں پر بھی ہوتا ہے کیونکہ علاقائی جمہوریتیں بین الاقوامی جمہوریت کے تابع ہوتی ہیں۔

جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر آپ کسی مسلمان کو کسی مسلم اکثریتی ملک میں کوئی اہم سیاسی منصب بھی تفویض کر دیں، تب بھی وہ عالمی برادری کی طرف سے ایک مسلسل دباؤ میں رہے گا، جن کی اکثریت اسلام سے واقف ہی نہیں، کجا یہ کہ اس پر عمل پیرا ہوں۔ مزید یہ کہ، سچ تو یہ ہے کہ کفار خود بھی عالمی سطح پر صحیح معنوں میں جمہوریت کے اصولوں کی پاسداری نہیں کرتے...... وہ عسکری، معاشی، تہذیبی اور نفسیاتی سمیت متعدد اقسام کے جنگی حربے استعمال کرتے ہیں تاکہ اس بات کو یقینی بنایا جاسکے کہ مسلمان ممالک میں صرف کرپٹ مسلم حکمران ہی اقتدار میں آئے، اور تعاون نہ کرنے والے حکمرانوں کو اکثر مسندِ اقتدار سے بزورِ طاقت ہٹا دیتے ہیں۔

جس سے یہ امر یقینی ہو جاتا ہے کہ عالمی جمہوریت میں طاقت کا توازن ہمیشہ کفار کے حق میں برقرار رہے، اور نظام کا مسلمانوں پر اثر و رسوخ اس اثر و رسوخ سے ہمیشہ زیادہ رہے جو مسلمانوں کا نظام پر ہے۔ یوں ایک مسلمان حکمران کی حیثیت صرف خوراک کی نالی کی سی ہے جس کے ذریعے کفار مسلمان عوام کی رگوں میں اپنے اثر و رسوخ کا زہر انڈیلتے رہیں۔

تہذیب

جمہوریت میں حصہ لینا اس بات کا تقاضا کرتا ہے جمہوری روایات سے مطابقت اختیار کی جائے۔ یہ مطابقت محض سیاسی زندگی تک محدود نہیں بلکہ لباس، تقریر، رہن سہن حتیٰ کہ سوچ میں بھی درکار ہے۔ یہ تمام رویے جمہوری نظام اور اس پر مشتمل اقدار کو تمدنی معیارات کے طور پر برقرار رکھنے میں کردار ادا کرتے ہیں۔

سیاست میں شمولیت کے مختلف درجات ہیں، اور اگر کوئی شخص نظام کے طے کردہ معیارات سے اپنی مطابقت ثابت نہیں کرتا تو اس کو کبھی بھی جمہوریت کے اندر کسی اعلیٰ عہدے تک ترقی نہیں کرنے دی جائے گی۔ ایک متقی و پرہیزگار مسلمان کو ووٹ کا حق تو مل سکتا ہے، لیکن اس کو کبھی بھی کسی اہم منصب پر پہنچنے کا حقیقی موقع میسر نہیں آئے گا، الّا یہ کہ وہ اپنی شناخت اور اقدار پر سمجھوتہ کر لے۔ اگر وہ اپنی اقدار پر سمجھوتہ کر لے، تب وہ ایک رہنما بن جائے گا اور اس کے حمایتی اس کے پیروکار بن جائیں گے، یعنی اس کے پیروکار بھی اپنی اقدار پر سمجھوتہ کر لیں گے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات پر زور دیا ہے کہ ایسے دستر خوان پر نہ بیٹھا جائے جہاں شراب استعمال ہو رہی ہو۔

مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلَا يَجْلِسْ عَلَى مَائِدَةٍ يُدَارُ عَلَيْهَا بِالْخَمْرِ(جامع ترمذی۔۲۸۰۱)

"جو شخص اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو وہ ایسے دستر خوان پر نہ بیٹھے جہاں شراب کا دور چلتا ہو۔"

اس نصیحت پر عمل کرنے کا ایک فائدہ یہ ہے کہ انسان گناہ پر اپنی رضامندی ظاہر کرنے سے بچا رہتا ہے، اور اس اصول کا اطلاق اس وقت بھی ہو تا جب خود کو کسی بھی برے عمل سے الگ کرنے کا موقع ہو۔

عَنْ قَيْسِ بْنِ أَبِي حَازِمٍ، قَالَ: قَامَ أَبُو بَكْرٍ فَحَمِدَ اللَّهَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ، ثُمَّ قَالَ: يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّكُمْ تَقْرَءُونَ هَذِهِ الْآيَةَ: {يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ عَلَيْكُمْ أَنفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُم مَّن ضَلَّ إِذَا ٱهْتَدَيْتُمْ} [المائدة: ١٠٥] ، وَإِنَّا سَمِعْنَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ: «إِنَّ النَّاسَ إِذَا رَأَوُا الْمُنْكَرَ لَا يُغَيِّرُونَهُ، أَوْشَكَ أَنْ يَعُمَّهُمُ اللَّهُ بِعِقَابِهِ (سنن ابن ماجه ۴۰۰۵)

حضرت قیس بن ابو حازم سے روایت ہے کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے کھڑے ہو کر اللہ کی حمد و ثنا بیان کی، پھر فرمایا: اے لوگو! تم یہ آیت پڑھتے ہو: {يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ عَلَيْكُمْ أَنفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُم مَّن ضَلَّ إِذَا ٱهْتَدَيْتُمْ}"اے ایمان والو! تم اپنے آپ کو سیدھا رکھو۔ جب تم ہدایت پر ہو تو گمراہ لوگ تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکیں گے"۔ اور ہم نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ فرما رہے تھے: لوگ جب برائی کو دیکھیں اور اسے ختم نہ کریں (اس سے منع نہ کریں) تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب کو عذاب کی لپیٹ میں لے لے۔

صرف گناہ کے موقع پر موجود ہونا، اور اس کو روکنے کی استطاعت بھر کوشش بھی نہ کرنا، بذاتِ خود قابلِ مواخذہ فعل ہے۔ مزید یہ کہ شریر و فاسق لوگوں کی صحبت آپ پر برا اثر ڈالنے کے سوا کچھ فائدہ نہیں دیتی۔

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے:

لَا تُجَالِس أَهْلَ الْأَهْوَاءِ, فَإِنَّ مُجَالَسَتَهُم مُمرِضَة لِلقُلُوبِ

"ہوائے نفس کے پیروکاروں کے ساتھ مت بیٹھو کہ ان کی محفلیں دلوں کا مرض ہیں۔"

قَالَ مُسلِمُ بنُ يَسَارٍ:لَا تُمَكِّنُ صَاحِبَ بِدعَةٍ مِن سَمعِكَ فَيَصُبُّ فِيهَا مَا لَا تَقدِرُ اَن تُخرِجَهُ مِن قَلبِكَ

مسلم بن یسار سے روایت ہے "کسی بدعتی کو اپنی سماعت تک رسائی مت دو کہ وہ اس میں وہ بات ڈال دے گا جسے تم اپنے دل سے نکالنے کی استطاعت نہ رکھتے ہو گے۔"

عَنْ عَمرِو ابنِ قَيسٍ، قَالَ: كَانَ يُقَالُ: لَا تُجَالِس صَاحِبَ زَيغٍ، فَيُزِيغَ قَلبَكَ

عمرو ابن قیس سے روایت ہے، "(ماضی میں) یہ کہا جاتا تھا کہ گمراہ شخص کے ساتھ مت بیٹھو کہ وہ تمہارے دل کو گمراہ کر دے گا۔"

یعنی کسی انسان کے دل کی خرابی کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ خواہشاتِ نفسانی کے پیروکے ساتھ تعلقات رکھے، وہ لوگ جو سنت کو چھوڑ کر بدعات کے پیچھے چلیں۔ تاہم جن کو ہم پارلیمنٹ میں دیکھتے ہیں، وہ عموماً کھلے کافر، بدعتی اور مرتد ہوتے ہیں۔ ہمیشہ جب بھی مسلمانوں کو ان کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے، معاملات کرتے اور روابط استوار کرتے دیکھا گیا، یہ مشاہدہ کیا گیا کہ وقت کے ساتھ ان (مسلمانوں) میں بگاڑ پیدا ہوا اور بڑھتا گیا۔

جمہوری نظام میں آگے بڑھنے کا مطلب اکثر ایسے لوگوں سے اتحاد کرنا بھی ہوتا ہے جن سے آپ اختلاف رکھتے ہوں۔ یعنی آپ اس چیز پر رضامند ہو جاتے ہیں کہ آپ اپنے اتحادیوں کی ان معاملات میں بھی حمایت کریں گے جن پر ضروری نہیں کہ آپ ان سے متفق ہوں، اور اسی طرح آپ کے اتحادی ان معاملات میں آپ کی حمایت پر رضامند ہوتے ہیں جن پر وہ متفق نہ ہوں۔ یہ ایک اور سطح ہے جہاں جمہوریت کو دو برائیوں میں سے کمتر برائی کے طور پر قبول کرنے کے فیصلے اور انتخاب کو تجزیے کی ضرورت ہے۔

پھر جمہوری نظام میں شمولیت اختیار کرنے والے مسلمانوں کو بے دین اور واضح طور پر فاسق و فاجر افراد سے اچھا خاصہ رابطہ و تعلق اور گفت و شنید کا موقع ملتا ہے، اور نہ صرف یہ بلکہ مستقل بنیادوں پر ان کے ساتھ مل کر کام کرنا پڑتا ہے۔ پھر چاہے وہ اخلاص کے ساتھ ہی اس نظام میں کیوں نہ شامل ہوئے ہوں لیکن بالآخر ماحول ان پر اثرانداز ہونے لگتا ہے۔

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَثَلُ الْجَلِيسِ الصَّالِحِ وَالْجَلِيسِ السَّوْءِ كَمَثَلِ صَاحِبِ الْمِسْكِ وَكِيرِ الْحَدَّادِ لَا يَعْدَمُكَ مِنْ صَاحِبِ الْمِسْكِ إِمَّا تَشْتَرِيهِ أَوْ تَجِدُ رِيحَهُ وَكِيرُ الْحَدَّادِ يُحْرِقُ بَدَنَكَ أَوْ ثَوْبَكَ أَوْ تَجِدُ مِنْهُ رِيحًا خَبِيثَةً (صحيح البخارى ٢١٠١)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "نیک ساتھی اور برے ساتھی کی مثال کستوری والے اور لوہار کی بھٹی کی سی ہے۔ کستوری والے کی طرف سے کوئی چیز تجھ سے معدوم نہ ہوگی، تو اس سے کستوری خرید لے گا یا اس کی خوشبو پائے

گا۔ اس کے برعکس لوہار کی بھٹی تیرا بدن یا تیرا کپڑا جلا دے گی یا تو اس سے بدبودار ہوا حاصل کرے گا۔"

شناخت

کسی گروہ کی کامیابی کا انحصار اس بات پر ہوتا ہے کہ اس میں شامل افراد کس حد تک اپنے مقصد کی خاطر قربانی دینے کو تیار ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بعض مسلمان قیامت تک حق پر قائم اور غالب رہیں گے کیونکہ وہ حق کے لیے لڑیں گے اور اپنے مقصد و ہدف پر غیر متزلزل یقین رکھتے ہوں گے۔ جن کے عقائد میں بگاڑ ہوگا وہ شبہات میں گھر جائیں گے، اور مقصد کے حوالے سے یہ عدم اعتمادی بالآخر ان کا عزم اور قربانی کا جذبہ کمزور کر دے گی۔

عقیدے سے ہٹ کر، کسی گروہ کی کامیابی کے لیے ضروری ہے کہ وہ ایک واضح شناخت رکھتا ہو۔ کسی کو عقیدے کی درستگی اور ایمان کی پختگی کوئی فائدہ نہیں دے سکتی اگر وہ دوست اور دشمن کی صحیح تعریف نہ کر سکے۔ اس اعتبار سے یہ بات نہایت اہمیت کی حامل ہے کہ مسلمانوں کی ایک مضبوط اسلامی شناخت ہو۔

یقیناً، اہل ایمان سے اتحاد توحید کا جزو ہے، کیونکہ لا الہ الا اللہ پر ایمان اس چیز کو لازم کرتا ہے کہ ایسے لوگوں کی حمایت و نصرت کی جائے جو عبادات میں توحید پر قائم رہنے کی کوشش کرتے ہیں، اور ان لوگوں کی مخالفت کی جائے جو زمین پر شرک کو پھیلانے کے لیے کوشاں ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ اہل توحید کی مدد و نصرت کیسے کی جائے اگر ہم ان کے اور اہل شرک کے درمیان تمیز ہی نہیں کر پا رہے۔

کسی مقصد پر مضبوط و غیر متزلزل ایمان و یقین ہونے کے لیے ایک واضح و مضبوط پہچان کا ہونا ضروری ہے۔

اگرچہ ہر جگہ بعض علاقائی و ثقافتی اختلافات موجود ہوتے ہیں، لیکن تمام اہل السنۃ کو جوڑنے اور متحد کرنے والی ڈور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ یہ سنت ہی ہے جو متنوع اسلامی ثقافتوں کو ایک مخصوص و یکتا شناخت عطا کرتی ہے۔ گمراہ فرقوں کا آغاز ہمیشہ سنت کے ترک اور دین میں بدعات کی ترویج سے ہوتا ہے۔

سنت کا سب سے اہم پہلو رسمی عبادات کے طریقے ہیں، لیکن طرزِ زندگی بھی بہت اہمیت رکھتا ہے۔ بلاشبہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین طہارت اور لباس جیسے معمولی معاملات میں بھی سنت کی پیروی کو اہم عبادات تصور کرتے تھے۔ ایک ہی ثقافتی پس منظر سے تعلق رکھنے والے لوگ لباس و طعام، گفت و شنید اور معاشرتی معاملات میں اپنے ایک سے رویّوں کے سبب ایک دوسرے سے قربت محسوس کرتے ہیں۔ اسی طرح ایک شخص جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھتا ہو وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی و تقلید کرنے والے سے بھی محبت کرتا ہے، اور ایسے شخص کو جو سنت کی جگہ بدعات کو ترویج دیتا ہو، اس کے لیے اس کے دل میں صرف نفرت ہی ہوگی۔

جمہوری نظام میں شرکت کا مطلب بہت سی جگہوں پر سنت کو ترک کرنا ہے۔ جمہوری حکومتیں عموماً اسلامی ثقافت کے ہر پہلو کے بارے میں تنقیدی رویہ رکھتی ہیں۔ مثال کے طور پر، مصر کے محمد مرسی رحمہ اللہ نے اپنی صدارت کے دوران صرف ایک مرتبہ مصر کا روایتی لباس پہنا تو انہیں میڈیا کی جانب سے شدید تنقید و تمسخر کا نشانہ بنایا گیا۔

پس جمہوریت میں شرکت کا مطلب اپنے لباس اور طرزِ زندگی کو کفار کے مشابہ بنالینا ہے، جس سے اسلام کی اس کی شناخت و پہچان پر اثر پذیری میں کمی آتی ہے۔ اسی کے نتیجے میں آگے چل کر مسلمانوں کی جماعت سے اس کی محبت اور ایک مشترکہ شناخت کے تعلق میں کمزوری واقع ہو جاتی ہے۔ مزید آگے بڑھیں تو اس سے امّت کا اتحاد کمزور پڑتا ہے اور ہماری آپس میں ایک دوسرے سے تعاون کرنے کی صلاحیت میں کمی واقع ہوتی ہے۔ اسلامی تشخص میں کمی کا مطلب اہل ایمان کے مابین اتحاد کی کمی ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ توحید کی حقیقت، اس کا اظہار اور اس کی اقامت میں کمزوری پیدا ہو جاتی ہے۔

یہ اس بات کا ٹھوس مظہر ہے کہ کس طرح شرک کے ماحول میں شرکت براہِ راست توحید کو کمزور کرتی ہے۔ اس پوشیدہ اثر کو سمجھنا اور اس کا ادراک کرنا دشوار ہے، اور اسی وجہ سے جمہوریت میں شرکت کے فوائد و نقصانات کے تقابل کے دوران اس امر سے صرفِ نظر ہو جاتا ہے۔

مسلمان قدرتی طور پر کسی "اپنے" کو اقتدار میں دیکھنا چاہتے ہیں، خصوصاً جب اس اقتدار کو اسلامی تشخص کے مختلف پہلوؤں کی تائید کے لیے استعمال کیا جاتا ہو، جیسے عوامی حلقوں میں حجاب کی موجودگی وغیرہ۔ بہر حال قائدین عوام کے لیے نمونہ ہوتے ہیں، اور اگر وہ اقتدار کے حصول کے لیے وضع قطع میں کفار کی تقلید کریں گے، تو اس کا اثر ان کے پیروکاروں پر بھی نظر آئے گا، جس سے اسلامی تشخص کمزور تر اور کفار کی ثقافتی و تہذیبی قوت و احترام کو تقویت ملے گی۔

(جاری ہے، ان شاء اللہ)



کچھ کر گزرو!

قاضی ابو احمد

اکثر جب ہم کوئی لذیذ کھانا تناول کرتے ہیں تو بے تکلف محفل میں یہ کہا جاتا ہے کہ پیٹ تو بھر گیا مگر نیت سیر نہیں ہوئی۔ کچھ یہی حال ہمارے ملک کے سیاست دانوں، بیوروکریٹ طبقے اور فوج کا بھی ہے۔ ان کے بینک اکاؤنٹ ابلے پڑ رہے ہیں، نا صرف ان کے بلکہ ان کے اہل خاندان کے بھی؛ پاکستان میں رہتے ہوئے بھی ان کو ہر وہ سہولت اور آسائش ایک اشارے پر میسر ہے جس کا خواب بھی پاکستان کے باقی ماندہ اٹھانوے فیصد عوام نہیں دیکھ سکتے۔ مگر اس کے باوجود ان بھری جیبوں اور بھرے پیٹوں والوں کی حرص ہے جو ختم ہو کر نہیں دیتی۔ دنیا کے مختلف گوشوں میں محلوں کے محل کھڑے کر لیے، ایک سے ایک قیمتی گاڑیوں کی قطاروں کی قطاریں ہیں، لباس اتنے کہ ایک کے بعد دوسرا زیب تن کرنے کی نوبت ہی نہ آئے، اعلیٰ خوراک کی اس قدر فراوانی کہ وہ زہر خورانی بن جائے اور بیرون ملک علاج کرانے جانا پڑے...... مگر اس کے باوجود نہ چوری سے باز آتے ہیں نہ ہیرا پھیری سے، ان کے پیٹ تو بس قبر کی مٹی ہی سے بھرے جائیں گے (بمطابق حدیث)۔

بھوکے ننگے رہنے والوں کو نہ بھوک کا خوف رہتا ہے، نہ بے گھر ہونے کا، نہ لباس کے ناکافی ہونے کا اور نہ ہی معیار دنیا سے میل نہ کھانے کا...... وہ تو پیٹ پر بندھے پتھروں کے ساتھ خوف کی قریباً ہر معلوم سرحد کو پار کر چکے ہوتے ہیں۔ یہ خوف تو انہیں ہی ہوتے ہیں جنھوں نے کبھی نہ بھوک کی آزمائش دیکھی ہو نہ دربدری کی۔ جو سونے کا چمچ منہ میں لے کر پیدا ہوتے ہیں اور پھر ان عوام پر حکومت کرتے ہیں جن کے گھروں میں لوہے کے چمچ بھی ڈھونڈے سے نہیں ملتے۔

یہ ذکر توشہ خانہ کیس کا، اس سے مستفید ہونے والوں، اور ان قوانین کا کہ جن کے تحت مال و دولت کے پہاڑ رکھنے والے، سرکاری تحائف کو کوڑیوں کے مول خرید سکتے ہیں اور خریدتے ہیں اور عوام بے چارے لوڈشیڈنگ، مہنگائی، بے روزگاری، اقتصادی بدعنوانیوں کے ثمرات اور روز افزوں بڑھتے ٹیکسوں اور گھٹتی تنخواہوں کے بوجھ تلے پسنے اور آٹے جیسی بنیادی ضرورت کے حصول کی خاطر قطاروں میں لگنے اور بھگدڑ میں مرنے کے لیے چھوڑ دیے جاتے ہیں۔ اور صرف توشہ خانہ ہی کیوں...... پاکستان کے حکمران، جاگیر دار، فوجی اور بیوروکریٹ طبقے کے حمام میں سب ہی ننگے ہیں۔ کوئی ملک سے باہر رہ کر ملک کو لوٹ رہے ہیں تو کوئی فوج کا 'تقدس' بر قرار رکھنے کی خاطر 'اس ملک کو لوٹ رہے ہیں۔ کچھ وہ ہیں جو لوٹ کھسوٹ کے بعد سعودی عرب اور لندن میں بیٹھ کر بھی ھل من مزید کے نعرے لگا رہے ہیں اور ان کے قبر میں لٹکے پیروں والے جسم کے منہ رالیں ٹپکا رہے ہیں۔ جب کہ عوام اور ملک کا حال یہ ہے کہ گزشتہ ماہ رمضان میں ملک کے دگر گوں معاشی حالات کے سبب چندوں میں خاطر خواہ کمی سے خیراتی اداروں تک کی چوں بول گئی اور اپنے فلاحی اور خیراتی منصوبوں پر عمل درآمد ان کے لیے مشکل ہو گیا۔ ملک کا وہ طبقہ کہ جسے سفید پوش کہا جاتا ہے اور جس نے ہمیشہ دینے والا ہاتھ بن کر ہی اپنی سفید پوشی اور انسانی ہمدردی کا ثبوت دیا ہے، وہ بھی اب خیراتی اداروں کے لنگر، ان کے سحر و افطار کے دستر خوان پر مع خاندان دکھائی دیتے ہیں۔ جب حکمرانوں اور عوام کے بیچ اس قدر بڑی خلیج ہو گی تو یہ حکمران کیونکر عوام کی مشکلات اور ان کے مسائل کو حل کرنے بارے سوچیں گے! عوام بارے تو وہ سوچتے ہیں جن کے عوام فاقے سے ہوں تو وہ خود بھی فاقے کرتے ہیں، جب عوام سوتے ہیں تو وہ ان کی جان و مال کی حفاظت کی خاطر ان کا پہرہ دیتے ہیں اور خود جنہیں اپنی حفاظت کا چنداں خوف نہیں ہوتا کہ بلا تکلف اپنے بازو کا تکیہ بنا کر درخت کے سائے تلے، یا مسجد کی خاک پر لیٹ کر سو جاتے ہیں اور اس حال میں بھی ان کا رعب و ہیبت کفار پر ایسی ہوتی ہے کہ انہیں اس طرح سوتے دیکھ کر بھی کافر سفیر تھر تھر کانپنے لگتے ہیں۔ مگر یہ ذکر تو ان ذی شان 'مسلمان' حکمرانوں کا ہے جن کی عزت اور شان ان کے اسلام سے تھی اور ہے اور یوں پیوندوں بھرے لباس کے ساتھ بھی بیت المقدس کی کنجیاں وصول کرنے سے ان کی شان گھٹتی نہ تھی...... یہ ہر گز ان کا ذکر نہیں جو خود کو مسلمان کہتے بھی شرماتے ہیں اور نعوذ باللہ اس 'تہمت' کو خود سے دور ہی رکھنے میں راحت محسوس کرتے ہیں یا اسلام کے نام کو اسلام پسند عوام کے دلوں اور ذہنوں پر راج کرنے کا ذریعہ بناتے ہیں۔

عرصہ پہلے ایک مرتبہ سڑک پر ایک بزرگ کو دیکھا۔ نہایت ہی بدحال، گند اغلیظ لباس، گندے الجھے بال، یا تو رعشہ کی وجہ سے لرزتے ہوئے اور یا (گمان غالب یہ ہے کہ) کمزوری کی وجہ سے کانپتے ہوئے سڑک پر آہستہ آہستہ چلے جا رہے ہیں۔ اتنے نحیف ہیں یا دنیا سے اس قدر بے زار و بے نیاز کہ سوال بھی نہیں کر رہے۔ کوئی خود ہی ترس کھا کر کچھ دے دے تو دے دے۔ ان کو دیتے ہوئے بھی دکھ ہوتا کہ اس میں سے ان کو کیا ملے گا اور نہ دے کر بھی ضمیر کوڑے برساتا۔ جن کو پالنے پوسنے پروان چڑھانے میں ان بزرگ نے اپنی راحت اپنی جوانی قربان کی ہو گی آج وہی ان کی رگوں سے خون کا آخری قطرہ تک نچوڑنے کے درپے ہیں۔ انہی بزرگ کا سا کچھ حال پاکستان کا ہو چکا ہے۔ کھاؤ کھاؤ اور مزید کھاؤ کی پالیسی کے تحت کھا کھا کر اس ملک کے 'محافظوں'، اس کے حکمرانوں اور اس کے کرتا دھرتاؤں نے اس ملک کی جڑوں تک کو کھوکھلا کر دیا اور اس پچھتر سالہ ریاست کو کشکول پکڑا کر دنیا کے چوک میں بٹھا دیا۔

یہ تو ان کا حال ہے جو ملک کے اندر بیٹھ کر اس کے وسائل کھسوٹ رہے ہیں اور پھر انہیں غیر ملکی بینکوں میں 'محفوظ' کر رہے ہیں۔ دوسرے وہ غیر ملکی طاقتیں ہیں جو باہر بیٹھ کر ملکی وسائل پر نگاہ رکھے ہوئے ہیں۔ ہر ملک کے وسائل پر نہیں...... بالخصوص مسلمان ممالک کے وسائل پر۔

خواہ یہ وسائل تیل، گیس، معدنیات، زمینی پیداوار، افرادی قوت سے متعلق ہوں اور خواہ یہ زرخیز اور ذہین دماغوں کی صورت ہوں۔ کفر کبھی یہ نہیں چاہتا کہ مسلمان اقوام کے اندر کسی قسم کے قابل افراد پھلے پھولیں کیونکہ وہ یہ جانتا ہے کہ اگر قابل افراد کی ایک پود تیار ہو گئی تو وہ کسی نہ کسی دن انہی کفار کا گلا کاٹنے کی تیاری کرے گی۔ لہٰذا وہی کام جو فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کے پیدا ہونے اور بڑے ہونے کے خوف سے کیا، ذرا جدید طریقے سے آج کے فراعنہ بھی انجام دے رہے ہیں؛ بعینہٖ اس شعر کے مصداق

یوں قتل سے بچوں کے وہ بدنام نہ ہوتا
افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی

چونکہ فراعنہ عصر کو کالج کی سوجھ چکی ہے لہٰذا اول تو یہ کہ مسلمانوں کی نئی نسلوں کو سکول کالج کے ذریعے فکری کجی اور فکر معاش کی ایسی ڈگر پر ڈال دو کہ یہ کسی قابل ہی نہ بچیں۔ پھر ان کے ہاتھ میں موبائل اور انٹرنیٹ اس قدر سستا فراہم کر دو کہ جس کے پاس پیٹ بھر کر روٹی کھانے کے پیسے بھی نہ ہوں وہ بھی ان 'سہولتوں' سے استفادہ کر سکتا ہو اور یوں ذوق کے بگڑنے اور علم و ایمان کے ضیاع میں رہتی کسر اس پر موجود گندگی پوری کر دے۔ لیکن پھر بھی خدانخواستہ ثم خدانخواستہ کچھ بچے اگر گھروں کی اچھی تربیت اور اساتذہ کی مناسب رہنمائی کے سبب اپنی ذہنی صلاحیتیں ثابت کرتے پائے جائیں تو انہیں کم عمری میں ہی چھانٹ لو اور مسلمان نسل کا یہ ست یہ لب لباب طرح طرح کی ترغیبات کے ذریعے اپنے مفادات کے حصول میں استعمال کرو۔

چند ماہ قبل کراچی میں امریکی قونصلیٹ کی جانب سے ایک سائنسی مقابلہ منعقد کیا گیا جس کا موضوع تھا "Problem identification and Solution with Creativity"۔ اس مقابلے میں کراچی کے مختلف سکولوں کے طلبہ و طالبات نے اپنے سکولوں کی نمائندگی کرتے ہوئے شرکت کی۔ مقابلے میں صرف ان سکولوں کو شریک کیا گیا جن کے یہاں ماہانہ فیس تین ہزار روپے سے زیادہ نہ ہو۔ دورِ حاضر میں نجی یا نیم سرکاری سکولوں کی اس قدر کم فیس شاذ ہی ملتی ہے۔ بچوں کی عمریں دس سے چودہ سال کے درمیان تھیں اور یہ مقابلہ چوتھی سے آٹھویں جماعت تک کے طلبہ و طالبات کے لیے تھا۔ غور فرمائیے کہ مقابلے میں جیتنے والی ٹیم کے لیے انعام کیا رکھا گیا؟ امریکی سفارت خانے کے تعاون سے جیتنے والی ٹیم کے بچوں کو ناسا کیمپ امریکہ لے جایا جانا انعام ٹھہرا۔ کیا وجہ ہے کہ ہمارے ملک کا وہ طبقہ جو اپنی سفید پوشی کا بھرم رکھنے کی جدوجہد کر رہا ہے وہ امریکیوں کے لیے اس قدر اہم ہو گیا کہ اس کے بچوں کو امریکہ کا دورہ کرایا جائے؟ یاد رہے کہ ایلیٹ سکولوں کے بچے اس مقابلے میں شریک نہ تھے کہ ان کے بارے میں تو امریکہ و یورپ کو یقین ہے کہ انہوں نے ہمارے پاس ہی آنا ہے اور ہماری ہی خدمت کرنی ہے۔ مگر اس ملک کے وہ بہترین ذہن جنہوں نے بالآخر اسی ملک کی خدمت کرنی ہے اور اسی ملک کو چلانا ہے، انہیں اتنی کچی عمر میں کھسوٹ لو کہ وہ اسے اپنی خوش قسمتی گردانتے رہیں اور بے خبری میں مارے جائیں۔ سوچنے کی بات ہے کہ جن بچوں نے شاید کبھی اندرون ملک بھی ہوائی جہاز کا سفر تک نہ کیا ہو گا، ان کی پہلی اڑان ہی انہیں ناسا کیمپ کا دیدار کروا دے گی تو وہ اور ان کے والدین اپنے ہوش و حواس پر کیسے قابو رکھ سکیں گے؟ ایک بہت ہی تعلیم یافتہ خاندان کے اعلیٰ منصب پر فائز بزرگ کے بارے میں سنا کہ وہ اپنی انتہائی ذہین اولاد سے کہا کرتے تھے کہ امتحان میں اس قدر اچھی کارکردگی نہ دکھاؤ کہ نمایاں پوزیشن لو۔ اور وجہ اس کی یہی بیان کرتے تھے کہ کفار ایسے بچوں کو چھانٹ اور اچک لینے کے درپے ہوتے ہیں اور بہانے بہانے سے کبھی کوئی مقابلہ کبھی کوئی امتحان کبھی کوئی ترغیب دے دے کر انہیں اپنے مفاد کے لیے استعمال کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ دوسری جانب وطنِ عزیز کی علم دوستی کا حال یہ ہے کہ وزارتِ تعلیم کے سرکاری ادارے ایچ ای سی (Higher Education Commission) نے خود جن طالبعلموں کو سرکاری وظیفے پر بیرونِ ملک پی ایچ ڈی کے لیے بھیجا، یکایک ان کے وظائف بند کر دیے اور انہیں دیارِ غیر میں ٹھوکریں کھانے کے لیے بے یار و مددگار چھوڑ دیا۔

بعض بازار ایسے ہوتے ہیں کہ جہاں ہر جنس کا سودا ہوتا ہے، ہر شے بکتی ہے۔ پاکستان بھی ایسا ہی بازار ہے۔ یہاں جج بھی خریدے جا سکتے ہیں اور سیاست دان بھی۔ فوج بھی اور فوجی اڈے بھی۔ نظریات بھی بیچے جاتے ہیں اور بیٹیاں بھی؛ اپنی زمین بھی اور زمین کا نمک بھی۔ جس کا جی چاہے وہ بولی لگائے اور لے جائے۔ مگر اللہ کے یہاں سود و زیاں کے، نفع و نقصان کے، لین اور دین کے پیمانے دنیا سے بالکل جدا ہیں۔ جسے دنیا کامیابی کہتی ہے اسے اللہ رب العزت کا کلام بدترین خسارے سے تعبیر کرتا ہے اور جسے دنیا خسارہ گردانتی ہے اسے اللہ پاک کامیابی کی معراج قرار دیتے ہیں۔ یہ دنیا، اس کے جھمیلے، اس کے اللے تللے یہیں رہ جانے ہیں، سب ٹھاٹھ پڑا رہ جائے گا جب لاد چلے گا بنجارہ! اس سے پہلے کہ مجھے اور آپ کو لاد کر اپنے آخری آرام گاہ تک پہنچایا جائے ہمیں کچھ ایسا کرنا ہے جو ہمیں سرخرو کر دے۔ اللہ کا وعدہ ہے کہ اللہ کا دین ایک ایک گھر اور ایک ایک جھونپڑی تک پہنچ کر رہے گا مگر اس کے پہنچانے میں مجھے اپنا حصہ اس لیے ڈالنا ہے کہ میں اللہ رب العزت کے سامنے کچھ پیش کر سکوں۔ دنیا میں نئے کپڑے، اچھا مکان، اچھی خوراک اور ایلیٹ اداروں میں تعلیم کے مواقع نہ بھی ملے مگر دل غیرتِ ایمانی سے سرشار ہو، اپنے نبی، اپنے دین، اپنے قرآن کے دفاع کے لیے سینہ سپر ہو تو، اس کے لیے کچھ کر گزرے تو سودا مہنگا نہیں!

☆☆☆☆☆

چھٹی قسط



”ہِندُتوا“ کیا ہے؟

हिंदुत्व HINDUTVA

تحریر: نعمان حِجازی

ہندُتوا تنظیموں سے متعلق اہم ملاحظات

سَنگھ تحریک کی نمایاں خصوصیات

عوام کے لیے حسّاس موضوعات پر محتاط طرزِ عمل

ہم پہلے ذکر کر آئے ہیں کہ ہندو مہاسبھا اور آر ایس ایس کے نظریات میں کوئی فرق نہیں۔ لیکن اپنے نظریات کی وجہ سے ہندو مہاسبھا بدنام ہوئی اور آگے نہ بڑھ سکی لیکن اس کے برعکس آر ایس ایس کامیاب رہی اور ہندوستان کی سب سے بڑی تحریک بن گئی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہندو مہاسبھا نے اس بات کا خیال نہیں کیا کہ جن افکار کا اظہار وہ کر رہے ہیں انہیں عوام ہضم بھی کر سکے گی یا نہیں اور قولی اور عملی طور پر اپنے افکار و نظریات کا کھل کر اظہار کیا، چاہے وہ برطانوی راج کی حمایت ہو، تحریک آزادی کی مخالفت، اس کے کرداروں سے عداوت ہو یا ذات پات کے نظام کی حمایت، ہر معاملے میں مہاسبھا نے اپنے متشدد نظریات کا کھل کر اظہار کیا۔ جبکہ آر ایس ایس جو نظریاتی اور فکری طور پر ہندو مہاسبھا سے مکمل ہم آہنگ تھی اس نے یہ غلطی نہیں کی اور آج ایک صدی گزر جانے کے بعد بھی ان حسّاس موضوعات پر آر ایس ایس کبھی رسمی طور پر کھل کر سامنے نہیں آتی بلکہ غیر رسمی ذرائع سے اس کا اظہار کرتی رہتی ہے۔ جیسے دسمبر ۲۰۲۱ء میں منعقد کیے جانے والے دھرم سنسد اور اس طرح کے دیگر اجتماعات میں ہندو پنڈتوں اور سادھوؤں کی زبان سے انہی افکار کا اظہار کروایا گیا۔ لیکن آر ایس ایس خود ان معاملات میں پس پردہ ہی رہی۔

لیکن دوسری طرف یہ بھی حقیقت ہے کہ عوامی جذبات کے آگے ہتھیار ڈال کر آر ایس ایس اپنے نظریات سے پیچھے بھی کبھی نہیں ہٹی جس طرح جمہوری تحریکیں عموماً کیا کرتی ہیں۔ اس کی وجہ سے سَنگھ تحریک کی ایک نظریاتی پہچان بن گئی اور وقت کے ساتھ ساتھ اس تحریک نے ہندوؤں کی ایک کثیر تعداد اپنے نظریات کی حامی بنالی، اور آج معاملہ یہ ہو گیا ہے کہ آر ایس ایس چاہے رسمی طور پر ان موضوعات پر کچھ نہ کہے لیکن ہندو انتہا پسند پورے ہندوستان میں یہی زبان بول رہے ہیں۔ اس طرح جو باتیں خود کہنے سے مہاسبھا بدنام ہو گئی، آر ایس ایس نے وہی باتیں خود کہنے کی بجائے زبان زدِ عام کر دیں۔

معاشرے کے تمام طبقات کی نمائندگی

آر ایس ایس نے خود کو ایک سیاسی، سماجی یا انقلابی تحریک تک محدود نہیں رکھا بلکہ حقیقی معنوں میں خود کو ایک عوامی تحریک میں ڈھالا۔ سنگھ پریوار کی چھتری تلے زندگی کے تمام شعبوں اور معاشرے کے تمام طبقات کے لیے ذیلی تنظیمیں کھڑی کی گئیں۔ اس طرح اس تحریک کے لیے زندگی کے ہر شعبے اور معاشرے کے ہر طبقے تک اپنے افکار پہنچانا اور وہاں سے اپنے لیے حمایت حاصل کرنا آسان ہو گیا۔ جس کے نتیجے میں آج سنگھ پریوار بیس کروڑ سے زیادہ کارکنان کے ساتھ دنیا کی سب سے بڑی تحریک کہی جا سکتی ہے۔

مضبوط عوامی رابطہ کاری

سَنگھ تحریک نے اپنی ذیلی تنظیموں کے ذریعے اور آر ایس ایس اور دیگر کے شاخوں کے نظام کے ذریعے گلی محلے کی سطح پر ہر عام آدمی تک رسائی کو ممکن بنایا۔ اس کا فائدہ انہیں یہ ہوا کہ جس بھی موضوع کو انہیں پورے ملک کی سطح پر اٹھانا ہو تو یہ تحریک اس رابطہ کاری نظام کے ذریعے سے اپنے مطلوبہ ہر شخص تک اس کا پیغام پہنچا سکتی ہے۔ اس لیے چاہے معاملہ حجاب کا ہو، لاؤڈ اسپیکر پر اذان کا یا تاریخی مساجد کو مندر بنانے کا، اس ے پورے ملک کا اہم ترین موضوع بنا دیا جاتا ہے۔

شخصیات کی بجائے نظریے سے جڑی تحریک

جو تحریکیں کسی شخصیت کے گِرد کھڑی ہوتی ہیں اگر وہ شخصیت اپنی تحریک کو نظریاتی اساس فراہم نہ کرے تو دیکھنے میں یہی آیا ہے کہ اس شخصیت کے بعد ایسی تحریکیں ختم ہو جایا کرتی ہیں یا کم از کم اپنی حیثیت کھو دیتی ہیں۔ اس کی مثال شیوُ سینا سے لی جا سکتی ہے۔ جب تک بال ٹھاکرے کے ہاتھ میں اس تنظیم کی باگ ڈور تھی اسے مہاراشٹر میں مقبولیت حاصل تھی اور اس میں اختلافات بھی موجود نہیں تھے۔ لیکن جب اس کی قیادت بال ٹھاکرے کے بیٹے ادھو ٹھاکرے کے ہاتھ آئی، شیوُ سینا شکست و ریخت کا بھی شکار ہوئی اور نظریاتی اعتبار سے بھی یہ اپنے راستے سے ہٹنے لگی اور اس کی مقبولیت میں بھی واضح کمی آ گئی۔ اس کے برعکس جو تحریکیں شخصیات کی بجائے نظریات سے جڑی ہوتی ہیں، اُن پر شخصیات کے آنے جانے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اس کے ساتھ یہ بھی حقیقت ہے کہ شخصیات سے جڑی تحریکیں بالعموم بہت تیزی سے ترقی کرتی ہیں اور جلدی عروج تک پہنچ جاتی ہیں، اس کے برعکس نظریاتی تحریکوں میں

عروج کا سفر نسبتاً سست رفتاری سے طے ہوتا ہے۔ سنگھ تحریک کو بھی کبھی ایسی شخصیات میسر نہیں آئیں جو اپنی ذات میں مقبولِ عام ہوں اور وہ تحریک کو اپنی شخصیت کے بل بوتے پر عروج کی طرف لے جائیں بلکہ یہ تحریک اپنے نظریے سے ہمیشہ مضبوطی سے جڑی رہی ہے۔ اس لیے اگرچہ اسے اپنے حقیقی عروج تک پہنچنے میں ۹۰ سال لگ گئے لیکن ان ۹۰ سالوں میں نہ تو اس نے اپنا راستہ چھوڑا، نہ ہی شخصیتوں کے آنے جانے سے اس پر کوئی اثر پڑا اور نہ ہی کبھی یہ شکست و ریخت کا شکار ہوئی، بلکہ اِن ۹۰ سالوں کا اس کا سفر سست رفتار تو تھا لیکن مستقل عروج کی جانب ہی رہا۔ آج لوگ سمجھتے ہیں کہ نریندر مودی ایک مقبولِ عام شخصیت ہے اور اس کا قد اب آر ایس ایس سے بڑا ہو چکا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ نریندر مودی کو یہ مقام اسی تحریک اور اس سے جڑے نظریات پر عمل کر کے حاصل ہوا اور حقیقت میں اس کی حیثیت اس تحریک کے ایک نمائندہ سے زیادہ نہیں ہے۔ جب اس کا وقت ختم ہو جائے گا تو اس کی جگہ کوئی اور لے لے گا (جیسے یوگی ادتیاناتھ) اور تحریک اسی طرح آگے چلتی رہے گی۔

نظریہ و فکر کی تابع قیادت

شخصیات سے جڑی تحریکوں کا نظریہ قیادت کے تابع ہوتا ہے۔ اس لیے قیادت کا اس پر مکمل اختیار ہوتا ہے کہ وہ جب چاہے اپنی تحریک کا راستہ مکمل طور پر بدل دے۔ شیوُ سینا نے آغاز 'بھومی پُتر' کے نظریے سے کیا، پھر بال ٹھاکرے نے ہندُتوا کا نظریہ اپنا لیا اور اب ادھوُ ٹھاکرے نے ہندُتوا نظریہ چھوڑ کر کانگریس کے سیکولر نظریے کو اپنا لیا ہے اس طرح سے حقیقت میں شیوُ سینا ایک موروثی جماعت بن کر رہ گئی ہے جو اپنی نظریاتی شناخت کھو چکی ہے۔ ایک اور مثال اکالی دل کی بھی ہے۔ اس میں بھی نظریہ قیادت کے تابع تھا اس لیے قیادت کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ اس جماعت کے نظریات میں بھی تبدیلیاں آتی گئیں جو داخلی طور پر اختلافات کا سبب بھی بنیں جس کی وجہ سے اس سے کئی دھڑے علیحدہ ہوئے۔ اور پھر اکالی دل نے ۷۰ سال بعد خود بھی آر ایس ایس سے اپنا اتحاد ختم کر دیا۔

اس کے برعکس سنگھ تحریک میں نظریہ و فکر قیادت کے تابع ہونے کی بجائے قیادت نظریہ و فکر کی تابع ہے۔ قیادت کے بدلنے سے اس تحریک کے نظریات پر کوئی فرق نہیں پڑتا بلکہ نظریات میں ضروری ارتقاء کا کام قیادت کی بجائے اس تحریک کے وچارکوں (مفکرین) کے ہاتھ میں ہے[1]۔ اور قیادت اس فکر کی پیروی کرنے کی پابند ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ سنگھ تحریک اپنی زندگی کی اس پوری صدی کے اندر نہ تو کبھی اپنی فکر کی پٹڑی سے اتری اور نہ ہی اس میں دھڑے بندیاں اور ٹوٹ پھوٹ ہوئی۔

اقلیتی اور نچلی ذات کے طبقوں کی شمولیت

سنگھ تحریک کی ایک اور نمایاں خوبی یہ ہے کہ اس نے دَلتوں، آدی واسیوں اور دیگر نچلی ذات کے طبقات کو اپنے ساتھ شامل کیا اور سنگھ پریوار کی چھتری تلے ان طبقوں کی فلاح و بہبود کے لیے علیحدہ تنظیمیں بنائیں اور زبانی جمع خرچ کی بجائے ان طبقات کی ترقی کے لیے عملی اقدامات بھی کیے۔ اس طرح سنگھ تحریک نے خود کو اپنے روایتی اونچی ذات کے طبقے تک محدود نہیں رکھا بلکہ اس وقت سنگھ تحریک کے کارکنان کی اکثریت نچلی ذات کے ہندوؤں پر مشتمل ہے۔ اگرچہ یہ بات واضح ہے کہ نچلی ذات کے طبقے کو اپنے ساتھ شامل کرنے کا عمل کسی طور بھی نیک نیتی پر مبنی نہیں لیکن سنگھ تحریک کمال عیاری کے ساتھ نچلی ذات سے تعلق رکھنے والے لوگوں کے جذبات کو بھڑکا کر اور ان کا معاشی و معاشرتی استحصال کر کے انہیں اپنے مقاصد کے لیے استعمال کر رہی ہے۔

اسی طرح سنگھ تحریک نے روایتی ہندو مت سے باہر نکل کر جین، بدھ اور سکھوں کے سامنے خود کو اُن کا خیر خواہ دکھاتے ہوئے اُن کو بھی اپنے ساتھ شامل کیا۔ اگر سنگھ پریوار کے تحت لانے میں دال نہ گلی تو سیاسی اتحاد کر لیا۔ جیسے اکالی دل کی شکل میں سکھوں کی اکثریت کا تقسیم کے بعد سے ہی سنگھ تحریک کے ساتھ اتحاد رہا۔

اس سے بھی آگے بڑھتے ہوئے سنگھ تحریک جہاں ممکن ہو مسلمانوں کے خلاف عیسائیوں کو بھی اپنے ساتھ شامل کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ جہاں ایک طرف عیسائیوں کے گرجوں کو نشانہ بنایا جارہا ہے، عیسائیوں کو ہراساں کیا جارہا ہے اور تشدد کا نشانہ بنایا جارہا ہے وہیں بی جے پی نے ۲۰۲۲ء میں ریاست 'گوا' کے اندر عیسائی تنظیموں کے ساتھ اتحاد قائم کیا تاکہ اس ریاست میں اپنی سیاسی حیثیت کو مزید مستحکم کر سکے۔

یہی نہیں بلکہ سنگھ تحریک مسلمانوں میں بھی ایسے طبقات کو (بریلوی اور دیگر غالی صوفی طبقات)، جو گائے ذبح کرنے کے معاملے میں، ادویت ویدانت کے نظریے میں اور اسی طرح دیگر نظریات میں ہندوؤں کے ساتھ ہم آہنگی رکھتے ہیں، یا دوسرے لفظوں میں وہ طبقات جو ہندتوا نظریے کے مطابق خود کو 'قومی دھارے' میں شامل کرنے کی پوری اہلیت رکھتے ہیں، اپنے ساتھ ملانے کے لیے کوشاں ہے۔ ماضی میں اس طرح کی کئی کانفرنسیں کروائی گئی ہیں جن میں ان طبقات کے علماء کی طرف سے گائے ذبح کرنے پر پابندی لگانے اور ہندوؤں کے تہواروں میں مسلمانوں کو شریک ہونے کا کہا گیا۔ اگست ۲۰۲۲ء میں ہندوستان کے قومی سلامتی کے مشیر اجیت دوول نے مذہبی ہم آہنگی کے نام پر ایک کانفرنس منعقد کروائی جس میں

---

[1] اس میں ایک استثناء ایم ایس گولوالکر کا دور ہے۔ یہ استثناء بھی اس لیے ہے کہ گولوالکر خود اس تحریک کا وچارک تھا اور اسے اس کی سربراہی دے دی گئی۔ اس لیے وچارک اور سر سنگھ چالک دونوں حیثیتیں رکھنے کی وجہ سے گولوالکر نے تحریک کو مضبوط نظریاتی اساس فراہم کی۔

مسلمانوں کی طرف سے ''آل انڈیا صوفی سجادہ نشین کونسل'' کو دعوت دی گئی۔ اس کونسل نے کانفرنس کے دوران بی جے پی حکومت کی مکمل حمایت کی۔ اور مطالبہ کیا کہ مسلمانوں کی جماعت ''پاپولر فرنٹ آف انڈیا'' پر پابندی لگائی جائے۔ پاپولر فرنٹ آف انڈیا اس وقت مسلمانوں کی وہ واحد جماعت ہے جو مسلمانوں پر ہونے والے مظالم کے خلاف احتجاج کرتی ہے اور سڑکوں پر آتی ہے۔بی جے پی کی مرکزی ترجمان نوپور شرما کی طرف سے گستاخیٔ رسول ﷺ کے بعد پورے ہندوستان میں صرف اسی تنظیم کی طرف سے احتجاج کی کال دی گئی تھی۔

عدم مرکزیت پر قائم عوامی تحریک

سَنگھ تحریک کی ایک اور خوبی یہ ہے کہ اس نے سَنگھ پریوار سے منسلک تمام تنظیموں کو آر ایس ایس کی مرکزی قیادت کے تابع نہیں کیا بلکہ انہیں ایک نظریہ اور فکر پر متحد کر کے آزاد تنظیمی حیثیتوں میں کھڑا کیا۔

اس سے ایک فائدہ تو یہ ہوا کہ کسی ایک تنظیم پر پڑنے والی قانونی گرفت دیگر تنظیموں کو متاثر نہیں کرتی۔ اور دوسرا یہ کہ اتنے بڑے پیمانے پر ایک مرکزیت کے تابع ہونے کی وجہ سے انتظامی پیچیدگیاں پیدا نہیں ہوتی۔

اس طریقہ کار نے سَنگھ تحریک کو ایک عوامی تحریک بنانے میں مدد دی۔ کوئی بھی گروہ جو سَنگھ تحریک کے نظریات و فکر کے ساتھ متفق ہو وہ اپنی استطاعت کے مطابق اپنی علیحدہ تنظیم کھڑی کر کے اسے سَنگھ پریوار کی چھتری تلے لا سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جہاں ہندوستان کی مرکزی سطح پر سَنگھ پریوار سے درجنوں تنظیمیں منسلک ہیں تو وہیں علاقائی سطح پر سَنگھ پریوار سے منسلک تنظیموں کی تعداد سینکڑوں میں جاتی ہے۔

مودی کے حکومت میں آنے کے بعد سے اس رجحان میں تیزی سے اضافہ ہوا ہے اور آئے دن کوئی نہ کوئی نئی تنظیم یا کوئی نئی ہندو انتہا پسند شخصیت سامنے آتی رہتی ہے۔ مقامی سطح پر مشہور ہندو شخصیات یا طاقت اور اثر و رسوخ کے خواہش مند ہندو حکومت سے مراعات حاصل کرنے کی لالچ میں آئے روز نئی تنظیمیں کھڑی کرتے رہتے ہیں اور انہیں اپنی تنظیموں میں بھرتی کے لیے بے روزگار یا کم آمدنی والے ہندو نوجوانوں کی ایک کھیپ ہر جگہ میسر آجاتی ہے جن کا معاشی استحصال کیا جاتا ہے اور انہیں تلواریں تھما کر اور اسلام مخالف گانوں پر رقص کروا کر نفسیاتی افیون فراہم کی جاتی ہے، جس میں مست ہو کر یہ لوگ اپنی معاشی مشکلات کو فراموش کر دیتے ہیں اور خود کو کسی بڑے مقصد سے جڑا محسوس کرتے ہیں۔

سَنگھ تحریک کی کمزوریاں

متحدہ ہندو قومیت کا سراب

سَنگھ تحریک اگرچہ اس وقت ہندوستان کی سب سے بڑی تحریک بن چکی ہے اور اپنی کامیاب حکمت عملی کی وجہ سے یہ اس وقت اپنے عروج پر بھی ہے لیکن یہ جس ہندُتوا نظریے کی علمبردار ہے وہ بذات خود انتہائی کمزور بنیادوں پر کھڑا ہے۔ اس نظریے کی ایک بنیاد متحدہ ہندو قومیت ہے۔ جس کے تحت نا صرف اعلیٰ ذات کے ہندو، نیچ ذات کے ہندو، دلت اور آدی واسی ایک ہندو قوم کا حصہ ہیں بلکہ ہندوؤں کے علاوہ سکھ، بدھ اور جین بھی اسی متحدہ ہندو قوم کا حصہ ہیں۔ یہ نظریہ نہ تو تاریخی طور پر درست ہے اور نہ ہی سَنگھ تحریک کے مستقبل کے عزائم کے اعتبار سے درست۔ تاریخی طور پر یہ سب جدا جدا قومیں اور اپنی جدا جدا ثقافت و تہذیب کے ساتھ رہیں۔ 'ہندو مت' کا لفظ تو خود انگریز نے یہاں آکر یہاں کی متنوع ثقافتوں کو ایک نام دینے کے لیے استعمال کیا جبکہ اس سے پہلے ہندو مت کا وجود ہی نہیں تھا۔

اپنے مستقبل کے عزائم کے اعتبار سے بھی واضح ہے کہ سَنگھ تحریک متحدہ ہندو قومیت کے نام پر برہمن کی حکمرانی چاہتی ہے جس میں باقی سب برہمن کے تحت ہوں۔ یہ نچلی ذاتوں کو حقوق دینے، انہیں معاشرے میں آگے لانے اور ذات پات کی تقسیم کو ختم کرنے کی بات تو کرتی ہے لیکن ساتھ ہی ساتھ اس کا ہدف منوسمرتی کو ملک کا قانون بنانا ہے جس کی بنیاد ہی ذاتوں کے اعتبار سے حقوق و فرائض کی تقسیم ہے۔ ایک طرف متحدہ ہندو قومیت میں یہ سکھ، بدھ اور جین کو ہندو قوم کا حصہ تسلیم کرتے ہیں، دوسری طرف 'شنکر اچاریہ' کو اپنی تاریخ کا بڑا ہیرو اس بنیاد پر مانتے ہیں کہ اس نے برصغیر سے بدھ مت کا غلبہ ختم کیا اور بدھ مت کے پیروکاروں کی کثیر تعداد کو ہندو بنایا۔ یہ متحدہ ہندو قومیت کی بات تو کرتے ہیں لیکن ہندو مت پر بدھ مت، سکھ مت یا جین مت کو غالب تسلیم نہیں کر سکتے۔ یہ متحدہ ہندو قومیت کی بات تو کرتے ہیں لیکن کسی برہمن پر کبھی کسی نیچ ذات کو حاکم برداشت نہیں کر سکتے۔ کوئی اس کے رد میں کہہ سکتا ہے کہ تاریخ میں پہلی بار ۲۰۲۲ء میں بی جے پی کی حکومت نے ایک نیچ ذات آدی واسی عورت کو ملک کا صدر منتخب کیا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہندوستان میں صدر کا عہدہ ہمیشہ سے ایک علامتی عہدہ ہی رہا ہے اور زیادہ تر اس عہدے پر کسی اقلیتی طبقے کے فرد کو ہی لگایا جاتا ہے تاکہ اقلیتوں کو رام کیا جا سکتے اور دنیا کے سامنے بھی دکھایا جا سکے کہ ہم اقلیتوں کے ساتھ امتیازی سلوک نہیں رکھتے۔

یہ بھی اعتراض کیا جا سکتا ہے کہ سَنگھ تحریک کے کارکنان میں ایک بڑی تعداد نچلی ذات کے ہندوؤں کی بھی ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان کو جھوٹے خواب دکھا کر ان کا معاشی استحصال کیا جاتا ہے ۔ سَنگھ تحریک میں نچلی ذات کے ہندوؤں کو اس لیے رکھا جاتا ہے تاکہ دنگے فسادات میں ان کو قربانی کا بکرا بنایا جا سکے۔ صف اوّل پر یہ ہوں...... پولیس اور مسلمانوں کے

مقابلے میں سامنے صرف یہ آئیں...... گرفتار یہ ہوں، قتل یہ ہوں... قتل پولیس کی گولی سے ہوں یا مسلمانوں کے جوابی حملے سے...... نشانہ صرف نچلی ذات کے ہندو ہی بنیں۔ جبکہ اعلیٰ ذات کے ہندو ایسے معاملات میں کبھی آگے نہیں آتے۔

حکومتی طاقت پر انحصار

سَنگھ تحریک کی مکمل تاریخ گواہ ہے کہ اس تحریک نے حکومت سے ٹکراؤ سے ہمیشہ اجتناب کیا ہے اور اس تحریک نے اسی وقت اپنے پر نکالے ہیں اور اپنا اصل چہرہ واضح کیا ہے جب اسے حکومت حاصل ہوئی۔ فسادات کی تاریخ بھی یہی بتاتی ہے کہ ہندوؤں نے فسادات اُسی دور میں اور انہیں ریاستوں میں برپا کیے جہاں انہیں یقین تھا کہ اگر ریاستی حکومت نہیں تو کم از کم ریاستی مشینری ان کے ساتھ کھڑی ہو۔ یہی وجہ ہے کہ ۲۰۱۴ء میں مودی کے حکومت میں آنے کے بعد سے پورے ہندوستان میں مسلمانوں کے خلاف فسادات اور ان کی ہجوم زنی کے واقعات میں تیزی آئی ہے۔

اس سے ایک غلط فہمی کا ازالہ ہو جاتا ہے کہ بہت سے لوگ کہتے ہیں کہ مسلمانوں کے خلاف جو کچھ ہندوستان میں بی جے پی کی حکومت کے دوران ہو رہا ہے وہ اس لیے ہو رہا ہے تاکہ بی جے پی حکومت میں رہ سکے اور یہ سب انتخابات جیتنے کے حربے ہیں۔ حالانکہ معاملہ اس سے بالکل برعکس ہے، بی جے پی کے لیے حکومت میں رہنا اس لیے ضروری ہے تاکہ سَنگھ تحریک مسلمانوں کے خلاف اپنے عزائم کو پورا کر سکے۔ اس لیے مسلمانوں کے خلاف کی جانے والی کاروائیاں جاری رکھنے کے لیے بی جے پی کے لیے حکومت میں رہنا ضروری ہے نہ کے یہ کاروائیاں فقط حکومت میں رہنے کے لیے حربے کے طور پر کی جا رہی ہیں۔ ایسی سوچ کا نقصان یہ ہے اس طرح اس سارے معاملے کو بہت محدود نظر سے دیکھا جاتا ہے اور اسے انتخابات اور سیاسی حربوں تک محدود سمجھ لیا جاتا ہے اور اس بات کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے کہ یہ حقیقت میں ہندوستان کو ہندو راشٹر بنانے اور مسلمانوں کا ہندوستان سے مکمل صفایا کرنے کے اقدامات ہیں جو کہ وقتی نوعیت کے یا عارضی نہیں بلکہ اُس وقت تک جاری رہیں گے جب تک کہ ہدف حاصل نہ ہو جائے۔

بہادری، استقامت اور جاں نثاری جیسے جذبوں کا فقدان

حکومتی طاقت پر انحصار کی کمزوری ایک اور کمزوری کو نمایاں کرتی ہے وہ یہ کہ سَنگھ تحریک سے منسلک لوگ طاقتور سے تصادم کا حوصلہ نہیں رکھتے۔ یہ تب ہی شیر ہوتے ہیں جب انہیں یقین ہو کہ مد مقابل کمزور ہے اور جواب میں کچھ خاص نہیں کر سکتا۔ جب انہیں یقین ہو کہ ریاستی مشینری ان کا ساتھ دے گی یا کم از کم ان کے راستے میں نہیں آئے گی۔ برطانوی راج کی مخالفت سے مکمل اجتناب اس کی واضح مثال ہے۔ اسی طرح آزادی کے بعد کانگریس حکومت کی طرف سے آر ایس ایس کے کارکنان کی بڑے پیمانے پر گرفتاریوں کے بعد تمام حکومتی مطالبات کو تسلیم کر لینا بھی اس کی مثال ہے۔ معاملہ صرف حکومت کا ہی نہیں جب مخالف مسلمانوں کی طرف سے بھی جوابی کارروائی کا خطرہ انہیں نظر آئے تو ان کی حالت غیر ہو جاتی ہے۔ ۲۰۲۲ء میں جہانگیر پوری فسادات میں جب ہندو بلوائی پولیس کی حفاظت میں مسلمانوں کے علاقے میں مسجد کے سامنے دنگا کر رہے تھے اور مسلمانوں کو تشدد کا نشانہ بنا رہے تھے، جب ان بلوائیوں نے دوسری طرف سے مسلمانوں کے ایک گروہ کو جوابی حملہ کرنے کے لیے آتے دیکھا تو الٹے پیروں بھاگ کھڑے ہوئے اور کسی ایک کو بھی ڈٹ کر مقابلہ کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔ اسی طرح بی جے پی کی مرکزی ترجمان نوپور شرما نے جب ٹی وی چینل پر گستاخِ رسول ﷺ کی تو انٹرنیٹ پر دی جانے والی چند دھمکیوں سے ہی اس کے پسینے چھوٹ گئے اور وہ گھر میں دبک کر بیٹھ گئی اور انٹرنیٹ پر سب کی منتیں کرنے لگی کہ کوئی میرے گھر کا پتہ کسی کو نہ بتائے میری جان کو خطرہ ہے۔

یہ چیزیں ثابت کرتی ہیں کہ ہندو انتہا پسند حقیقت میں انتہائی بزدل لوگ ہیں۔ نہ تو ان میں اتنی بہادری ہے کہ برابر کی سطح پر اپنے حریف کا مقابلہ کر سکیں، نہ اتنی ثابت قدمی کہ مشکلات اور آزمائشوں کی صورت میں اپنے نظریات اور مطالبات پر ڈٹے رہیں اور نہ ہی جاں نثاری کا جذبہ کہ اپنے مقصد کے حصول کے لیے جان دینے کو تیار ہو جائیں۔

زعفرانی دہشت گرد ہندو پنڈت 'یتی نرسنگانند' بڑی تعداد میں ہندوؤں کو اکٹھا کر کے ان سے قسمیں تو لیتا ہے کہ ہندوستان کو ہندو راشٹر بنائیں گے اور اس کے لیے مریں گے اور ماریں گے، لیکن حقیقت سے وہ بھی آگاہ ہے کہ اگر حکومتی حمایت حاصل ہو تو مارنے کے لیے تو سب تیار ہوتے ہیں لیکن مرنے کے لیے، بشمول خود اس کے، کسی کا حوصلہ نہیں۔

سِکھ ہندو تعلق

ہندُتوا نظریہ 'جین مت'، 'بدھ مت' اور سکھوں کو 'ہندو' شناخت میں شامل تصور کرتا ہے۔ اس کا مقصد ایک تو یہ ہے کہ ان تینوں مذاہب کو مسلمانوں کے خلاف ہندوؤں کے ساتھ متحد کیا جائے تو اس سے بڑا اہم مقصد یہ ہے کہ انہیں ہندو مت میں ضم کر دیا جائے اور ان کی حیثیت ہندو مت کے ایک فرقے کی سی رہ جائے۔ جین مت اور بدھ مت کے حوالے سے تو انہیں کامیابی حاصل ہوئی ہے اور جین مت کے ماننے والے اب ہندوستان میں ایک نچلی ذات کے ہندو کی حیثیت رکھتے ہیں، جبکہ بدھ مت کے ماننے والوں کی حیثیت بھی اب تقریباً ہندو مت کے ایک فرقے جیسی ہو چکی ہے۔ لیکن سکھوں کا معاملہ تھوڑا مختلف ہے اور وہ اپنی علیحدہ شناخت کو چھوڑنے پر راضی نہیں ہوتے۔ اس لیے سَنگھ تحریک نے سِکھ ہندو اتحاد کو اپنی ترجیحات میں شامل کر رکھا ہے۔

ہندُتوا تنظیموں کا مطالعہ کرنے کے بعد سکھوں کے حوالے سے دو متضاد رویے نظر آتے ہیں۔ ایک طرف 'اکل تخت'، سکھوں کی 'راشٹریہ سکھ سنگت' میں شمولیت پر پابندی لگاتا ہے اور کہتا

ہے کہ اس کے ذریعے سے آر ایس ایس سکھوں کو ہندوؤں میں ضم کرنا چاہتی ہے، لیکن دوسری طرف 'اکالی دل' جس کے تحت 'اکل تخت' کام کرتا ہے وہ آزادی کے بعد سے ہی آر ایس ایس کے ساتھ سیاسی اتحاد میں شامل ہے۔

اس سے نظریہ آتا ہے کہ سکھ برادری جین اور بدھوں کے برخلاف آسانی سے سنگھ تحریک کے دام میں آنے والی نہیں بلکہ وہ ہر حال میں اپنی جداگانہ شناخت کو برقرار رکھنا چاہتی ہے۔ لیکن اس ایک علیحدہ شناخت کے مسئلے کے علاوہ دیگر معاملات میں، خاص طور پر سیاسی میدان میں، سنگھ تحریک کی حامی ہے۔

یہ غلط فہمی پائی جاتی ہے کہ سکھوں میں بالعموم ہندوؤں کے حوالے سے عداوت پائی جاتی ہے، لیکن یہ بات درست نہیں ہے۔ ہندوؤں سے عداوت کا جذبہ صرف خالصتان تحریک[1] سے منسلک سکھوں میں پایا جاتا ہے اور اس تحریک سے منسلک سکھ اقلیت میں ہیں، یہ علیحدہ بات ہے کہ ۱۹۸۴ء میں ہونے والے آپریشن بلیوسٹار کے بعد سے سکھوں میں اس تحریک کی حمایت میں اضافہ ہوا ہے لیکن پھر بھی اس تحریک کے حامی آج بھی اقلیت میں ہیں، جب کہ اکثریت آج بھی اکالی دل اور اس کے مختلف دھڑوں کے ساتھ ہے جو کہ آزادی کے بعد سے ہی سنگھ تحریک کے ساتھ کھڑے ہیں۔ اگرچہ اب مرکزی اکالی دل نے بی جے پی سے اتحاد ختم کر دیا ہے، لیکن ایسے کوئی اشارے نہیں ملتے کہ ان میں کسی قسم کا نظریاتی اختلاف بھی پیدا ہوا ہے بلکہ یہ اختلاف اور علیحدگی خالص سیاسی نوعیت کی ہے اور اکالی دل کے دیگر دھڑے بی جے پی کے ساتھ اتحاد کے لیے مرکزی اکالی دل کی جگہ لینے کے لیے بے تاب ہیں۔

نظریاتی علم بردار سے جڑنے کی اہمیت

ہندُتوا تنظیموں کے مطالعہ سے یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ جب کسی نظریہ کا علم ایک تنظیم نے اُٹھا رکھا ہو تو بعد میں آنے والی جماعتیں اُسی وقت اُس نظریے کے ساتھ مضبوطی سے جڑ سکتی ہیں اگر وہ خود کو اس نظریاتی علم بردار کے ساتھ جوڑ لیں۔ اِلّا یہ کہ پہلی تنظیم خود کمزور ہو چکی ہو اور کوئی طاقتور تنظیم آگے بڑھ کر خود اس نظریے کا علم اپنے ہاتھ میں لے لے۔ جیسا کہ ہندو مہاسبھا کی کمزوری کے بعد ہندُتوا کا علم آر ایس ایس نے اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ لیکن جب معاملہ یہ ہو کہ کسی نظریے کا علم ایک مضبوط جماعت کے ہاتھ میں ہو تو بعد میں آنے والی چھوٹی جماعتیں اُسی وقت اُس نظریے کے ساتھ اخلاص کے ساتھ جڑی رہ سکتی ہیں جب وہ خود کو اس علم بردار کے ساتھ جوڑ لیں، جیسا کہ سنگھ پریوار سے منسلک تنظیموں نے کیا۔ صرف انتظامی اختلافات کی وجہ سے یا اپنے جاہ و منصب کی یا کسی کے تابع نہ ہونے کی خواہش میں علیحدہ گروہ کھڑا کرنے والے کبھی بھی نظریے کے ساتھ زیادہ وقت تک منسلک نہیں رہ پاتے بلکہ حالات اور ضروریات کو دیکھتے ہوئے آسانی سے اپنا راستہ بدل لیتے ہیں، جیسا کہ سنگھ پریوار سے جدا ہندُتوا نظریہ رکھنے والی تنظیموں خاص طور پر شیوُ سینا کے معاملے میں نظر آتا ہے۔ یا پھر مکمل طور پر اپنا وجود کھو بیٹھتے ہیں جیسا کہ سبرامانین سوامی کی جنتا پارٹی کے ساتھ یا بلراج مدھوک اور پرافل گورادیہ کی اکھل بھارتیہ جن سنگھ کے ساتھ ہوا۔

(جاری ہے، ان شاء اللہ)



جان لو کہ اللہ کی نصرت نہایت قریب ہے!

"دنیا بھر میں بستے میرے مسلمان بھائیو!

یاد رکھیے کہ اللہ کے اذن سے خراسان میں موجود آپ کے مجاہد بھائی اہلِ کفر اور اللہ کے دین کے دشمنوں کے حلق کا کانٹا بنے رہیں گے۔ اور خراسان میں موجود یہ مجاہدین اللہ کے حکم سے اللہ کے دین پر ثابت قدم رہیں گے۔ یہ مجاہدین نہ بدلے ہیں اور نہ ہی انہوں نے مداہنت اختیار کی ہے۔ مجاہد ساتھیوں کی بے تحاشا شہادتیں، مشکلات اور حالات کی کلفتیں، پے در پے آزمائشیں، ان پر ہونے والی طعن و تشنیع، ان پر لگائے گئے جھوٹے الزامات، تہمتیں اور بہتان، مشکلات کی اس طویل فہرست کے باوجود یہ اللہ کے دین پر صبر کے ساتھ ڈٹے ہوئے ہیں۔

یہ مجاہدین جانتے ہیں کہ یہ سب مشکلیں تو اس راہ کے سنگِ میل ہیں۔ یہ جانتے ہیں کہ اللہ کے حکم سے آزمائشوں کا بے حد بڑھ جانا؛ فتح و نصرت، آسانیوں اور تمکین کے بہت جلد حاصل ہو جانے کی دلیل ہے۔"

(شیخ ابو دجانہ پاشا شہید رحمہ اللہ)

(رکن مرکزی قیادت: جماعت قاعدۃ الجہاد و مسئول القاعدہ برائے خراسان)

[1] خالصتان تحریک سکھوں کے لیے ایک آزاد ملک 'خالصتان' کا مطالبہ کرنے والی ایک علیحدگی پسند تحریک ہے۔ سکھوں کے لیے علیحدہ ملک بنانے کا مطالبہ ۱۹۴۰ء میں مسلم لیگ کی طرف سے قراردادِ لاہور کے ردّ عمل میں سکھ تنظیم 'شرومنی اکالی دل' کی طرف سے رکھا گیا، جو پاکستان کے مطالبے کو تاریخی سکھ علاقوں کو ہتھیانے کے طور پر دیکھ رہی تھی۔ تقسیم ہند کے بعد اکالی دل نے 'پنجابی صوبہ' کی تحریک شروع کر دی اور خالصتان تحریک دب گئی۔ ۱۹۷۰ء میں دوینڈر سنگھ پارمر اور اکالی دل سے منسلک ایک سیاست دان جگجیت سنگھ چوہان نے لندن میں ایک پریس کانفرنس کے دوران خالصتان تحریک کا اعلان کیا۔ ۱۹۷۱ء کی انڈیا پاکستان جنگ کے بعد جگجیت سنگھ چوہان پاکستانی سیاستدان 'چودھری ظہور الٰہی' کی دعوت پر پاکستان گیا۔ وہاں چوہان کی پاکستانی وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو سے بھی ملاقات ہوئی۔ بقول چوہان، بھٹو نے خالصتان تحریک کی مکمل حمایت اور مدد کرنے کی یقین دہانی کروائی اور یہاں تک کہا کہ نئی آزاد خالصتان ریاست کا دارالحکومت ننکانہ صاحب ہو گا۔ اور لاہور سمیت زیادہ تر پاکستانی پنجاب کو خالصتان میں شامل کر دیا جائے گا۔

شہیدِ ازل

محمد جمال

آٹھویں جماعت کے زمانے ہی سے افغانستان کے محاذ پر آتے جاتے رہے۔ جدید تعلیم کے سخت مخالف تھے۔ اس لیے ابّا کے اصرار کے باوجود آٹھویں سے آگے پڑھنے پر راضی نہ ہوئے۔ ماشاء اللہ بلا کے ذہین تھے۔ ابّا کی خوشنودی کی خاطر میٹرک پرائیویٹ پاس کیا اور ۸۸۸ نمبر لیے۔ پچھلی جماعت میں ۳۱۳ نمبر حاصل کیے تھے۔ امتحانات کے حوالے سے ان کے یہ حیران کن نمبرات ابتدا ہی سے ان کی عجیب و غریب زندگی کا پتہ دے رہے تھے۔ حفظ سے فارغ ہوتے ہی دینی مدرسے میں داخلہ لیا۔ مقامی مدارس میں دو تین درجے پڑھنے کے بعد کراچی کے جامعہ بنوریہ کی ایک شاخ میں داخلہ لیا۔ یہاں بعض مجاہد ساتھیوں کی ترغیب سے اُن کے دعوتی مجموعے کا حصہ بنے اور مرتے دم تک اس کا حصہ رہے۔ تاہم چھٹیوں میں افغانستان کے محاذ کا چکر لگاتے اور صلیبی دشمن کو پچھاڑنے میں بساط بھر حصہ ڈالتے رہے۔ اِس دوران اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے افغانستان کے محاذ پر تاریخی فتح عطا کی تو انہوں نے اپنے آپ کو دعوتِ جہاد کی سرگرمیوں کے لیے وقف کر دیا۔ وہ مبتدی ساتھیوں کو دعوت دینے کے لیے آڈیو ویڈیو کی بجایے کتب کے مؤثر ہونے کے زیادہ قائل تھے۔ شیخ اُسامہ بن لادن، شیخ ایمن الظواہری، مولانا عاصم عمر اور استاد احمد فاروق کے تحریری دروس اور کتابیں پرنٹ کر کے تقسیم کرتے۔ اپنی پانچ چھ سالہ دعوتی سرگرمیوں کے دوران بلا مبالغہ ہزاروں دعوتی کتب تقسیم کیں اور نہ صرف ہزاروں طلبہ کے دلوں میں جہاد کے بھولے ہوئے اسباق کو تازہ کیا بلکہ کراچی کے بڑے بڑے علماء اور شیوخ کو دعوت و اعداد کے حوالے سے بنیادی کتب ہدیہ کیں۔ اُن کا ایک اُصول یہ تھا کہ جب تک ایک کتاب خود نہ پڑھتے اُس وقت تک دوسرے کو مطالعہ کے لیے نہ دیتے۔ اس لیے جہاد اور اس کی تفصیلات کے حوالے سے کوئی کتاب ایسی نہ رہی جو ان کی نظر سے نہ گزری۔

اپنی شہادت سے ایک سال پہلے دورانِ تعطیلات حافظ صاحب گھر آئے تو ان کے ایک مایہ ناز استاد مفتی فوادؒ اور ان کے بڑے بھائی کو سی ٹی ڈی والوں نے بھرے بازار سے اغواء کر کے لاپتہ کر دیا۔ ۳۰،۳۵ روز کے ذلت آمیز اور وحشیانہ سلوک کے بعد کوئی ”جرم“ ثابت نہ ہونے پر ان کو رہا کیا گیا۔ اس واقعہ نے حافظ صاحب کی جہادی زندگی کی کایہ پلٹ دی۔ جہادِ پاکستان کے حوالے سے ان کا نہ کوئی تجربہ تھا نہ زیادہ مطالعہ نہ کوئی خاص دلچسپی۔ لیکن اس واقعہ کے بعد جہادِ پاکستان میں غیر معمولی دلچسپی لینے لگے اور ایک شہید عالمِ دین کے صوتی دروس کی ایک تحریری صورت پر مشتمل ایک کتابچہ نفاذِ شریعت کا شرعی راستہ ایک ساتھی کی وساطت سے حاصل کیا۔ سوچ سمجھ کر پہلے خود پڑھا اور بعد میں اس کی فوٹو کاپیاں کر کر کے مدارس کے طلبہ کو جہادِ پاکستان کی شرعی حیثیت سے آگاہ کرتے رہے۔ اس کے علاوہ شیخ صادق حضرت مولانا سیّد مختارالدین شاہ دامت برکاتہم کی تصنیف ”اسرار العروج“ کے جمہوریت والے حصے کو الگ سے پرنٹ کر کے کئی طلبہ کو جمہوریت کی حقیقت سے آگاہ کرتے رہے۔

اللہ نے حافظ صاحبؒ کو تقویٰ و للّٰہیت کی خصوصی دولت سے نوازا تھا۔ غیر محرم رشتہ دار خواتین کی موجودگی میں اپنے گھر آنا بند کر دیتے۔ ایک بار ابّا نے اپنی بہن کے ساتھ ان کے لیے بھی عمرہ پر جانے کا پروگرام بنایا۔ خبیبؒ خوشی خوشی تیار ہونے لگے لیکن جب ان کو پتہ چلا کہ خالہ کے ساتھ ان کی بہو بھی ان کے ہمراہ ہے تو عمرہ پر جانے سے انکار کر دیا کہ میں غیر محرم خاتون کی موجودگی میں کیونکر سفر کر سکتا ہوں۔ امی نے ان کا گھر آباد کرنے کی خواہش کا اظہار کیا تو کہنے لگے کہ مجھے تو جلد یا بدیر شہید ہونا ہے پھر کیوں ایک کنواری کو بیوہ کرنا چاہتے ہو۔ جب اماں اصرار کرنے لگی تو کہا کہ اگر آپ خواہ مخواہ یہ کام کرنا چاہیں گی تو میں کسی بیوہ خاتون سے شادی کروں گا۔

دنیا سے ان کا کوئی سروکار نہ تھا۔ جدید تعلیم اور کوئی ہنر نہ جاننے کی وجہ سے ابّا کو ان کی روزگار کا غم کھائے جا رہا تھا۔ ایک دن حافظ صاحبؒ سے کہا کہ میں آپ کے لیے شہد کا کاروبار شروع کرنا چاہتا ہوں تاکہ آئندہ کسی کے محتاج نہ رہیں۔ انہوں نے کہا ابّا! آپ میری دنیا کی فکر چھوڑ دیں، بس مجھے آخرت کے لیے وقف کر دیں۔ وہ قندوز کے محاذ پر زیادہ رہے اس لیے وہاں کے کمانڈانوں سے زیادہ تعلق تھا۔ فتح کے بعد ان کے کچھ رشتہ دار کابل گئے تو قندوز کے ذمہ داروں کو پتہ چلا تو دو خصوصی گاڑیاں کابل روانہ کیں اور منت سماجت کر کے قندوز لے جا کر ان کا غیر معمولی اکرام کیا اور کہا کہ ہم خبیبؒ بھائی کے رشتہ داروں کو بغیر اکرام کیے کیونکر چھوڑ سکتے ہیں۔

اعلیٰ مومنانہ صفات ان کی فطرت میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھیں۔ بڑے سخی اور مہمان نواز تھے۔ شہادت سے کچھ عرصہ پہلے جس مسجد میں امام تھے وہاں ایک دن چند مہمان آ گئے۔ ان کو زور زبردستی چائے پلانے پر آمادہ کیا اور چائے تیار کرنے لگے تو سلنڈر کو گیس سے خالی پایا۔ فوراً دوڑے تو مہمانوں نے منع کرنا چاہا اور اصرار کیا کہ ہمارے لیے اتنی تکلیف مت اُٹھاؤ۔ حافظ صاحبؒ نے ایک نہ سنی اور آناً فاناً سلنڈر بھرنے کے ساتھ شیرینی بھی لے آئے۔ جاتے ہوئے مہمانوں کو شہد بھی بطورِ ہدیہ دیا۔ ایک دن اسی مسجد میں ایک مہمان آیا اور کہا کہ بھئی میں تو چائے بالکل نہیں پیوں گا۔ حافظ صاحبؒ چپکے سے نکلے اور بازار سے گاجر کا حلوہ ڈھونڈ کر لے آئے۔ حافظ صاحبؒ کو اللہ کی طرف سے اخلاقِ حسنہ کا وافر حصہ عطا کیا گیا

تھا۔ میرے علم کے مطابق کبھی کسی سے نہیں لڑے نہ کبھی ہم نے ان کو کسی کی غیبت کرتے سنا۔

امیر محترم سے ان کا ایک خاص تعلق تھا۔ خط و کتابت کے ذریعے ان کو اپنی دعوتی سرگرمیوں سے آگاہ کرتے اور ہدایات کی درخواست کرتے۔ انہوں نے اپنی دعوتی مہمات کے حوالے امیر صاحب کے نام کئی خطوط لکھے۔ کوشش کے باوجود ہمیں اپنے شہید بھائی کا کوئی خط نہ مل سکا۔ البتہ امیر محترم نے ان کے نام ایک خط کے جواب میں جو ہدایات دیں، ان سے چند نکات قارئین کی نذر ہیں:

"بسم اللہ والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسول اللہ و من والاہ

قابل صد احترام اور پیارے خبیب کے نام، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اللہ سبحانہ وتعالیٰ آپ کے علم و عمل میں برکت دے، اُس کی رِضا آپ کے شاملِ حال رہے اور آپ عالمِ ربانی اور عالم باعمل بن کر مرحوم و مظلوم امت کے دکھوں کا مداوا بنیں......

......۱) آپ ان کتب کو اپنے پاس سنبھال کر رکھیں اور بڑی حکمت اور صبر کے ساتھ جس کو مناسب سمجھیں، بتدریج دیتے رہیں۔

۲) دعوتی کام کرنے والے اگرچہ فطری طور پر حریص ہوتے ہیں لیکن ہمیں یہ کام کرتے ہوئے بے جا حرص سے بچنا چاہیے تا کہ کسی نااہل اور بے وقوف شخص کو دعوت دے کر اپنی امنیت کو داؤ پر نہ لگائیں۔

۳) آپ کی خدمت میں درخواست ہو گی کہ جب تک ایک کتاب خود نہ پڑھ لیں کسی کو پڑھنے کے لیے نہ دیں۔

۴) خود پڑھنے میں یہ فائدہ ہوتا ہے کہ وہ کتاب جس کے لیے مناسب ہو اسی کو دے دی جائے اور جس کے لیے مناسب نہ ہو اس کے لیے کسی دوسری مناسب کتاب کا انتخاب کیا جائے۔

۵) بعض لوگوں کو بعض کتب پڑھنے سے ہمارے کام کے بارے میں غلط فہمی اور شکوک و شبہات پیدا ہو جاتے ہیں۔ اس لیے افراد کا جائزہ لینے کے بعد کتاب سوچ سمجھ کر دی جائے۔

۶) ہمارے دعوتی کام کی بنیاد ذاتی تعلق پر ہے۔ جس سے جتنا گہرا تعلق ہو گا اتنا ہی اُس پر دعوت کا اثر زیادہ ہو گا۔ اس لیے اجنبی اور غیر سنجیدہ لوگوں کو دعوت دینے احتراز کریں۔ حکیم الامت مولان اشرف علی تھانویؒ کے مطابق تعلق اور دوستی بنانے میں احتیاط برتی جائے اور ہر کسی کو دوست بنانے اور ہر کسی سے تعلق رکھنے سے پرہیز کریں۔

۷) دعوت دیتے ہوئے جو شخص جتنا اہم سمجھیں، ملاقات سے پہلے اتنے ہی نوافل (صلوٰۃ الحاجات، استخارہ) کے ذریعے اللہ سے مدد طلب کریں۔

۸) لوگوں کو اپنی دعوت کا ہدف بناتے ہوئے اپنے آپ کو ہر گز نہ بھولیں ۔ اپنے آپ کو سب سے زیادہ اللہ کے قرب کا محتاج سمجھیں اور اس کام کو سمجھنے، ذہن نشین کرنے اور بساط بھر دوڑ دھوپ کرنے کے بعد اسی کام کو وسیلہ بنا کر اللہ کی قرب اور اس کی محبت کا سوال کیا جائے......"

شیخ احسن عزیزؒ کے مطابق "آدمی کے من میں بھی اک محاذ ہوتا ہے" حافظ صاحبؒ نے "من" کے اِس محاذ کو فتح کر لیا تھا۔ وہؒ مدرسہ پڑھتے پڑھتے جوان ہو گئے تھے۔ گھر سے زیادہ مدارس کے ماحول میں رہے۔ فرقہ ورانہ بحث و مباحثہ اور گروہی تعصب سے کوسوں دور تھے۔ ابا کی وجہ سے دیوبند مکتبۂ فکر سے جذباتی لگاؤ اور تعلق تھا لیکن کبھی کسی کے سامنے اس کا اظہار نہیں کیا۔ اسی مکتبۂ فکر کے طلبہ میں دعوت کا کام کرتے ان کو عالمی جہادی فکر کے حوالے سے کتب دیتے اور جہادی زندگی اختیار کرنے کی ترغیب دیتے۔

ہمارے چھوٹے شیخ حافظ خبیب رحمہ اللہ رحمۃً وّاسعۃ، "اشرف الموت" کی تلاش میں یہ سب کچھ کر رہے تھے اور وہ اس موت (شہادت) کے کتنے خواہش مند تھے۔ درج ذیل واقعات ان کی شدید خواہش کا پتہ دے رہے ہیں۔ ان کے والدین کے مطابق حافظ صاحب پانچ دفعہ اعتکاف میں اس غرض سے بیٹھے کہ یہ عبادت بطورِ وسیلہ اللہ کے سامنے پیش کریں کہ اے میرے اللہ اس اعتکاف کی حرمت سے مجھے شہادت کی دولت سے نواز دے۔ محلے کے ایک بزرگ عمرہ کے سفر پر جانے لگے تو لوگ آتے اور اپنی اپنی حاجات پیش کرتے کہ ہمارے لیے وہاں اللہ سے یہ دعا مانگی جایے۔ امتحانات کا موسم تھا تو اکثر جوانوں نے امتحان میں پوزیشن لینے کے لیے دعا کی درخواست کی۔ حافظ صاحبؒ نے بزرگ سے کہا، "جی میرے لیے اُن مقدس مقامات پر شہادت کی دعا مانگی جائے" ان کے ابا جب بھی عمرہ کے سفر پر روانہ ہوتے تو خبیبؒ یہی درخواست کرتے کہ میرے لیے شہادت کی دعا مانگیں۔ اماں ان کو اکثر کہا کرتیں کہ بیٹا! علم کی تکمیل کے بعد جہاد کرنا تو ان کی تسلی کے لیے ان سے جہادِ افغانستان کے ان محاذوں کے واقعات سناتے جہاں حافظ صاحب دشمن کی بمباری اور فائر کے باوجود بال بال بچے تھے۔ کہتے اماں! علم اور جہاد تو ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔

آخر کار خبیث لشکر کے مقامی آلہ کار دو ٹکوں کی خاطر اپنے ایمان کا سودا کرنے والے، اللہ کے دین کو بزعم خود کاؤنٹر کرنے والے الموسوم بہ سی ٹی ڈی کو حافظ صاحب کی سرگرمیوں کا پتہ چلا تو کتوں کی طرح ان کے در و دیوار کو سونگھنے لگے۔ ان کے گھر چھاپہ مارا مگر ناکام رہے، نامراد رہے تو پھر کسی بدبخت جاسوس کے ذریعے ان کا ٹھکانہ معلوم کر کے ان کو گرفتار کرایا اور جعلی مقابلے کا ڈھونگ رچا کر ان کو شہید کر کے لاوارثوں میں دفن کر دیا تا کہ امت کے اس بطلِ

جلیل پر سیدنا حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کی طرح کوئی رونے والا بھی نہ ہو......اما حمزۃُ فلا بواکیہ لہ........پانچ روز بعد سی ٹی ڈی کے اعلیٰ حکام، ادنیٰ امریکی غلاموں (Peon Soldiers) کی منت سماجت کر کے ان کے والدین کو ان کی نعش نکالنے کی اجازت دی گئی۔ لاش نکالی گئی تو ان کے بدن سے تازہ خون جاری تھا۔ ان کے نرم و ملائم اعضائے جسمانی بطورِ کرامت ان کی مقبول شہادت کا پتہ دے رہے تھے۔ ان کی شہادت کے پانچ چھ روز بعد ان کے آبائی گاؤں میں ان کا نمازِ جنازہ پڑھانے کا سوشل میڈیا اور مقامی مساجد میں اعلان ہوا تو ایک دنیا جنازے میں شرکت کے لیے اُمڈ آئی۔ جنازہ نہیں ایک جشن تھا، بارات تھی ہمارے چھوٹے شیخ کی۔ کیا خواص، کیا عوام کوئی اس سعادت سے محرومی کا روادار نہ تھا۔ آخری دیدار کے موقع پر ایک ھُو کا عالم تھا۔ ان کا خون آلود کفن کسی گلِ لالہ کے شہید ہونے کا پتہ دے رہا تھا۔ آج شہادت کے کھیت میں ایک اور لاش اُگ گئی تھی۔ شہادت کے گل دستے میں ایک اور پھول کا اضافہ ہو گیا تھا۔ اس حسین اور مبارک گل دستے میں ہر قسم کے پھول تھے مگر آج اس میں ''شہیدِ ازل لالہ خونیں کفن'' کا اک اور پھول سج گیا تھا۔ اللہ کے دشمنوں کی تباہی کی منزل مزید قریب آگئی تھی۔ اللہ نے اپنے ایک عاجز و ناتواں بندے کو سچّا کر دیا تھا۔ اللہ کا ایک سچا بندہ سچ کی خاطر سچے دیس سدھار گیا تھا۔ جھوٹ کے بندے تن کی خاطر سب کچھ ہار کر جہنم کا ایندھن بن چکے تھے۔

مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُم مَّن قَضَىٰ نَحْبَهُ
وَمِنْهُم مَّن يَنتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوا تَبْدِيلًا○ (سورۃ الاحزاب: ۲۳)

''مومنوں میں کتنے ہی ایسے شخص ہیں کہ جو اقرار انہوں نے خدا سے کیا تھا اس کو سچ کر دکھایا تو ان میں سے بعض ایسے ہیں جو اپنی نذر سے فارغ ہو گئے اور بعض ایسے ہیں کہ انتظار کر رہے ہیں اور انہوں نے اپنے قول کو ذرا بھی نہیں بدلا۔'' (ترجمہ: مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ)

اللہ، اُس کے رسول ﷺ، اُس کے فرشتوں اور اُس کی ساری مخلوق کی پھٹکار ہو نام نہاد پاک فوج پر، اُس کی سی ٹی ڈی، اس کی ایف سی، اس کے رینجر پر اور اس کے تمام منصوبہ سازوں پر، اللہ ان سب کو اپنی رحمت سے مزید دور کر دے، اللہ اولیاء و صلحاء کے ان اجرتی قاتلوں سے کبھی راضی نہ ہو۔

☆☆☆☆☆

دنیا طلبی کا بحران

''اس مغربی تہذیب و اقتدار کے دور میں دنیا طلبی اور شکم پُری کا جو طوفان آیا ہے، اس کے لیے بحران و ہذیان سے کم الفاظ کفایت نہیں کرتے، مال و دولت کی ایک نہ مٹنے والی بھوک اور ایک نہ بجھنے والی پیاس ہے، جس کو جوع البقر کہیے یا استسقا کا مرض، ہر طرف ''ھل من مزید'' کی صدا بلند ہے، زندگی کی ہَوَس اتنی بڑھ گئی ہے، اور معیار اتنا بلند ہو گیا ہے کہ مسافرِ طمع کو کسی منزل پر قرار اور طائرِ حرص کا کسی بام بلند پر بھی آشیانہ نہیں، دولت اور عزت و جاہ کی کوئی بڑی سی بڑی مقدار اور اونچی سی اونچی سطح تشفی کے لیے کافی نہیں۔

مغربی تہذیب و اقتدار کے اس دور میں در حقیقت نہ علم کا حقیقی ذوق ہے نہ دین کا، نہ کوئی اور ذوقِ لطیف کام کر رہا ہے، بالشت بھر پیٹ نے زندگی کی ساری وُسعت گھیر لی ہے، عالم خیال میں کتابیں تصنیف کرنے والے، خوش فکر مصنّفین جو چاہیں لکھیں، عملی زندگی میں اس وقت صرف ایک قوّتِ مُحرکہ اور ایک زندہ حقیقت پائی جاتی ہے اور وہ پیٹ ہے یا جیب ہے......

......کسی زمانہ کے ذوق اور رُجحانِ عام اور حقیقی مسئلۂ زندگی کا صحیح اندازہ ان کتابوں سے نہیں ہوتا جو اس زمانہ میں تصنیف کی جاتی ہیں (اگرچہ عام ذوق و رجحان کے اثرات سے کتابیں بھی محفوظ نہیں ہوتیں اور وہ کئی کئی پردوں سے بھی جھلکتا ہے) لیکن بعض اوقات یہ مصنّفین اپنے انفرادی ذوق یا قوم کی کسی مختصر جماعت کے رجحان کے نمائندے ہوتے ہیں، اور بعض اوقات واقعات کے بجائے اپنی خواہشات کو واقعات کے طور پر پیش کرتے ہیں، زمانہ کے ذوق اور رجحان کا حقیقی اندازہ روز مرّہ کی زندگی، بے تکلف گفتگو، مجالس کے موضوع سُخن اور لوگوں سے ملنے کے بعد ہوتا ہے بقول اکبر مرحوم

نقشوں کو تم نہ جانچو لوگوں سے مل کے دیکھو
کیا چیز جی رہی ہے کیا چیز مر رہی ہے''

(مفکرِ اسلام حضرت مولانا سیّد ابو الحسن علی ندوی رحمہ اللہ)

افسانہ

میں ایک فوجی ہوں

علی بن منصور

آنکھ تو میری تب ہی کھل گئی تھی جب صبح سویرے نور کے تڑکے...... مرغے نے پہلی بانگ دی اور صحن میں میری ساتھ والی چارپائی پر سویا خیر محمد ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا تھا۔ پھر سرہانے پڑی چادر اٹھا کر وہ تو غسل خانے کی جانب بڑھ گیا تھا کہ اسے اب وضو کر کے مسجد، اور مسجد سے سیدھا کھیتوں کی طرف روانہ ہونا تھا۔ پھر اس کی واپسی نو دس بجے تک ہی ہوتی جب ماں توے سے گرما گرم پراٹھے اتار رہی ہوتی اور رشیدہ ساتھ والے گھر سے مانگی ہوئی برف، بڑے سے سٹیل کے جگ میں کوٹ کوٹ کر ڈالتی جاتی، اور ساتھ ساتھ مدھانی سے ٹھنڈی میٹھی لسّی بلوتی جاتی۔ لیکن میری ایسی کوئی مجبوری نہیں تھی۔ سو میں کروٹ بدل کر دوبارہ سو گیا۔ کوئی آدھے پونے گھنٹے بعد مجھے ماں کی آواز آئی، شاید وہ نماز کے لیے جگا رہی تھی، میں نے مندی مندی آنکھیں کھول کر آسمان کی طرف دیکھا، آسمان کا گہرا نیلا رنگ اب ہلکے نیلے میں تبدیل ہو رہا تھا، مگر ابھی تو بہت وقت پڑا ہے نماز کے لیے، اور ویسے بھی، آج تو جمعہ بھی نہیں ہے، یہ سوچ کر میں ایک بار پھر سو گیا۔

جب آنکھ کھلی تو سورج سر پر چمک رہا تھا، اور کھیس کے اندر میرا پورا وجود پسینے میں نہایا ہوا تھا۔ گویا کہ نو بج چکے تھے، اب مزید سونا ممکن نہیں تھا۔ نجانے کب اس گھر میں کولر آئے گا اور ہمیں بھی آرام سکون کی نیند نصیب ہو گی۔ کوفت سے سوچتا ہوا میں اٹھا اور اپنے کمرے کی جانب بڑھ گیا۔ میرے اٹھتے ہی رشیدہ لپک کر آئی اور میری چارپائی سے تکیہ اور کھیس اٹھا کر تہہ کرنے لگی۔ صحن میں اس وقت ایک میری ہی چارپائی بچھی رہ گئی تھی، اور وہ بھی شاید انتظار میں ہی بیٹھی تھی کہ میں اٹھوں اور وہ یہ چارپائی بھی اٹھا کر برآمدے میں کھڑی کر دے، اور پھر صحن میں پائپ لگا کر ناشتہ سے پہلے پہلے ہی صحن دھو دھلا کر فارغ ہو جائے۔ میرا ابھی کچھ دیر مزید سونے کا ارادہ تھا، آخر میں اس ملک کی سخت ترین ڈیوٹی پر مامور تھا، اور چھ مہینے ڈیوٹی کے فرائض انجام دینے کے بعد چھٹی پر گھر آیا تھا...... میں کمرے میں پہنچا اور پلنگ پر دراز ہونے سے قبل، پنکھا چلانے کے لیے دیوار پر موجود سوئچ بورڈ پر ہاتھ مارا تو بجلی ندارد۔ غصّے سے کھول کر رہ گیا۔ ایک دو شاندار سے الفاظ واپڈا والوں کی عزت افزائی میں ادا کرنے کے بعد میں نے الماری میں سے استری شدہ جوڑا نکالا، اور نہانے کی غرض سے غسل خانے میں گھس گیا۔

صابن سے رگڑ رگڑ کر منہ دھونے کے بعد میں نے چہرے پر اچھی طرح شیونگ کریم کا لیپ کیا، اور اس وقت بڑی عرق ریزی سے الٹا ریزر پھیر رہا تھا جب مجھے کمرے میں آہٹ اور پھر رشیدہ کی آواز آئی: 'پائی جان! ناشتہ تیار ہو گیا ہے'۔ میں کوئی جواب دینے کی پوزیشن میں نہ تھا۔ وہ بھی اعلان کر کے شاید جا چکی تھی۔ شیو بنا کر میں فارغ ہوا، اور ایک بار پھر خوب رگڑ کے چہرہ دھو رہا تھا کہ یکایک غسل خانے کا واحد بلب جل اٹھا۔ یعنی بجلی آ گئی تھی۔ میں نے بغور اپنے چہرے کو آئینے میں دیکھا۔ کہیں کسی بال کا نام و نشان نہ تھا۔ پھر چکنی جلد پر ہاتھ پھیر کر بھی میں نے چہرے کے بالوں سے مصفا ہونے کی تصدیق کی۔ شیو تو اتنی اچھی بنائی تھی کہ صوبیدار میجر کرامت اپنے معمول کے راؤنڈ پر اگر عدسے سے بھی میرے چہرے پر ڈاڑھی مونچھ کے کسی بال کو تلاش کرنے کی کوشش کرتا، تو اسے نہ ملتا۔ لیکن اس وقت آئینے میں خود کو دیکھتے ہوئے مجھے عجیب سا ملال ہوا۔ شاید یہ خیر محمد کی ڈاڑھی تھی جسے صبح صبح نیند بھری آنکھوں سے دیکھتے ہوئے مجھے ابّا جی مرحوم یاد آ گئے تھے، لیکن اگر میں بھی چھوٹی موٹی ذرا سی ڈاڑھی رکھ لیتا تو شاید میرے چہرے پر موجود یہ کیل مہاسوں کے داغ چھپ جاتے، اور کچھ رعب و دبدبہ میں بھی اضافہ ہو جاتا۔ لیکن پھر خیال آیا مجھ سے محض دو سال چھوٹا ہونے کے باوجود خیر محمد عمر میں مجھ سے ۱۰ سال بڑا لگتا ہے، تو کیا ضرورت ہے مجھے خواہ مخواہ مولوی بننے کی۔ اور ویسے تو کسی کو کوئی اعتراض نہ ہوتا، لیکن بلا وجہ یونٹ میں افسران کی نگاہیں میری جانب اٹھنا شروع ہو جاتیں۔

نہا دھو، شیو بنا کر میں باہر نکلا تو طبیعت کی گرمی کافی حد تک دور ہو چکی تھی۔ ہینگر لٹکانے کے لیے الماری کھولی، سامنے ہی میری صاف ستھری، استری شدہ وردی لٹک رہی تھی۔ چھٹی پر گھر آنے سے پہلے اپنی وردی میں یونٹ کے دھوبی سے ہی استری کروا کر لایا تھا۔ اور اس نے ہمیشہ کی طرح کریزیں خوب جما کر بٹھائی تھیں اور سارے بیج اور پھول لگا کر وردی پہننے کے لیے تیار کر دی تھی۔ خاکی وردی، سنہرے بیج اور پنجاب رجمنٹ کے صوبیدار کی سبز ٹوپی۔ اس پاک سر زمین کے محافظوں کی وردی۔ میری وردی۔ میں نے دل میں ایک فخر و انبساط محسوس کرتے ہوئے اپنی خاکی وردی پر ہاتھ پھیرا۔ میں ایک فوجی ہوں۔ پاک فوج کا جوان۔ بانکا سجیلا جوان۔ 'میرے نغمے تمہارے لیے ہیں'...... میڈم نور جہاں کا میرے نام گانا میرے ذہن میں چلنے لگا۔

نجانے میرے دل میں کیا آئی کہ اپنی فوجی ٹوپی اٹھا کر ایک بار پھر آئینے کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ چاند تارے والے بیج کو عین ماتھے کے درمیان سیٹ کرتے ہوئے، میں نے ایک جانب سے ٹوپی کو کھڑا کیا اور دوسری جانب سے چپٹا کر کے سر پر جمایا۔ آئینے میں اپنا عکس دیکھ رہا تھا کہ ایک بار پھر ابّا جی حقّہ اٹھائے میرے سامنے آ براجمان ہوئے۔ آم کے پیڑ کے نیچے بچھی چارپائی پر بیٹھ کر انہوں نے سامنے دھرے چھوٹے موڑھے پر اپنا حقّہ بڑے اہتمام سے سیٹ کیا تھا، پھر درخت کی ہی ایک ڈالی توڑ کر اس کے سرے سے چلم کی بجھتی راکھ کو کریدا، اسے تازہ کیا، اور پھر حقّے کا ایک لمبا کش لگا کر دھواں فضا میں چھوڑتے ہوئے انہوں نے میری جانب دیکھ کر تان لگائی تھی

دیکھ کر یار بناویں محمدا
فیر پاویں سولی تے چڑھ جاویں

’یہ شعر غلط ہے ابّا‘، میں نے اخبار سے نظریں ہٹائے بغیر کہا تھا۔

’مگر معنی تو غلط نہیں ہے ناں پتر‘، ابّا نے برا منائے بغیر جواب دیا۔ میں جانتا تھا وہ کیا کہنا چاہتے تھے۔ ان دنوں گھر کا سب سے اہم موضوع میرے مستقبل کا انتخاب ہی تھا۔

’دیکھ پتر! اج توجیہڑا وی پیشہ اختیار کرلے، لیکن ایہہ گل یاد رکھیں، کہ توجیہڑا کم کرے گا او ہی تیری شَناخت ہو گا۔ اک ویلا آنا اے کہ تو اپنے پیشے میں ڈھل جائے گا۔ توکسان بن کر مٹی سے اناج اگا، اپنے ہاتھ مٹی مٹی کرلے، مٹی تجھ میں عاجزی پیدا کرے گی۔ توپُلس میں بھرتی ہو جا اور چور ڈاکو پھڑ، لیکن چوروں اور ڈاکوؤں کا ساتھ ہو گا توتُو بھی چور ڈاکو بن جائے گا، بس قانونی بھی ہو گا۔ کسی سکول میں ماسٹر لگ جا، تے تو استاد بن جائے گا اور قصائی کی دکان کھول لے، تو ایک وقت آئے گا کہ تو زندگی کے ہر رخ کے اعتبار سے قصائی بن جائے گا۔ ایس واسطے تو چھیتی نہ کر، اچھی طرح سوچ سمجھ کر فیصلہ کریں‘۔

گو کہ ابّا نے آخری فیصلے کا اختیار میرے ہاتھ میں دیا تھا، لیکن میں جانتا تھا کہ دل سے وہ یہی چاہتے ہیں کہ آرائیوں کی اولاد انہی کی طرح زمینوں کو سینچے، اور اپنا خون پسینہ پانی کی طرح بہا کر اناج اگانے کا آبائی پیشہ اختیار کرے۔ حالانکہ زمینوں کی دیکھ بھال کے لیے خیر محمد اور وارث علی بھی موجود تھے، مگر بس بڑا بیٹا ہونے کے ناطے ساری توقعات اور امیدیں مجھ ہی سے وابستہ تھیں۔ اور امّاں تو سنتے ہی ہتھے سے اکھڑ گئی تھی۔

’لو کر لو گل! نئیں تُو مینوں ایہہ دس کہ تینوں نوکری کرن دی کیہہ لوڑ اے؟ اتّیاں زمیناں نے، تِن مجّاں کول نے، آرام نال اپنے پنڈ اِچ گزر بسر ہو رہی اے۔ میں تے سوچیا سی کہ ہن عبدالرشید دی دھی نوں ووہٹی بنا کر لیاواں گی، تے توں پنڈ چھڈ کے جان دی گل کر ریا اے‘، ماں کی پلاننگ کسی اور ہی نہج پر چل رہی تھی۔ اب میں کیسے سمجھاتا کہ دنیا میں اچھی زندگی گزارنے کے لیے صرف چند ایکڑ زمین اور تین مجّیں کفایت نہیں کرتیں، بلکہ اس کے لیے پیسہ چاہیے پیسہ۔ جتنا زیادہ ہو اتنا اچھا ہے۔ یہاں خیر محمد اور وارث علی موجود تھے زمینوں اور مویشیوں کی دیکھ بھال کے لیے، اگر قسمت سے مجھے فوج میں کمیشن مل جاتا تو زندگی سنور جاتی اپنی۔ بیس پچیس سال کی نوکری اور پھر آرام سے بیٹھ کر پنشن کھاتے۔ اور جو پنڈ میں فوج کی نوکری کی بدولت اپنی ٹور بنتی وہ الگ تھی، پھر بھلے سے امّاں ماما عبدالرشید کو چھوڑ، چودھری فضل الٰہی کی دھی کو ووہٹی بنا کر لاتی، سب فخر کرتے مجھ سے رشتہ جوڑنے پر۔

’امّاں میرا تو خیال تھا کہ تو خوشی خوشی مجھے اجازت دے گی، میرا ماتھا چومے گی اور کہے گی کہ جا میرا سوہنا پتر، تجھے میں اس وطن کی مٹی کی خاطر قربان کرتی ہوں، جا تو اس وطن کا محافظ ہے، اپنے خون کا آخری قطرہ تک بہا دینا پر اس پاک سرزمین پر آنچ نہ آنے دینا‘، میں نے جذباتی اٹیک کیا۔

مگر مقابل ماں تھی، یک دم برامان کر بولی، ’لے دس! میں کیوں تجھے مٹی کی خاطر قربان کروں گی۔ وہ تیرے چاچے کم ہیں جنہاں نے ساری حیاتی لگا دی زمین اور مٹّی پانی کے جھگڑوں میں۔ تیرے ابّا کو کچہریوں میں ذلیل کرتے رہے صرف چند فٹ زمین کی خاطر۔ قربان ہونا ہو تو آدمی اللہ رسولؐ کی خاطر قربان ہو، ربّ کی خاطر مرے، زمین کی خاطر لڑنے مرنے میں کیا کمال ہے‘ اللہ رسولؐ کا ذکر کرتے ہوئے ماں کی آنکھیں ہمیشہ کی طرح عجیب سے انداز سے بند ہوئیں اور پھر کھلی تھیں۔

’ارے امّاں! میرا یہ مطلب نہیں تھا۔ میرا مطلب تھا کہ فوج میں جا کر میں مجاہد بنوں گا، جہاد کروں گا‘، میں نے ماں کی خاطر آسان الفاظ میں اپنے اپنائے ہوئے پیشے کی تعریف بیان کی۔

’کتھے؟‘، امّاں نے اپنے مخصوص انداز میں انگلی ناک پر رکھتے ہوئے نہایت سنجیدگی سے پوچھا۔ ایک لمحے کے لیے تو میں سوال سمجھ ہی نہ پایا تھا۔

’جی؟‘، میں نے قدرے ہونق پن سے پوچھا۔

’کتھے کرے گا تو جہاد؟ کادے نال؟‘،

’جس کے ساتھ بھی افسر آرڈر دے گا، یہ کیسا سوال ہے‘، میں اچانک ہی جھلا گیا تھا۔ ’انڈیا کے ساتھ کروں گا جہاد، اور جو کوئی بھی ہمارے ملک کی طرف میلی آنکھ سے دیکھے گا، اس سے کروں گا جہاد‘۔

’اللہ نہ کرے کہ کوئی اس ملک کی طرف میلی آنکھ سے دیکھے، لیکن انڈیا کے ساتھ تو یہ فوج لڑتی نہیں، امریکہ کے ساتھ دوستی ایوب خان نے گانٹھی تھی اور دوستی ملازمت میں بدل گئی، سارے کافر تو یار دوست ہیں، دیکھا نہیں اس موئے پرویز مشرف کو؟......تو جہاد کیا مسلمانوں سے کروگے‘۔

’یا اللہ!‘، میں چکرا گیا تھا، مجھے تو امّاں کی اس قدر سیاسی سوچ کا اندازہ ہی نہ تھا، اوپر سے ماں نے چیف صاب کو بھی رگڑ دیا تھا۔

’تُو پتر! میری مان تے کشمیر جا کر جہاد کرلے۔ قسم لے لے تجھے کوئی نہیں روکے گا۔ جہاد تو عظیم عبادت ہے۔ ہمارا سر نہ فخر سے اُچا ہو جائے گا اگر ہمارا پتر مجاہد بن جائے تو۔ یا تو تُو غازی اور فاتح بن کر لوٹے گا، یا پھر شہید ہو گیا تو ہمیشہ کی جنّت اور نعمتاں ہی نعمتاں ہوں گی۔ عاقبت سنور جائے گی تیری‘، ماں اتنے جوش وخروش سے بولی کہ مجھے لگا کہ اس کے بس میں ہو تا تو مجھے ابھی اسی وقت شہید کروا دیتی۔ شاید اسے معلوم نہ تھا کہ شہید ہونا آسان نہیں، آدمی جان سے چلا

جاتا ہے۔ اور پھر فائدہ کُکھ بھی نہیں، پیچھے والوں کو پنشن تو دور کی بات، بینیولنٹ فنڈ کا دھیلا بھی نہیں ملتا۔

’اماں آخر فوج کی نوکری میں کیا قباحت ہے؟ کیوں آپ دونوں میرے مستقبل کے دشمن بنے ہوئے ہیں‘، میں نے جھنجھلا کر پوچھا۔ عجیب ماں باپ تھے، خواہ مخواہ مخالفت کیے چلے جا رہے تھے۔

’آخر ضرورت کیہہ اے؟ تو میںنوں ایہہ دس دے کہ ضرورت کیہہ اے؟ اور تو کیہڑا افسر لگ جائے گا فوج وِچ جا کر، جا کر کرے گا تو وہی ناں، وہ بن جائے گا تو کسی افسر دے کار وِچ.... اوہ کیہہ آندے نے؟ بیٹمین، فیر بس بر تن پانڈے مانجھتا رہویں، تینوں عزّت راس جو نئیں آ رہی‘، ماں جلال میں آ گئی تھی۔



مگر آج...... آج مجھے فخر تھا اپنے فیصلے پر۔ فوج میں کمیشن ملنا آسان مرحلہ نہیں تھا۔ مگر ایک بار وہ طے کر لیا تو پھر بس چھتیس ہفتوں کی ٹریننگ، اور اس کے بعد دس سالہ نوکری کے عرصے میں، میں نائب صوبیدار سے ترقی پا کر صوبیدار بن گیا تھا۔ پنڈ میں سب نظریں جھکا کر مجھے سلام کرتے تھے۔ کوئی جھگڑا ہو جاتا تو سب سے پہلے مجھے بلایا جاتا، اکثر جھگڑوں کا فیصلہ میں ہی کرتا تھا۔ شہر میں نوکری حاصل کرنے کے لیے میری سفارش نعمت غیر مترقبہ تصور کی جاتی تھی۔ ماما عبدالرشید کی دھی کو تو ماں خیر محمد سے بیاہ کر چھ سال پہلے ہی لے آئی تھی، مگر دو سال پہلے میری نسبت بھی منشی اسلم کی بیٹی کے ساتھ طے ہو گئی تھی۔ وہ چودہ جماعتیں پاس تھی اور گاؤں کے سکول میں پڑھاتی تھی۔ پورے خاندان میں، میں واحد مرد تھا جس کی منکوحہ اپنا کماتی تھی۔ سال میں دو سے تین بار لمبی چھٹی پر گھر آتا تھا۔ ہر مہینے بینک میں اچھی خاصی تنخواہ آ جاتی تھی۔ اسی کے بل پر تو آج گھر کے صحن میں تین کے بجائے سات مجّیں کھڑی تھیں۔ ابھی پچھلے سال ہی وارث کو موٹر سائیکل خرید کر دی تھی، اس نے چھوٹی سی پرچون کی دکان ڈال لی تھی، اس میں بھی آدھا پیسہ میں نے ڈالا تھا۔ اچھی آسودہ حال زندگی تھی۔

آئینہ سے جھلکتے چہرہ پر درست اور بروقت کیے گئے فیصلے کا اطمینان اور سکون جھلک رہا تھا۔ اب اس سال ویاہ کا بھی ارادہ تھا۔ ایک بار پھر میرا ہاتھ چہرے کی چکنی جلد کو سہلانے لگا۔ پابندی سے شیو کرنے کی وجہ سے چہرے کی جلد ذرا کھردری ہو گئی تھی۔ لیکن خیر! شادی سے پہلے شہر جا کر ایک بار میں بھی فیشل کروالوں گا۔ یونٹ کے اکثر جوان تو جاتے ہی ہیں پارلر، میں بھی ایک چکر لگا لوں گا۔ بہر حال، بتیس سال کا تو میں کہیں سے نہیں لگتا، یونہی بائیس چوبیس برس کا جوان گبھرو لگتا ہوں۔

’پائی جان!‘، رشیدہ کی آواز سے میری سوچوں کا سلسلہ ٹوٹ گیا، ’ناشتہ نہیں کریں گے کیا؟ سب کر چکے ہیں‘۔

’بس آ رہا ہوں‘، میں نے بالوں میں انگلیاں پھیر کر انہیں سیٹ کیا، دراز میں سے سگریٹ کی ڈبیا نکال کر جیب میں رکھی اور رشیدہ کے پیچھے پیچھے کمرے سے نکل آیا۔ ایک میری یہ بہن میری سستی سے بہت نالاں رہتی تھی۔ میرے بیٹھتے ہی اس نے میرے سامنے چھابہ لا رکھا جس میں تین گرم گرم آلو کے پراٹھے، اوران کے اوپر ایک بڑی سی کٹوری میں گاڑھا میٹھا دہی رکھا تھا۔ گھر میں غیر معمولی خاموشی تھی۔ ’کہاں ہیں سب؟‘، میں نے پہلا نوالہ توڑتے ہوئے پوچھا۔

’اماں پڑوس میں گئی ہیں، خالہ مجیداں کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے، ان کا پتہ لینے گئی ہیں۔ وارث اوپر کوٹھے پر ہے، اور ویر جی ماما جی کی طرف گئے ہیں بھابھی کو لینے، اب تو آنے والے ہوں گے‘۔

اس نے مفصّل جواب دیا تھا، ورنہ عموماً وہ میرے سامنے ایک دو جملوں سے زیادہ نہیں بولتی تھی۔ یہ تو ویر جی تھے جن سے بات کرتے ہوئے اور جن کی بات کرتے ہوئے سبھی کے منہ میں گُڑ گھل جاتا تھا۔ ابّا جی کے انتقال کے بعد خیر محمد نے غیر محسوس انداز میں ان کی جگہ پُر کر دی تھی۔ میں انہی سوچوں میں گم ناشتہ کر رہا تھا۔ جیسے ہی آخری نوالہ منہ میں ڈالا، گلی میں سے خیر محمد کی موٹر سائیکل کی کھٹ کھٹ، پھٹ پھٹ اور پھر ہارن کی تیز آواز سنائی دی۔ وارث تیزی سے زینے پھلانگتا نیچے آیا اور جلدی سے دروازہ کھول دیا۔ دروازہ کھلتے ہی کسی آندھی طوفان کی طرح عبد اللہ اور مقدس اندر داخل ہوئے۔ عبد اللہ تو فوراً وارث کی گود میں چڑھ گیا جبکہ مقدس ’تایا جی، تایا جی‘ کے نعرے لگاتی سیدھی مجھ سے آ کر لپٹ گئی۔ خیر محمد بائیک اندر لے آیا، اس کے پیچھے بھاوج، عبد الرحمان کو اٹھائے، بڑا سا گھونگھٹ نکالے اندر آئی اور سیدھا اماں کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

بھاوج کے دو گز کے گھونگھٹ نے مجھے ہمیشہ کی طرح حلق تک کڑوا کر دیا تھا۔ مولوی کو ملی بھی تو پکی مولوائن۔ اب گھر میں اتنا بڑا گھونگھٹ نکالنے کی کیا تُک تھی بھلا۔ آخر کو میں جیٹھ تھا اس کا، باپ کی جگہ تھا۔ مگر چاہنے کے باوجود میں کبھی خیر محمد سے اس بارے میں کچھ کہنے کی جرأت نہ کر پایا تھا۔ اتنے میں مقدس جو میرے گلے سے جھول رہی تھی، اس نے میری توجہ اپنی جانب مبذول کروالی۔

’آ گئی میری شطو نگڑی! اتنے دن لگا دیے تو نے نانا کے گھر میں، وہاں بہت مزا آتا ہے کیا؟‘، پھول سے گالوں والی یہ ننھی رشتہ دار مجھے بہت عزیز تھی۔ شاید اس گھر میں سب سے زیادہ وہی مجھے پیاری تھی، اور وہ بھی پورے گھر سے زیادہ مجھ ہی سے پیار کرتی تھی۔

’نہیں تو تایاجی، میں نے تو آپ کو اتنا یاد کیا...... اتنا زیادہ......‘، وہ شاید کوئی تمثیل ڈھونڈ رہی تھی، ’جتنا حضرت یعقوبؑ نے حضرت یوسفؑ کو یاد کیا تھا‘۔

’ہائیں!‘، اس کی بات سن کر میں بھونچکارہ گیا، ’کتنا یاد کیا تھا انہوں نے؟‘۔

’اتنا زیادہ کہ رورو کر ان کی آنکھیں چلی گئیں‘، اس نے معصومیت سے جواب دیا، ’میں بھی اتنا روئی تایاجی کہ امّی نے کہا کہ ابّاجان کو فون کر کے بلا لیتے ہیں، کہیں میری بھی آنکھیں نہ چلی جائیں‘۔

’تمہیں ایسی باتیں کون سکھاتا ہے شطونگڑی، اتنی بڑی بڑی باتیں کرتی ہو‘، میں نے پیار سے اس کے گال تھپتھپاتے ہوئے پوچھا۔

’تایاجی میں بڑی ہو گئی ہوں ناں، دادی کہتی ہیں میں بہت سمجھدار ہوں‘، اس نے فخریہ انداز میں میری طرف دیکھ کر گویا دادی کی بات کی تصدیق کروانا چاہی۔

’کوئی نہیں، میری گڑیا تو چھوٹی سی ہے ابھی۔ ننھی منّی سی۔ اب میں دوبارہ شہر جاؤں گا تو اپنی گڑیا رانی کے لیے ڈھیر سارے پیارے پیارے کپڑے لاؤں گا، اور رنگ برنگی چوڑیاں بھی، پھر وہ سب پہن کر میری گڑیا شہزادی لگے گی‘۔

’اور تایاجی ایک نورانی قاعدہ بھی لانا، پھر میں دادی سے پڑھوں گی‘، اس نے فوراً اپنی فرمائش جڑ دی۔

اتنے میں رشیدہ میرا موبائل اٹھالائی۔ نجانے کب سے اس کی گھنٹی بج بج کر اب خاموش ہو چکی تھی۔ میں نے مس کالیں چیک کیں، پچھلے آدھے گھنٹے میں صوبیدار میجر کی تین کالیں آچکی تھیں۔ مجھے قدرے تشویش ہوئی۔ فوراً ان کے نمبر پر فون کیا تو دوسری ہی گھنٹی پر فون اٹھالیا گیا۔

’ہاں...... افضل! کب سے فون کر رہا ہوں، اٹھا نہیں رہے تھے تم‘، فون اٹھاتے ہی وہ مجھ پر برس پڑے تھے۔

’جی سر! وہ سر...... بس غلطی ہو گئی سر، د د د دھ دھ دھیان نہیں رہا موبائل کا‘، میں ہکلا کر بولا۔ ایک تو پتہ نہیں کیا بات تھی اس کم بخت کے انداز میں، آواز میں ایسی کرختگی ہوتی تھی کہ آمنا سامنا ہونے کے باوجود مجھ پر خواہ مخواہ گھبراہٹ طاری ہونے لگتی۔

’دھیان رکھا کرو موبائل کا، کوئی پتہ تو نہیں ہوتا کس وقت کوئی ایمرجنسی ہو جائے‘، وہ ڈپٹ کر بولے۔

’جی سر‘، میں نے مستعدی سے جواب دیا۔

’اچھا خیر! میں نے تمہیں یہ بتانا تھا کہ تمہاری چھٹی منسوخ ہو گئی ہے، کل سے آجانا ڈیوٹی پر‘، انہوں نے اگلا جملہ فائر کیا، جو کسی گولی کی طرح ہی مجھے آکر لگا۔

’جی سر؟ مگر کیوں سر؟‘، میں نے مرے مرے انداز میں پوچھا۔

’میجر صاحب کا آرڈر ہے‘، ادھر سے کڑک جواب موصول ہوا۔

’جی سر‘،

’پھر کل تم ڈیوٹی پر ہو گے؟‘، انہوں نے اپنی تسلّی کی خاطر پوچھا۔

’جی سر!‘

’ٹھیک ہے‘، وہ مطمئن ہو گئے اور اس کے ساتھ ہی فون کٹ گیا۔

بے غیرت...... جی تو چاہا افسران کی شان میں اپنی پوری لغت کا نذرانہ پیش کر دوں، خود تو اے سی کی ٹھنڈک کے مزے لوٹتے تھے اور ہم غریبوں کو چھ ماہ کے بعد مہینے بھر کی چھٹی بھی سکون سے گزارنے نہیں دیتے تھے۔ چلو بھئی حاضر ہو جاؤ کہ افسر کا حکم ہے۔ لعنت ہے ایسی زندگی پر۔ اوپر سے یہ جون کی آخری تاریخوں کی چلچلاتی دھوپ اور گرمی میں ڈیوٹی پر جانا، وہ بھی جب چھ ماہ بعد ملنے والی چھٹی یکایک منسوخ ہو جائے، کس دل گردے سے میں نے اپنی واپسی کی تیاری کی، یہ میں ہی جانتا تھا۔

☆☆☆☆☆

میں جو ایک ہفتہ گھر گزار کر آیا تھا تو اپنی سدھ بدھ ہی بھول گیا تھا۔ میں نے تو ہفتے بھر سے خبریں بھی نہیں سنی تھیں۔ اگلے دن صبح سویرے یونٹ پہنچا تو غیر معمولی ہلچل کا احساس ہوا۔ اپنے کمرے میں پہنچ کر میں نے سامان پلنگ پر ڈھیر کیا اور صوبیدار میجر کرامت کا سامنا کرنے سے پہلے ایک آدھے سگریٹ کے ذریعے حواس بحال کرنے کا ارادہ کیا۔ مگر ابھی سگریٹ سلگایا ہی تھا کہ سپاہی اسلم جان نے زوردار انداز سے دروازہ کھٹکھٹایا اور جواب کا انتظار کیے بغیر سیدھا اندر آکر ایک زوردار سلیوٹ جھاڑا۔

’آپ آگئے سر!‘،

’ہاں بولو کیا بات ہے‘، میں نے بدمزاجی سے پوچھا۔

’سر وہ آپ کو میجر صاب نے یاد کیا ہے‘۔

اور یوں جس نحوست سے میرے دن کا آغاز ہوا اس نے پھر اگلے کئی دنوں تک ساتھ نہ چھوڑا۔ صبح صبح چائے اور سگریٹ کے بجائے میں اپنی وردی کی نادیدہ سلوٹیں درست کرتا، میجر صاحب

کے کمرے کے باہر، بلاوے کا منتظر تھا۔ صوبیدار عبدالرحیم اور نائب صوبیدار سعید بھی وہاں موجود تھے۔ انہی سے مجھے تازہ ترین خبریں ملیں۔ فوج نے اسلام آباد میں آپریشن سائلنس کا ارادہ کر لیا تھا۔ اور اسی چکر میں اس وقت ہم سب میجر صاحب کے کمرے کے باہر، بریفنگ حاصل کرنے کے لیے کھڑے تھے۔

ہم سب کی تعیناتی لال مسجد پر ہوئی تھی۔ نجانے کیا کھڑاگ کھڑا کر دیا تھا مولویوں نے۔ اور وہ بھی عین جولائی کے مہینے میں۔ مجھے معاملے کی تفصیلات جاننے سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ مجھے تو صرف اتنا پتہ تھا کہ مجھے لال مسجد کا محاصرہ کرنے کا آرڈر ہے، اور میں نے وہاں سے کسی کو نکلنے نہیں دینا۔ چلچلاتی دھوپ میں جب ساری مخلوق گھروں کے اندر آرام کر رہی تھی، میں اپنے جوانوں سے مسجد کے گرد خاردار تاروں کا جال بچھوا رہا تھا۔ شام تک ہم نے مسجد کے گرد مختلف مقامات پر تین مورچے بھی بنا لیے تھے اور جب میجر صاحب فوجی جیپ میں تیاریوں کا جائزہ لینے کے لیے لال مسجد پہنچے، تو میں اور میرے سپاہی، اپنے مورچوں میں پوزیشنیں سنبھالے، مستعد کھڑے تھے۔

’صوبیدار صاحب! کوئی مسئلہ تو نہیں ہوا آج؟‘، انہوں نے جیپ میں بیٹھے بیٹھے ہی مجھ سے رپورٹ طلب کی۔

’نہیں سر! ہم نے پورے کمپاؤنڈ کے گرد تار لگا دیے ہیں۔ تین مورچے آج بن گئے ہیں سر، ان شاءاللہ تین اور مسجد کی پچھلی سائیڈ پر کل بنائیں گے سر‘۔

’ہوں...... ٹھیک ہے۔ خاردار تار مسجد اور مدرسے دونوں کے گرد لگائی ہے؟‘،

’جی سر! جیسے آپ نے کہا تھا سر، ایسے لگائی ہے کہ کوئی بھی ہماری نظروں میں آئے بغیر نکل نہیں سکتا، سر!‘،

’گڈ، گڈ...... اور جوان ٹھیک ہیں؟‘

’جی سر‘،

’کوئی مسئلہ تو نہیں؟‘،

’نہیں سر‘،

’مورال کیسا ہے؟‘،

’ہائی سر!‘

’ٹھیک ہے...... صابر! چلو پھر‘، میجر صاحب نے ڈرائیور کو مخاطب کر کے کہا۔ میں فوراً گاڑی سے ایک قدم پیچھے ہٹا اور ہاتھ ماتھے تک لے جا کر میجر صاحب کو سیلوٹ کیا: ’سر!‘۔ میجر صاحب نے میری طرف دیکھے بغیر گردن کو ہلکا سا خم دے کر میرے سیلوٹ کا جواب دیا اور ان کی جیپ آگے بڑھ گئی۔



اگلے چند دن ہمارا یہی معمول رہا۔ محاصرے کی تمام تیاریاں مکمل ہو چکی تھیں۔ مسجد کے طلبہ مسجد کی چھت اور دیواروں سے ہمیں دیکھتے رہتے اور ہم اپنے مورچوں سے ان کی ہر ہر نقل و حرکت پر نظر رکھے ہوئے تھے۔ روزانہ کے حساب سے مسجد کے گرد تعینات فوجی نفری میں اضافہ ہو رہا تھا۔ مسجد کے بڑے مولویوں کے ساتھ حکومت کے مذاکرات چل رہے تھے، مسجد کے اندر سے بھی تقریروں اور نعروں کی آوازیں آتی رہتی تھیں۔ لیکن سب سے زیادہ کوفت مجھے تب ہوتی جب اندر سے ’اللہ اکبر‘ ’شریعت یا شہادت‘ کے نعرے سنائی دیتے۔ نجانے کیوں مجھے ایسا لگتا جیسے کسی نے میری وہاں موجودگی پر سوالیہ نشان لگا دیا ہو۔ میں یہاں اس شدید گرمی میں، اس مسجد کے باہر کیوں ڈیوٹی دے رہا ہوں؟ ماں جی کی تمسخر اڑاتی آواز میرے ذہن میں گونجنے لگتی: ’توکادے نال جہاد کرے گا؟ مسلماناں دے نال؟‘۔

ان مسجد والوں سے میرے ملک کی سالمیت کو خطرہ ہے، میں ان سے جہاد کر رہا ہوں۔ ان میں انڈیا کے ایجنٹ شامل ہیں، یہ دہشت گرد ہیں جو میرے ملک کے نظام کو درہم برہم کرنا چاہتے ہیں۔ میں اپنے آپ کو مطمئن کرنے کی کوشش کرتا مگر اندر لاؤڈ سپیکر پر لگائے جانے والے نعرے میرا سارا اطمینان درہم برہم کر دیتے۔ ’ہم کیا چاہتے ہیں؟ ہمارا مقصد کیا ہے؟‘، اندر سے آواز آتی، اور پوری مسجد ’شریعت یا شہادت‘ کے نعروں سے گونج اٹھتی۔ آخر میں نے ان آوازوں پر کان دھرنا چھوڑ دیے۔ آخر مجھے اتنا سوچنے کی ضرورت بھی کیا تھی، سادہ سی بات تھی، مجھے تو جو آرڈر ملے گا میں وہی کروں گا۔

محاصرہ کیے ہوئے ہمیں پانچواں دن تھا۔ پولیس، رینجرز، فوج سبھی موجود تھے۔ دوپہر دو بجے کا وقت تھا جب سپاہی اسلم جان نے آکر بتایا کہ صوبیدار میجر صاحب سب کو مورچوں کے اندر رہنے کا آرڈر دے رہے ہیں۔ تیز دھوپ میں باہر نکلنے کی خواہش بھی کسے تھی۔ مجھے تو ان لڑکوں پر حیرت ہوتی تھی جو سارا سارا دن تپتے سورج کے نیچے، مسجد کی چھت پر کسی چوکس شیر کی طرح ہم پر نظریں جمائے بیٹھے رہتے تھے۔ بہر حال، ابھی کچھ ہی دیر ہوئی تھی کہ فائرنگ کی آواز نے ہمیں چونکایا۔ خدا جانے فائرنگ کس جانب سے شروع ہوئی تھی، لیکن اس وقت گولیوں کا سنجیدہ تبادلہ ہو رہا تھا۔ اتنے میں پولیس آگے بڑھی اور اس نے آنسو گیس کی شیلنگ کرنا شروع کر دی۔ میرا خیال تھا کہ مسجد کے لونڈے اب حالات کو سنجیدہ رخ اختیار کرتے دیکھ کر جلدی ہار مان جائیں گے، لیکن وہاں سے وقفے وقفے سے کچھ نہ کچھ مزاحمت مسلسل ہو رہی تھی۔ شام تک حالات ٹھیک ٹھاک گھمبیر ہو چکے تھے۔ اطلاعات کے مطابق ایک صحافی اور

ایک راہگیر کے علاوہ مسجد کے چار طلبہ مارے گئے تھے۔ اگلے دن جی سکس سیکٹر میں کرفیو لگ گیا تھا۔

اگلی صبح ناشتہ کے بعد چائے کا دور چل رہا تھا جب میجر صاحب کی جیپ ہمارے مورچے کے عین سامنے آکر رکی۔ مورچے میں اس وقت نائب صوبیدار سعید، سپاہی اسلم جان، سپاہی وسیم اور میں خود تھا۔ میجر صاحب کو دیکھ کر ہم چاروں جلدی سے اپنی چائے کی پیالیاں چھوڑ چھاڑ، مورچے سے باہر نکل آئے۔ کھٹ، کھٹ، کھٹ، کھٹ، یکے بعد دیگرے چار سیلوٹ کیے گئے۔ میجر صاحب جیپ سے اتر کر سیدھا میری طرف آئے اور میرے پاس رک کر میرا کندھا تھپتھپا کر بولے:

'اور صوبیدار صاحب! سب ٹھیک چل رہا ہے؟'،

'سر!'، میں نے جلدی سے ایک اور سیلوٹ جھاڑا، 'جی سر!'۔

میجر صاحب مورچے کے اندر داخل ہو گئے، اور کرسی سے جھولتی دوربین اٹھا کر مسجد کی چھت پر نظریں گاڑ دیں۔ ایک دو منٹ تفصیل سے جائزہ لینے کے بعد انہوں نے آنکھوں سے دوربین ہٹائی اور مسجد کی جانب اشارہ کر کے پوچھا، 'اُدھر مورال کیسا ہے؟'۔

'سر! ادھر تو کوئی فرق محسوس نہیں ہوتا سر!، سب کچھ پہلے روز جیسا ہی لگتا ہے'، میں نے جواب دیا۔

'ہوں...... اور جوانوں کا مورال کیسا ہے؟'، میجر صاحب کا لہجہ خشک تھا۔

'ہائی ہے سر'، میں گھبرا کر بولا، اب یہ تو بتانے سے رہا کہ ایک ہفتے سے اس دھوپ اور گرمی میں بیٹھے ہم سب کس قدر بیزار ہو چکے تھے۔

'ہوں...... ایسا ہے...... کہ آج لیفٹیننٹ کرنل ہارون کمانڈ سنبھال رہے ہیں آپریشن کی۔ ان کے جوان آج یہاں پہنچ جائیں گے'۔

'جی سر!'،

'تم لوگ اپنی پوزیشن برقرار رکھو گے'،

'جی سر!'، میں کسی روبوٹ کی طرح بولا۔

'تمہارے لیے آرڈر یہ ہے کہ جو کوئی بھی مسجد سے نکلنے کی کوشش کرے، اسے گولی مار دو'۔

'جی سر!'، میں نے ایک بار پھر ذہن میں فیڈ کیا ہوا جواب دہرا دیا۔

'جو کوئی بھی نکلے...... مگر اندر تو عورتیں اور بچے بھی ہیں'، مجھے نائب صوبیدار سعید کی بڑبڑاہٹ سنائی دی۔ غالباً میجر صاحب بھی سن چکے تھے۔ تبھی تو انہوں نے سرد مہری سے سعید کی طرف دیکھا اور ایک بار پھر آرڈر دہرا دیا:

'عورتیں ہوں یا بچے، اندر سے جو بھی نکلے اسے گولی مار دو، سمجھ گئے؟...... یہ چیف صاب کا ڈائریکٹ آرڈر ہے!'،

'جی سر!'، اس بار آرڈر سمجھنے میں کسی نے کوتاہی نہیں کی، ہم چاروں بیک آواز بولے۔

☆☆☆☆☆

شام تک کرنل ہارون اپنے ڈیڑھ سو ایس ایس جی کمانڈوز کے ساتھ آموجود ہوئے۔ لال مسجد کے گرد اس وقت بھاری تعداد میں فوج، رینجرز اور پولیس موجود تھی۔ سکیورٹی فورسز نے مسجد اور اس سے ملحق مدرسے کو پوری طرح گھیرے میں لے رکھا تھا۔ فورسز کے کھینچے خاردار تاروں کے حصار کے اس پار، ایسا محسوس ہوتا تھا گویا پورے ملک کا پریس اور میڈیا جمع ہو گیا ہو۔ رنگارنگ قسم کے چینلز کی گاڑیاں اور ان کے رپورٹر موجود تھے۔ سارا دن مسجد کے اندر موجود مولویوں سے مذاکرات ہوتے رہے تھے، کبھی لاؤڈ سپیکر پر اور کبھی فونوں پر۔ لگتا تھا آج کچھ طے ہو ہی جائے گا۔ ہم سب پر امید تھے کہ اب جلد ہی اس ڈیوٹی سے نجات ملے گی اور یونٹوں میں واپسی ہو گی۔ حکومت نے مسجد کے اندر موجود لوگوں کو دوپہر تین بجے تک ہتھیار ڈالنے کی مہلت دی تھی۔ آج ہماری ڈیوٹی مورچوں کے بجائے مسجد کے دروازوں کے باہر تھی تاکہ ہتھیار ڈالنے والوں کو اپنی نگرانی میں تحویل میں لے سکیں۔ مہلت کا وقت ختم ہوا اور کسی قسم کی پیش رفت کے آثار نہیں تھے۔ وقت میں مزید آدھے گھنٹے کی توسیع کر دی گئی۔

شام چھ بجے کے قریب مدرسے کی طالبات اور بچے باہر نکلنا شروع ہوئے۔ میں نے سپاہیوں کو مزید چوکس رہنے کی ہدایت کر دی۔ ایک تو ان کٹر مذہبی لوگوں کی عورتوں کا بھی کچھ پتہ نہیں ہوتا، کس نے اپنے برقعے میں خودکش جیکٹ پہن رکھی ہو، ہمیں کیا پتہ۔ مگر ایک سپاہی کے لیے اس کے افسر کے آرڈر کی قیمت اس کی جان سے بڑھ کر ہوتی ہے، اسی لیے تو ہم یہاں کھڑے تھے۔ اور یونہی تو نہیں جنگیں جیتی جاتیں۔ سو اپنے پاک وطن کی خاطر، ہم بھی جان ہتھیلی پر لیے، بندوقیں تانے چوکس و مستعد کھڑے تھے۔ مدرسے کی لڑکیاں قطار بنا کر، اپنا تھوڑا تھوڑا سامان اٹھائے باہر نکل رہی تھیں۔ ان میں ہر عمر کی لڑکیاں تھیں۔ پانچ، چھ سال کی بچیوں سے لے کر برقعہ پوش عورتوں تک، نجانے اندر ان کو کیسی تربیت دے رہے تھے، کیا سکھا پڑھا کر ان بے چاریوں کو دہشت گرد بنا رہے تھے۔ میرے سپاہیوں نے ان کو بحفاظت فوجی گاڑیوں میں بٹھا کر روانہ کر دیا۔ ابھی ان کو پہلے پوچھ گچھ کے لیے لے جایا جانا تھا، اس کے بعد رشتے داروں کے حوالے کرنا تھا۔

رات نو بجے کے بعد مسجد میں سے مزید افراد نکلنا بند ہو گئے۔ گو کہ مہلت کے وقت میں مزید توسیع کر دی گئی تھی، لیکن اندر موجود طلبہ وطالبات شاید اندر ہی جانیں قربان کرنے کا فیصلہ کر چکے تھے۔ حالانکہ چیف صاحب نے ٹی وی پر آکر کہا تھا کہ انہیں امن وسلامتی سے نکلنے کا راستہ دیا جارہا ہے، نکل گئے تو ٹھیک ورنہ مارے جائیں گے، پھر بھی شاید وہ ابھی مزید حکومت وفوج کا صبر آزمانا چاہ رہے تھے۔ دس بجے ڈیوٹی تبدیل ہوئی تو میں نے بھی بندوق کندھے سے لگائی اور اپنے مورچے کی جانب بڑھ گیا۔ ابھی خار دار تار کی باؤنڈری پار نہیں کی تھی کہ نائب صوبیدار سعید مجھ سے آملا۔ چہرے سے تھکن اور پریشانی عیاں تھی۔

’آج مسجد سے کتنے لوگ نکلے ہوں گے سر؟‘، اس نے پوچھا۔

’سو، ڈیڑھ سو...... شاید دو سو‘، میں نے لاپرواہی سے جواب دیا۔

’اندر کتنے لوگ تھے؟‘،

’تیرہ سو کے لگ بھگ ہیں میرے خیال میں‘۔

’تیرہ سو! پھر تو آج ان میں سے آدھے بھی نہیں نکلے‘، وہ بڑبڑایا۔

’آدھے! ان کا دسواں حصّہ بھی نہیں نکلا، بہت ڈھیٹ قوم ہے یہ‘، میں بولا، ’جانتے ہو یہاں ہماری کتنی نفری ہے؟‘، نجانے کیوں میں اس سے پوچھ بیٹھا تھا۔

’نہیں...... کتنی ہے؟‘،

’پندرہ ہزار‘، میں سپاٹ لہجے میں بولا۔ میں نے اس کی آنکھوں کو تحیر آمیز بے یقینی سے پھیلتے دیکھا۔

’تیرہ سو لڑکے لڑکیوں کے لیے پندرہ ہزار کی فورس!‘، اس کے انداز سے مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے وہ مسجد کے اندر موجود جنگجوؤں اور دہشت گردوں کے لیے ہمدردی محسوس کر رہا تھا۔ ’اوئے تمہیں کیا پتہ اندر انہوں نے کیسا کیسا اسلحہ جمع کر رکھا ہے۔ وہ مولوی عبد الرشید کہہ رہا تھا کہ ہمارے پاس صرف ۱۴ کلاشنکوفیں ہیں، مگر مسجد کے تہہ خانوں میں جو انڈیا کا دیا ہوا اسلحہ رکھا ہوا ہے، اس کا اس نے ذکر نہیں کیا۔ کیا کچھ نہیں ہے، آر۔پی۔جی راکٹ، مائنیں، خود کش جیکٹیں، رائفلیں، مشین گنیں، سنائپر گنیں، راکٹ لانچر، نائٹ ویژن وغیرہ، سب کچھ ہے۔ گرنیڈ اور بارود کے تو ڈھیر ہیں ڈھیر۔ یہ چاہیں تو مہینہ بھر ہمارا مقابلہ کر سکتے ہیں آرام سے‘، میں نے اس کی معلومات میں اضافہ کیا۔

’اتنا کچھ......‘ اس نے مجھے ایسے دیکھا جیسے یقین کرنا چاہتا ہو، مگر یقین نہ آرہا ہو، ’مگر پھر وہ یہ سب استعمال کیوں نہیں کر رہے‘، آخری جملہ وہ اتنی آہستگی سے بولا کہ میں بآسانی نہ سننے کا تاثر دے کر آگے بڑھ گیا۔

اگلے دن بھی ہم مسجد میں سے لوگوں کے نکلنے کا انتظار کرتے رہے۔ کچھ نکلے بھی مگر ابھی بھی اندر بڑی تعداد میں غیر مسلّح عورتیں، بچے اور طلبہ موجود تھے۔ دن کے دوران مسجد کے طلبہ کے ساتھ گاہے بگاہے فائرنگ کا تبادلہ ہوتا رہا۔ میں نے مسجد کی چھت اور دیواروں سے کتنے ہی لڑکوں کو زخمی ہو کر گرتے دیکھا۔ نجانے کس مٹی کے بنے تھے یہ لڑکے، کہ گولیاں ان پر برس رہی تھیں، انہیں محفوظ راستوں سے نکلنے کی پیشکشیں ہو رہی تھیں، مگر پھر بھی عقل کا مظاہرہ کرنے کے بجائے اپنی ہٹ دھرمی پر قائم تھے۔ ادھر ہمارا بھی نقصان کر رہے تھے۔ سنا تھا ایک گولی لیفٹیننٹ کرنل ہارون کو بھی لگی تھی، انہیں فوری طور پر ہیلی کاپٹر میں سی ایم ایچ پنڈی منتقل کر دیا تھا۔

یہ ۷ جولائی کی شام تھی۔ مذاکرات ناکام ہو گئے تھے۔ مسجد کے مولوی اور ان کے شاگرد ہتھیار ڈالنے پر تیار نہیں تھے۔ حکومت کے رویے میں بھی کوئی لچک نہیں تھی۔ چیف صاحب بار بار کہہ رہے تھے کہ یہ سب مارے جائیں گے۔ مگر مسجد والے بھی اپنے موقف پر جمے ہوئے تھے، امام کعبہ نے بھی چیف صاب کی تائید کی تھی، ان کو امام کعبہ کا بھی خیال نہیں تھا۔ سارا دن کسی قسم کی پیش رفت کا انتظار کرنے کے بعد شام کو چیف صاحب نے آخری وارننگ جاری کی۔ پولیس اور رینجرز پیچھے ہٹ گئے اور میں نے اپنے جوانوں سمیت آگے بڑھ کر پوزیشنیں سنبھال لیں۔ رات ایک بجے کے بعد باقاعدہ آپریشن کا آغاز کیا۔ ہم نے مسجد کی بیرونی دیوار میں مائنیں لگا کر سوراخ کرنے شروع کیے۔ اندر سے مزاحمت جاری تھی۔ رات ڈھائی بجے کے بعد ایک عجیب سی ہلکی سی آواز سنائی دینا شروع ہوئی۔ پہلے تو میں نے توجہ نہ دی لیکن کچھ دیر بعد سپاہی اسلم نے بھی وہ آواز نوٹ کی۔

’ایسا لگ رہا ہے جیسے کوئی مکھی مستقل بھنبھنا رہی ہو سر، عین ہمارے سروں کے اوپر‘، وہ بولا۔ اس کی بات سن کر میں نے بے ساختہ آسمان کی طرف دیکھا۔ رات کے تین بج رہے تھے، اس وقت کون سی مکھی بھنبھنا رہی ہے۔ لیکن یکایک میرے ذہن میں جھماکا ہوا۔ یہ مکھی کی نہیں ڈرون کی آواز تھی، باجوڑ میں تعینات رہنے والے صوبیدار عبد الرحیم نے مجھے بتایا تھا کہ وہاں مکھی کی آواز والے ڈرون ہوتے تھے، کبھی کبھی۔ ابھی کچھ عرصہ پہلے ہی تو میس میں صوبیدار میجر کرامت بھی ذکر کر رہے تھے کہ وانا میں نیک محمد نامی دہشت گرد کمانڈر اسی سے مارا گیا تھا۔ ڈرون کے ہمارے ساتھ ہونے کے احساس سے میرے چہرے پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔ اگر ان مولویوں کے پیچھے بھارت تھا تو امریکہ اپنا یار تھا، اس نے بھی ہمیں بہت کچھ دے رکھا تھا اور بہت کچھ دینے کا وعدہ تھا۔

صبح تک ہم بیرونی دیوار گرانے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ لیکن یکایک آپریشن تعطل کا شکار ہو گیا۔ پہلی خبر یہ ملی کہ لیفٹیننٹ کرنل ہارون الاسلام ہسپتال میں زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے شہید ہو گئے تھے۔ غم و غصّہ سے ہمارا برا حال تھا۔ اب ان دہشت گردوں کا بچ کر نکلنا محال تھا۔ اب انہیں مزید کوئی ڈھیل نہیں دی جا سکتی تھی۔ اڑتی اڑاتی ہمیں بھی ملی تھی کہ رات کو فوج نے ڈرون کے ذریعے مسجد کے اندر کے حالات معلوم کر لیے تھے، تصویریں بھی اتاری تھیں۔ اب ان معلومات کی بنیاد پر آئندہ کا پلان طے ہونا تھا۔

۱۰ جولائی کی صبح ہم نے مسجد پر تین جانب سے حملہ کیا۔ ایس ایس جی کمانڈوز نے پہلی منزل بہت تیزی سے کلیئر کروالی تھی۔ میں اپنے جوانوں کے ساتھ مسجد کے بیرونی احاطے کو کلیئر رکھنے اور کمانڈوز کی ہر ممکن مدد کرنے پر مامور تھا۔ مسجد کے اندر جا کر مسجد اور مدرسے کو جنگجوؤں سے پاک کرنے کا کام تو کرنل صاحب شہید کے ایس ایس جی جوانوں کے سپرد تھا۔ ان کو بھی شدید مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا۔ جب اندر موجود جنگجوؤں کے پاس اسلحہ ختم ہو گیا تو انہوں نے پتھراؤ کرنا شروع کر دیا۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ جنگجوؤں نے بھرپور تیاری کر رکھی تھی ہمارے مقابلے کی۔ اور ابھی تو تہہ خانوں میں موجود جدید اسلحہ بھی تھا، وہ شاید انہوں نے آخر میں استعمال کے لیے سنبھال رکھا تھا۔

لیکن اللہ کے فضل سے اس کی نوبت ہی نہ آئی۔ ہمارے شیر دل کمانڈوز نے ۱۶ جوانوں کی قربانی دے کر یہ آپریشن مکمل کیا۔ مسجد اور مدرسہ جنگجوؤں سے پاک ہو چکا تھا۔ مولوی عبد الرشید مارا جا چکا تھا۔ اس کا بھائی عبد العزیز زندہ گرفتار ہو گیا تھا۔ اور گو کہ ہم نے بھاری نقصان اٹھائے تھے، تقریباً ۵۰ کے قریب جوان شہید ہوئے تھے اور زخمی ہونے والوں کی تعداد اس سے دگنی تگنی تھی، مگر ہم یہ جنگ جیت چکے تھے۔

☆☆☆☆☆

۱۱ جولائی کو میں نائب صوبیدار سعید کے ساتھ مسجد کے اندر داخل ہوا۔ مسجد کی ہر دیوار اور چھت گولیوں سے چھلنی تھی۔ وسیع احاطہ خون سے رنگین تھا۔ احاطے میں جا بجا شیشے کے ٹکڑے اور کہیں کہیں استعمال شدہ گولیوں کے شیل بکھرے ہوئے تھے۔ مسجد کی سیڑھیاں چڑھ کر اندرونی ہال میں داخل ہونے لگے تو سعید قدرے ٹھٹک کر رک گیا۔ میں نے مڑ کر اس کی جانب دیکھا۔ وہ آخری سیڑھی پر گومگو کے عالم میں جھکا ہوا تھا۔ اس کا ایک ہاتھ بوٹ کے تسموں پر تھا۔ میں اس کی جھجک سمجھ سکتا تھا۔ وہ امام مسجد کا بیٹا تھا۔ اس کا گھر گاؤں کی مسجد کے احاطے کے اندر ہی تھا۔ ساری زندگی اپنے گھر میں داخل ہونے کے لیے بھی وہ مسجد کے صحن کے باہر جوتے اتارنے، اور پھر جوتیاں ہاتھ میں اٹھا کر گھر میں داخل ہونے کا عادی تھا۔ اس وقت مسجد میں داخل ہوتے ہوئے جوتے اتارنے کی اس کی خواہش قابلِ فہم تھی۔ لیکن اس وقت اس کی اس حرکت نے مجھے شدید ناگواری اور کوفت میں مبتلا کر دیا تھا۔ اس وقت ہم کوئی جمعہ کی نماز پڑھنے تو نہیں آئے تھے، بلکہ فاتح کی حیثیت سے مفتوحہ علاقے میں داخل ہو رہے تھے۔

'کیا کر رہے ہو؟ ایسے ہی آ جاؤ، ابھی ضرورت نہیں ہے'، میں نے بیزاری سے کہا۔ وہ چپ چاپ میرے پیچھے چل پڑا۔ اندر ہر طرف پیرا ملٹری سٹاف بکھرا ہوا تھا۔ لاشیں اٹھائی جا رہی تھیں، بارودی سرنگیں پھٹنے سے جو دیواریں گر گئی تھیں، ان کا ملبہ ہٹایا جا رہا تھا۔ ایک ایک کمرے کا جائزہ لیتے ہوئے ہم تہہ خانوں کی طرف آ گئے۔ یہاں ایک ناقابلِ برداشت بو پھیلی ہوئی تھی۔ اس طرف ابھی کسی کو آنے کی اجازت نہیں تھی، یہاں سے ابھی لاشیں نہیں اٹھائی گئی تھیں۔ سیڑھیاں اترتے ہوئے اچانک مجھے محسوس ہوا کہ میں اکیلا ہوں۔ سعید نجانے پیچھے کہاں رہ گیا تھا۔ میں اس کا انتظار کیے بغیر سیڑھیاں اتر کر نیچے چلا آیا۔ پہلے ہی کمرے میں داخل ہوا تو پاؤں کسی نرم چیز سے ٹکرایا۔ میں نے نیچے دیکھا اور خوف و دہشت سے منجمد ہو گیا۔ وہ کسی نوجوان کی لاش تھی، لیکن اس قدر جلی ہوئی تھی کہ اس کے جسمانی اعضاء کی شناخت کرنا ممکن نہیں رہا تھا۔ اس کے چہرے کے تمام اعضاء گویا پگھل کر آپس میں مدغم ہو گئے تھے۔ مجھے شدید قسم کی کراہت اور گھن کا احساس ہوا۔ میں تیزی سے وہاں سے ہٹا، مگر باہر نکلنے کی بجائے تہہ خانے کے مرکزی ہال کی طرف نکل آیا۔

یہاں جا بجا لاشیں بکھری ہوئی تھیں۔ بعض کے اعضاء نامکمل تھے۔ کوئی سر سے محروم تھا تو کسی کی ٹانگیں نہیں تھیں۔ مگر ایک چیز ان میں یکساں تھی۔ وہ سب پہلی لاش کی طرح پگھلی ہوئی تھیں۔ ان میں سے کسی کو بھی پہچانا نہیں جا سکتا تھا۔ میں دیکھنا نہیں چاہتا تھا، میں وہاں سے بھاگ جانا چاہتا تھا، لیکن نجانے کیوں دیکھتے رہنے پر مجبور تھا۔ بدبو سے میری طبیعت متلا رہی تھی اس کے باوجود میں وہاں سے نکل نہیں پا رہا تھا۔ ایک بات میں جانتا تھا، کہ کوئی اسلحہ، کوئی بندوق، اور کوئی گولی ایسی نہیں ہوتی جو انسان کو موم کی طرح پگھلا دے۔ ہاں ایک چیز ایسی تھی جو آدمی کی جلد کو پگھلا کر بہا سکتی تھی۔ سفید فاسفورس۔ مگر کیمیکل ہتھیار استعمال کرنا بین الاقوامی اصول و ضوابط کے مطابق ناجائز تھا۔ پھر نجانے یہاں کیا ہوا تھا۔

میں تہہ خانے سے یوں باہر نکلا جیسے کوئی شرابی شراب خانے سے نکلتا ہے۔ چکراتے سر اور منتشر ذہن کو سنبھالنے کے لیے مجھے شدت سے تازہ ہوا کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی۔ میں تیزی سے مسجد کے مرکزی ہال کی طرف بڑھا جہاں سے باہر کی طرف راستہ جاتا تھا۔ مگر سامنے سے پیرا ملٹری اسٹاف ایک سٹریچر اٹھائے چلے آ رہے تھے۔ انہیں راستہ دینے کے لیے میں راہداری کی دیوار سے لگ کر کھڑا ہو گیا۔ میرے بوٹ کے نیچے کوئی چیز چرچرائی تھی۔ میں نے جھک کر دیکھا۔ وہ قرآن پاک کا ایک جلا ہوا، کٹا پھٹا نسخہ تھا۔ میرے ذہن میں یکایک ماں آ گئی۔ فجر کے وقت صحن میں بیٹھی، ہل ہل کر قرآن پاک کی تلاوت کرتی ماں۔ پھر قرآن پاک کو احترام سے جزدان میں لپیٹ کر، چومتی ہوئی، آنکھوں سے لگاتی ہوئی ماں۔ میرا جی چاہا کہ کہ

میں وہ جلا ہوا نسخہ اٹھا کر کسی اونچی جگہ پر رکھ دوں۔ ادھر ادھر دیکھا، مگر کوئی مناسب جگہ نظر نہ آئی۔ میں سر جھٹکتا تیزی سے آگے بڑھ گیا۔

تمام لاشوں کو مرکزی ہال میں جمع کیا جا رہا تھا۔ پھر یہاں سے ان لاشوں کی شناخت اور ورثاء کے سپرد کرنے کے مراحل طے کیے جانے تھے۔ ہسپتال کا جو عملہ ابھی چند لمحوں پہلے میرے سامنے سے گزرا تھا، وہ اب سٹریچر پر اٹھائی لاش کو دیگر لاشوں کے ساتھ رکھ رہے تھے۔ میں نے نوٹ کیا کہ یہ لاش دیگر لاشوں کی نسبت بہت چھوٹی تھی۔ اس کے پاس سے گزرتے ہوئے یونہی میں نے اس کے چہرے پر موجود چادر ہٹا کر دیکھا، وہ پھولے پھولے گالوں والی اک چھوٹی سی بچی تھی۔ اس کے چہرے کی گلابی اب موت کی سفیدی میں ڈھل گئی تھی، مگر اس کے باریک باریک ہونٹ کسی ادھ کھلی کلی کی طرح مسکرا رہے تھے۔ نجانے کس جماعت میں پڑھتی ہو گی یہ بچی......؟ میرے ذہن میں سوال پیدا ہوا۔ اور مجھے لگا جیسے وہ بچی اچانک کھل کر مسکرا دی ہو، مجھے اس کی آواز آئی، 'تایا جی! میرے لیے نورانی قاعدہ ضرور لانا، میں دادی سے پڑھوں گی'۔ میں نے گھبرا کر چادر کا سرا چھوڑ دیا۔

☆☆☆☆☆

میں اپنے مورچے کے پاس پہنچ چکا تھا۔ اندر داخل ہوا تو سعید آنکھیں بند کیے کرسی پر نیم دراز تھا۔ میں اس پر ایک نظر ڈال کر مورچے کی کھڑکی کے پاس جا کھڑا ہوا۔ میں نے باہر نظر ڈالی۔ آج موسم میں گرمی کی شدت پہلے سے کم تھی۔ اچھی خوشگوار ہوا بھی چل رہی تھی۔ تبھی ایک تتلی نجانے کہاں سے اڑتے اڑتے کھڑکی میں آ بیٹھی۔ میں اس کے پروں کے رنگوں کو دیکھنے لگا۔ شاید یہ دھیان بٹانے کی ایک لاشعوری کوشش تھی۔ وہ تھی بھی بہت خوش رنگ۔ چند منٹ تتلی کو تکتے رہنے کے بعد میں نے مڑ کر سعید کی طرف دیکھا۔ وہ آنکھیں کھولے میری طرف ہی دیکھ رہا تھا۔ شاید میرے کچھ کہنے کا منتظر تھا۔

'کیا بکواس حالت بنا رکھی ہے تم نے؟'، میں نے درشتگی سے پوچھا۔ اس نے سر جھکا لیا، مگر میں دیکھ چکا تھا، اس کی آنکھیں آنسوؤں سے نم تھیں۔

'ظلم......بڑا ظلم کیا ہے ہم نے افضل'، وہ میری طرف دیکھے بغیر بولا۔

'کیا ظلم کیا ہے ہم نے؟ افسروں کا حکم مانا ہے، آرڈر کی تعمیل کی ہے'، میں زور سے بولا۔

'ان کے آرڈر غلط تھے، انہوں نے ظلم کا حکم دیا تھا، زیادتی کرنے کا آرڈر دیا تھا'، وہ اسی طرح سر جھکائے جھکائے بولا۔

'بکواس بند کرو! وہ افسروں کے آرڈر تھے، ہمارا کام آرڈر پورا کرنا ہے، یہ سوچنا نہیں کہ آرڈر صحیح ہے یا غلط'،

'وہ افسروں کے آرڈر تھے، خدا کے تو نہیں'۔

'افسروں کے آرڈر ہی ہمارا دین ایمان ہیں۔ ہم فوجی ہیں۔ ہمیں اسی چیز کے پیسے ملتے ہیں کہ ہمیں جو آرڈر دیا جا رہا ہے، اسے بے چوں وچرا ں پورا کریں۔ اور تو سعید...... تو اب امام مسجد کا بیٹا بن کر سوچنا چھوڑ دے، اور نائب صوبیدار سعید ملک بن کر سوچا کر۔ ورنہ نقصان اٹھائے گا۔ اس فوج کی نوکری سے ہی تمہاری روزی روٹی بندھی ہوئی ہے۔ مت بھولو کہ تمہاری چار بہنیں گھر میں بن بیاہی بیٹھی ہیں اور تمہارا باپ امام نور دین، شوگر کا مریض ہے۔ اس لیے اپنے دماغ کو کم استعمال کیا کرو اور جو آرڈر ملے، آنکھیں بند کر کے، اسے پورا کیا کرو۔ اگر تم نے اپنے دل سے ان مولویوں کی ہمدردی نہ نکالی تو یاد رکھو! تمہارا انجام ان سے بھی بدتر ہو سکتا ہے'۔ میں نجانے اسے کیا باور کرانا چاہ رہا تھا، لیکن اس وقت اس کے سامنے میں پھٹ پڑا تھا۔

وہ چپ چاپ میری تقریر سنتا رہا۔ پھر تھکے تھکے انداز میں کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ میز پر رکھی اپنی ٹوپی اٹھا کر سر پر رکھی، بندوق کندھے سے لگائی، پھر میری طرف مڑا اور ہاتھ سر تک لے جا کر، ایڑیاں ملا کر مجھے سیلوٹ کیا: 'سر!'۔ اور شکست خوردہ سے انداز میں مورچے سے باہر نکل گیا۔

میں کھڑکی سے اسے جاتا دیکھتا رہا۔ ایک تو پہلے ہی مسجد کے اندر کے مناظر دیکھ کر طبیعت پر ایک بوجھ تھا، اوپر سے سعید کی باتوں نے مزید میرا دماغ گھما دیا تھا۔ 'الو کا پٹھا، بے غیرت......'، میں منہ ہی منہ میں بڑبڑاتا اسے کوس رہا تھا۔ 'رہے گا دیہاتی کا دیہاتی'۔ آخر وہ یہ کیوں نہیں سوچتا تھا کہ افسروں نے جو بھی حکم دیے، ہماری اور ملک کی بہتری کے لیے ہی دیے تھے۔ یہ دہشت گرد، جنگجو مولوی، ان کے ساتھ جو کچھ ہوا، وہ ان کی اپنی کرنی کا پھل تھا، ان کے ساتھ یہی کچھ ہونا چاہیے تھا۔ میں نے غصّے سے اس مٹی کی بوری کو ایک مکّا رسید کیا جس سے مورچے کی دیوار بنی ہوئی تھی۔ میرے مکّے سے پریشان ہو کر بوری پر بیٹھی تتلی ذرا سا اڑی، پھر دوبارہ اپنی جگہ آ بیٹھی۔

'میں ایک فوجی ہوں، میرا کام افسروں کے آرڈر کی تعمیل ہے۔ میں اس وطن کا محافظ ہوں'۔ میں بلند آواز میں بڑبڑایا۔ تتلی اب اڑنے کے لیے پر تول رہی تھی۔ شاید میری آواز اور حرکتیں اسے پریشان کر رہی تھیں۔ یکایک مجھے اس کے رنگ چبھنے لگے، مجھ پر شدید بیزاری اور کوفت طاری ہو رہی تھی۔ تتلی تھوڑا سا اڑی، لیکن اسی لمحے میرا بھاری ہاتھ اس پر آ پڑا۔ میں نے ہاتھ ہٹایا، اس کے پروں کے سب رنگ میری ہتھیلی پر نقش و نگار بنا گئے تھے۔ وہ میری بھاری ہتھیلی تلے مسلی جا چکی تھی۔ لیکن مجھ پر جیسے جنون سوار ہو گیا تھا۔ ایک بار، دو بار...... پھر کتنی ہی بار میں نے مکّے مار مار کر اس کا کچومر نکال دیا۔

(باقی صفحہ نمبر 58 پر)

رضا و وفا

اشعار: مولانا محمد مثنیٰ حسان

جب اپنی منزلِ مقصود ہی ’رضا‘ ٹھہری
نشانِ راہ پھر اس کے لیے ’وفا‘ ٹھہری

کڑی ہے اپنی مسافت، سفر طویل مگر
یہاں متاعِ سفر صبر اور تقیٰ ٹھہری[1]

صعوبتوں سے یہاں جو بھی دل گرفتہ ہوں
خیالِ یار[2] ہی ان کے لیے دوا ٹھہری

چلے ہیں راہِ خدا میں تو شوق سے چلیے
مَلَل سے جی کا چرانا بڑی خطا ٹھہری

رواں سفینہ ہوا ہے، بھنور کی کیا پرواہ
کہ ساحلوں کی طلب مشقِ ناخدا ٹھہری

میں جب مصائب وآلام سے نڈھال ہوا
سکونِ قلب مرے واسطے عطا ٹھہری

مرے خدایا! دعا ہے، مراد کو پاؤں
مری نگہ میں ’شہادت‘ ہی انتہا ٹھہری

اللّٰھم آمین!



[1] فَإِنَّهُ مَن يَتَّقِ وَيَصْبِرْ فَإِنَّ اللّهَ لاَ يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ.
”حقیقت یہ ہے کہ جو شخص تقوی اور صبر سے کام لیتا ہے، تو اللہ نیکی کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔“

[2] اللّهُ وَلِيُّ الَّذِينَ آمَنُواْ .
”اللہ ان کا ساتھی ہے جو ایمان لائے۔“

’’فرزندان توحید! آج تمہارے ایمان اور اخلاص کا امتحان لیا جا رہا ہے خدا تعالیٰ دیکھ رہا ہے کہ کون اس کے جلال و جبروت کے سامنے سر جھکاتا ہے اور کون ہے جو دنیا کی ناپائیدار ہستیوں کے خوف سے خدا کی امانت میں خیانت کرتا ہے۔ اگر تم کو میدانِ محشر میں خدا کے سامنے پیش ہونا ہے، اگر تم کو رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شفاعت کی آرزو ہے، تو اس کے پاک دین کی حفاظت کرو، اس کے مقدس احکامات کی اطاعت کرو، اس کی امانتِ توحید کو برباد نہ ہونے دو اور اس کی دی ہوئی عزت کو حقیقی عزت سمجھو۔ اسلام صرف عبادات کا نام نہیں ہے بلکہ وہ تمام مذہبی تمدنی، اخلاقی، سیاسی ضرورتوں کے متعلق ایک کامل و مکمل نظام رکھتا ہے جو لوگ زمانہ موجودہ کی کشمکش میں حصہ لینے سے کنارہ کشی کرتے ہیں اور صرف حجرہ میں بیٹھ رہنے کو اسلامی فرائض کی ادائیگی کے لیے کافی سمجھتے ہیں۔ وہ اسلام کے پاک وصاف دامن پر ایک بدنما دھبہ لگاتے ہیں ان کے فرائض صرف نماز روزہ پر منحصر نہیں۔ بلکہ اس کے ساتھ ہی اسلام کی عزت برقرار رکھنے اور اسلامی شوکت کی حفاظت کرنے کی ذمہ داری بھی ان پر عائد ہوتی ہے۔‘‘

شیخ الہند حضرت مولانا
محمود حسن
نَوَّرَ اللّٰہُ مَرْقَدَہٗ

[جمعیۃ العلماء کے دوسرے سالانہ جلسے (۱۹ تا ۲۱ نومبر ۱۹۲۰ء) میں وفات سے ایک سال قبل صدارتی خطاب]

